مزید اضافہ عنوانات و تصحیح، نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن

اشرف الہدایہ

شرح اردو

ھدایۃ

تالیف

مولانا جمیل احمد سکروڈھوی

اضافہ عنوانات

مولانا محمد عظمت اللہ

مزید اضافہ عنوانات و تصحیح نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (القرآن)

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو

هداية

جلد شانزدہم

باب القسامة
تا
فصل في احكامه
و مسائل شتى

تالیف: مولانا مفتی محمد یوسف احمد صاحب تاؤلوی
مدرس دارالعلوم دیوبند

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ
رفیق دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۵ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : ۳۰۴ صفحات
کمپوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القسامة

یہ قسامت کا باب ہے

قسامت کا لغوی وشرعی معنیٰ

تشریح قسامت لغت میں بمعنی قسم ہے اور شریعت میں قسامت اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ہے سبب مخصوص کی وجہ سے عدد مخصوص کے ساتھ، شخص مخصوص پر، مخصوص طریقہ پر۔

محلّہ میں مقتول پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو دیت وقسامت کا حکم

اگر کوئی شخص مقتول کسی محلّہ میں ہے اور آثار قتل اس پر موجود ہوں اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور مقتول کا ولی تمام اہل محلّہ پر یا بعض غیر معین پر یا بعض معین پر قتل کا دعویٰ کرے تو ہمارے نزدیک ولی کو حق ہوگا کہ محلّہ میں سے پچاس آدمی جن کو وہ چاہے منتخب کرے اور ان سے قسم لیجائے وہ اسطرح قسم کھائیں کہ اللہ کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اسکے قاتل کا علم ہے اگر انھوں نے قسم کھالی تو قصاص ان کے اوپر سے ساقط ہو جائیگا البتہ ان کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی خواہ ولی قتل عمد کا دعویٰ کرے یا قتل خطا کا۔ خلاصۂ کلام ہمارے نزدیک قصاص صرف اسی وقت ثابت ہوسکتا ہے، جبکہ اہل محلّہ قسم کا انکار کر کے قتل کا اقرار کرلیں یا بیّنہ سے قتل عمد ثابت ہو جائے، یہ ہمارے مسلک کی تفصیل ہے۔

قسامت کے بارے میں دیگر ائمہ کے اقوال

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدّعی کے حق میں ظاہر حال شاہد ہو یعنی ان میں سے کسی کی تلوار کا خون آلود ہونا یا مقتول کے اور اہل محلّہ کے درمیان عداوت کا ظاہر ہونا وغیرہ تو پھر اہل محلّہ سے قسم نہیں لیجائیگی بلکہ مدّعی سے قسم لیجائے گی یعنی مدّعی پچاس قسم کھائے جب مدّعی نے قسم کھالی کہ اہل محلّہ نے اس کو قتل کیا ہے تو اگر دعویٰ خطا کا ہے تو دیت واجب ہوگی اور عمد کی صورت میں اُن کے دو قول ہیں ایک قول کے مطابق قصاص واجب ہوگا اور ایک قول کے مطابق دیت واجب ہوگی لیکن اگر مدّعی حلف سے انکار کردے تو پھر اہل محلّہ سے حلف لیا جائیگا تو اگر اہل محلّہ نے حلف کرلیا تو اب ان پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت، اور اگر انہوں نے حلف سے انکار کردیا تو اَب امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول کے مطابق قصاص واجب ہے اور ایک قول کے مطابق دیت اور اگر کوئی قرینہ (لوث) نہ ہو تو پھر اہل محلّہ سے اسی طرح قسم لیجائے گی جو ہمارا مذہب ہے خلاصۂ کلام ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف دو جگہ ہے۔

۱- ہمارے نزدیک مدّعی (ولی) سے حلف نہیں لیا جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک حلف لیا جائے گا

۲- اگر اہل محلّہ نے قسم کھالی تو امام شافعیؒ کے نزدیک اب وہ ضمان سے بری ہو گئے یعنی ان پر دیت واجب نہ ہوگی اور ہمارے نزدیک

دیت واجب ہوگی، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی کا دعویٰ قتل عمد کا ہو تو مدعی علیہم (اہل محلہ) میں سے مدعی جس کو اختیار کرے اس سے قصاص لے لے۔ (غرر الافکار۔ شامی)

تنبیہ-۱...... مقتول کے اندر بعض صورتوں میں قسامت کی حاجت پیش آجاتی ہے اس لئے اس کو علیحدہ باب میں دیات کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے۔

تنبیہ-۲...... سبب مخصوص سے مراد مقتول کا محلہ میں پایا جانا ہے عدد مخصوص پچاس (۵۰) ہیں، شخص مخصوص سے مراد مخصوص النوع ہے یعنی ایسا مرد جو عاقل بالغ ہو یا مالکِ مکلف ہو اس میں مرد عورت بھی داخل ہیں، مخصوص طریقہ یعنی پچاس مرد ہوں اور ان سے پچاس قسم ہوں اور افراد پورے نہ ہوں تو یمین کا تکرار ہو۔

قسامت کا بیان

قال وإذا وجد القتيل في محلة ولا يعلم من قتله استحلف خمسون رجلا منهم يتخيرهم الولي بالله ما قتلناه ولا علمنا له قاتلا وقال الشافعي إذا كان هناك لوث استحلف الأولياء خمسين يمينا ويقضى لهم بالدية على المدعىٰ عليه عمدا كانت الدعوىٰ أو خطأ وقال مالك يقضي بالقود إذا كانت الدعوى في القتل العمد وهو أحد قولي الشافعي

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جب کہ کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو سکے تو محلہ کے پچاس شخصوں سے حلف لیا جائے گا جن کو ولی اختیار کرے گا (قسم کے الفاظ یہ ہونگے) خدا کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے اور شافعیؒ نے فرمایا جب کہ وہاں کوئی قرینہ ہو تو اولیاء سے پچاس قسم لیجائے گی اور اولیاء کے لئے مدعیٰ علیہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا دعویٰ عمد کا ہو یا خطاء کا اور مالکؒ نے فرمایا کہ قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا جب کہ قتلِ عمد کا دعویٰ ہو اور یہی شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔

تشریح...... عنوان کے تحت تقریر میں اس کا بیان گذر چکا ہے اور پوری تفصیل گزر چکی ہے۔

لوث کا معنیٰ

واللوث عندهما أن يكون هناك علامة القتل على واحد بعينه أو ظاهر يشهد للمدعي من عداوة ظاهرة أو شهادة عدل أو جماعة غير عدول أن أهل المحلة قتلوه

ترجمہ...... اور ان دونوں (مالکؒ وشافعیؒ) کے نزدیک لوث یہ ہے کہ وہاں کسی معین شخص پر قتل کی علامت ہو یا ظاہر حال مدعی کے لئے شاہد یعنی عداوتِ ظاہرہ ہو یا ایک عادل کی شہادت ہو یا ایسی جماعت کی شہادت ہو جو غیر عادل ہیں کہ اہل محلہ نے اس کو قتل کیا ہے۔

تشریح...... یہاں سے لوث کی تفسیر بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی ایسا قرینہ مل جائے جس سے قلب میں بات جم جائے کہ یہی لوگ اس کے قاتل ہیں جس کے مختلف طریقے ہیں

۱- کسی کی ان میں تلوار خون آلود ہو۔

۲- یا مقتول کے اور ان میں سے کسی کے درمیان عداوت چل رہی تھی۔
۳- ایک عادل شخص نے شہادت دی ہو کہ اہل محلّہ ہی اس کے قاتل ہیں مگر اس شاہد کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس محلّہ کا نہ ہو۔
۴- یا ایک جماعت نے گواہی دی ہو لیکن وہ جماعت عادلین کی نہ ہو۔
تو یہ تمام صورتیں لوث میں داخل ہیں جس کا حکم مذکور ہو چکا ہے۔

لوث کی عدم موجودگی میں احناف اور امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

وإن لم يكن الظاهر شاهدا له فمذهبه مثل مذهبنا غير أنه لايكرر اليمين بل يردها على الولى فإن حلفوا لا دية عليهم

ترجمہ ...... اور اگر ظاہر حال مدّعی کے لئے شاہد نہ ہو تو شافعیؒ کا مذہب ہمارے مذہب کے مثل ہے علاوہ اس بات کے کہ وہ یمین کو مکرر نہیں کرتے بلکہ یمین کو ولی پر لوٹا دیتے ہیں پس اگر اہل محلّہ نے قسم کھالی تو ان پر دیت نہ ہوگی۔

تشریح ...... مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوث نہ ہو تو پھر ہمارے مذہب کے مطابق ہیں یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اہل محلّہ سے حلف لیا جائے گا، بس ایک فرق ہے کہ اگر اہل محلّہ پچاس سے کم ہوں تو ہمارے نزدیک ان سے مکرر قسم لیجائے گی اور شافعیؒ کے نزدیک اب بجائے اہل محلّہ کے ولی سے قسم لیجائے گی، بہرحال اہل محلّہ سے قسم کی صورت میں جب انہوں نے قسم کھائی تو امام شافعیؒ کے نزدیک اب اہل محلّہ پر دیت واجب نہ ہوگی اور ہمارے نزدیک ہوتی ہے۔ (کمامّر)

قسامت کے سلسلے میں امام شافعیؒ کی نقلی وعقلی دلیل

للشافعى فى البداية بيمين الولى قوله عليه السلام للأولياء فيقسم منكم خمسون أنهم قتلوه ولأن اليمين تجب على من يشهده له الظاهر ولهذا تجب على صاحب اليد فإذا كان الظاهر شاهدا للولى يبدأ بيمينه ورد اليمين على المدعى أصل له كما فى النكول غير أن هذه دلالة فيها نوع شبهة والقصاص لايجمعها والمال يجمع معها فلهذا وجبت الدية

ترجمہ امام شافعیؒ کی دلیل ولی کی یمین سے بدایت کے سلسلہ میں نبی علیہ السلام کا فرمان ہے اولیاء مقتول سے کہ تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ انہوں نے مقتول کو قتل کیا ہے اور اس لئے کہ یمین اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس کے لئے ظاہر حال شاہد ہو اور اس وجہ سے یمین صاحب ید پر واجب ہوتی ہے پس جب کہ ظاہر حال ولی کے لئے شاہد ہو تو اس کی یمین سے ابتداء کی جائے گی اور یمین کو مدعی پر لوٹا دینا شافعیؒ کی ایک اصل ہے جیسا کہ انکار کی صورت میں علاوہ اس بات کے کہ یمین ایسی دلالت ہے جس میں شبہ کی ایک قسم ہے اور قصاص شبہ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور مال شبہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے پس اس وجہ سے دیت واجب ہے۔

تشریح ...... امام شافعیؒ نے کہا تھا کہ اگر کوئی لوث وقرینہ ہو تو یمین کی ابتداء اولیاء مقتول سے ہوگی اس سلسلہ میں انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں اوّلاً نقلی اور ثانیاً عقلی۔

دلیل نقلی کی وضاحت ...... نقلی دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کے گڈھوں میں سے ایک گڈھے میں عبد اللہ بن سہل بن زید محیصہ بن

مسعود بن زید نے مقتول پا کر دفن کر دیا پھر وہاں سے مدینہ میں آ کر خود مع حویصہ بن زید مسعود وعبدالرحمن بن سہل کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عبداللہ بن سہل کا واقعہ بیان کیا پس آپ نے فرمایا کہ تم پچاس قسمیں کھاؤ گے اور اپنے ساتھی کے خون کے مستحق ہو جاؤ گے تو انہوں نے عرض کیا کہ قسم کیسے کھائیں گے حالانکہ ہم حاضر نہیں تھے تو حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم سے براءت کر لیں گے انہوں نے کہا کہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں اور کافروں کی قسموں کو کیونکر قبول کر لیں پس آنحضرت ﷺ نے ان کو صدقات کے اونٹوں میں سے سو اونٹ فدیہ میں دیئے تو دیکھئے اس میں اولیاء مقتول کی تقدیم ہے۔

دلیل عقلی کی وضاحت ...... اکثر معاملات میں مدعیٰ کی یمین اسلئے معتبر ہوتی ہے کہ اس کا مقصد اپنے ذمہ کی براءت ہے جسکی وجہ سے ظاہر حال مدعیٰ کیلئے شاہد ہوتا ہے مگر اتفاق سے باب قسامت میں ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہے اسلئے کہ لوث وقرینہ موجود ہے اور جس کیلئے ظاہر حال شاہد ہو قول اسی کا معتبر ہوتا ہے لہٰذا مدعی کا قول مع الیمین معتبر ہوگا یعنی اسکی یمین سے ابتداء کی جائے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جیسے یہ اصول ہے کہ اگر اہل محلّہ قسم کھانے سے انکار کر دیں تو مدعی سے قسم لیکر وجوب دیت کا فیصلہ کر دیا جائیگا اسی طرح ان کے یہاں یہ بھی ایک اصل ہے کہ اگر اہل محلّہ کا عدد پچاس کا نہ ہو تو اب اہل محلّہ سے یمین مکرر نہیں لی جائے گی، بلکہ یہاں بجائے اہل محلّہ کے اولیاء سے قسم لی جائیگی اور ان کی قسم پر وجوب دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

سوال ...... پھر تو امام شافعیؒ کو چاہئے کہ عمد کی صورت میں قصاص کے وجوب کا فیصلہ دیتے؟

جواب ...... یمین میں کچھ شبہ ہے اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے البتہ مال شبہ کیساتھ بھی واجب ہو جاتا ہے اور دیت مال ہے اسلئے یمین سے صرف دیت ہی ثابت ہو سکتی ہے مال ثابت نہیں ہو سکتا، یہ امام شافعیؒ کے دلائل تھے آگے ہمارے دلائل ہیں۔

قسامت کے سلسلے میں احناف کی نقلی دلیل

ولنا قوله ﷺ البينة على المدعى واليمين على من أنكر وفي رواية على المدعى عليه وروى سعيد بن المسيب رضي الله عنه أن النبي عليه السلام بدأ باليهود بالقسامة وجعل الدية عليهم لوجود القتيل بين أظهرهم

ترجمہ ...... اور ہماری دلیل نبی علیہ السلام کا فرمان ہے البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر اور ایک روایت میں (بجائے علی من انکر کے) علی المدعی علیہ ہے اور سعید بن مسیبؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قسامت کے بارے میں یہود سے ابتداء کی اور مقتول کے ان کے درمیان پائے جانے کی وجہ سے دیت کو ان پر لازم فرمایا۔

تشریح ...... یہ ہماری دلیل اولاً حدیث مشہور ہے البینۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر اور ثانیاً سعید بن مسیبؓ کی روایت ہے کہ یہود کے ایک کنویں میں ایک مقتول ملنے پر نبی کریم ﷺ نے ایمان وقسامت کی ابتداء یہود سے فرمائی اور پھر یہود ہی کے اوپر دیت کو واجب کیا کیونکہ مقتول ان کے درمیان ملا ہے، ان دونوں حدیثوں کی تفصیل کیلئے دیکھئے نصب الرایہ ص ۳۹۰، ج ۴۔

احناف کی عقلی دلیل

ولأن اليمين حجة للدفع دون الاستحقاق وحاجة الولي إلى الاستحقاق ولهذا لايستحق بيمينه المال المتبذل فأولى أن لايستحق به النفس المحترمة

ترجمہ ...... اور اسلئے کہ یمین حجت ہے دفع مضرت کیلئے نہ کہ استحقاق کیلئے اور ولی کی حاجت استحقاق کی جانب ہے اور اسی وجہ سے مدعی کی یمین سے وہ مال مستحق نہیں ہوتا جو متبذل ہے (صرف کر دیا جاتا ہے) پس بدرجۂ اولیٰ یہ بات ہوگی کہ یمین سے نفس محترم کا استحقاق نہ ہو سکے۔

تشریح ...... یمین صرف اہل محلّہ کا فریضہ ہوگا نہ کہ اولیاء کا اسلئے کہ یمین وہاں ہوتی ہے جس کا مقصد دفع ہو استحقاق نہ ہو اور یہاں مدعی کا مقصد دفع مضرت نہیں بلکہ استحقاق ہے پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ نفس کا مقام مال سے بڑھا ہوا ہے اور یمین سے مال کا ثبوت نہیں ہوتا تو نفس محترم کا استحقاق بدرجۂ اولیٰ ثابت نہ ہوگا۔

اہلِ محلّہ میں سے پچاس آدمیوں کو منتخب کرنے کا حق ولی کو ہے

وقوله "يتخيرهم الولي" إشارة إلى أن خيار تعيين الخمسين إلى الولي؛ لأن اليمين حقه والظاهر أنه يختار من يتهمه بالقتل أو صالحي أهل المحلة لما أن تحرزهم عن اليمين الكاذبة أبلغ التحرز فيظهر القاتل وفائدة اليمين النكول فإن كانوا لايباشرون ويعلمون يفيد يمين الصالح على العلم بأبلغ مما يفيد يمين الطالح ولو اختاروا أعمى أو محدودا في قذف جاز لأنه يمين وليس بشهادة

ترجمہ ...... اور قدوریؒ کا قول "يتخيرهم الولي" اشارہ ہے اس بات کی جانب کہ پچاس کی تعیین کا خیار ولی کو ہے اسلئے کہ یمین اس کا حق ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ اسکو اختیار کریگا جس کو وہ قتل کیساتھ متہم پائیگا یا محلّہ کے نیک لوگوں کو اسلئے کہ ان کا (صلحاء کا) جھوٹی قسم سے بچنا کامل بچنا ہوگا تو قاتل ظاہر ہو جائے گا اور یمین کا فائدہ انکار کرنا ہے (تو مطلوب ہی حاصل ہو جائیگا) پس اگر اہل محلّہ نے قتل نہ کیا ہو اور وہ قاتل کو جانتے ہوں تو جاننے پر صالح کی یمین اس سے زیادہ فائدہ دے گی جو بدکار کی یمین فائدہ دے گی اور اگر اولیاء نے نابینا یا محدود فی القذف کو اختیار کیا ہو تو جائز ہے اس لئے کہ یمین ہے اور شہادت نہیں ہے۔

تشریح ...... اہل محلّہ میں سے پچاس آدمیوں کو منتخب کرنے کا حق ولی کو ہوگا کیونکہ یمین اولیاء ہی کا حق ہے تو یہ اختیار بھی اسی کو ملے گا کیونکہ وہ ایسے افراد کو منتخب کرے گا جن کو وہ اپنے گمان میں متہم بالقتل جانتا ہے تو اس سے قاتِل کا ظہور جلدی ہوگا اور یمین کا فائدہ یہ ہے کہ اگر انھوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مسئلہ ہی حل ہو جائے گا یا ولی محلّہ کے نیک لوگوں کو منتخب کریگا کیونکہ ان کے بارے میں یہ خیال غالب ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بولیں گے بلکہ سچ بولیں گے اور اس سے جلدی قاتل کا ظہور ہوگا پھر اگر ان لوگوں نے قتل نہ کیا ہو لیکن قاتل کو جانتے ہوں تو قاتل جاننے کے بارے میں نیک لوگوں کی شہادت سے جو مجرم کے اندر پختگی پیدا ہوگی وہ بدکاروں کی شہادت سے حاصل نہ ہو سکے گی۔ اور اگر اولیاء نے جن لوگوں کو اختیار کیا ہے ان میں سے کوئی اندھا یا محدود فی القذف ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ یہ یمین ہے شہادت نہیں ہے۔

قسامت کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کا دعویٰ اور امام شافعیؒ کی دلیل نقلی وعقلی

قال فإذا حلفوا قضى على أهل المحلة بالدية ولا يستحلف الولي وقال الشافعي لاتجب الدية لقوله عليه السلام في حديث عبدالله بن سهل رضي الله عنه تبرئكم اليهود بأيمانها ولأن اليمين عهدت في الشرع مبرئا للمدعى عليه لاملزما كما في سائر الدعاوى

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا پس جب کہ انہوں نے قسم کھالی تو اہل محلّہ پر دیت کا فیصلہ کردیا جائے گا اور ولی سے حلف نہیں لیا جائے گا اور شافعیؒ نے فرمایا کہ دیت واجب نہ ہوگی عبداللہ بن سہلؓ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ یہود تم سے بری ہوجائیں گے اپنی قسموں کی وجہ سے اور اس لئے کہ یمین شریعت میں معہود ہے اس حال میں کہ وہ مدعیٰ علیہ کو بری کرنے والی ہے نہ کہ لازم کرنے والی جیسے تمام دعاوی میں۔

تشریح ..... جب اہل محلّہ میں سے پچاس آدمیوں نے قسم کھالی تو ان سے قصاص ساقط ہوکر ان پر دیت واجب ہوجائے گی یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اب اہلِ محلّہ پر کوئی ضمان واجب نہیں رہا نہ قصاص اور نہ دیت اس بارے میں امام شافعیؒ نے دو دلیلیں بیان کی ہیں:

۱- حدیث مذکورہ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہود قسم کھالیں گے تو وہ اب تم سے بری ہوجائیں گے اور ان پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

۲- دوسری ان کی دلیل عقلی ہے، فرماتے ہیں کہ شریعت میں جہاں یمین مشروع ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ مدعی کے حق سے بری ہوجائے نہ یہ کہ مدعی کا حق مدعیٰ علیہ کے حلف کے باوجود مدعیٰ علیہ پر لازم ہوجائے، تمام دعاوی میں یہی حال ہے لہٰذا قسامت میں بھی یوں ہی ہوگا۔

امام اعظمؒ کی دلیل اور امام شافعیؒ کے مستدلات میں سے پہلی دلیل کا جواب

ولنا أن النبي عليه السلام جمع بين الدية والقسامة في حديث سهل وفي حديث زياد بن أبي مريم وكذا جمع عمر رضي الله عنه بينهما على وادعة وقوله عليه السلام "تبرئكم اليهود" محمول على الإبراء عن القصاص والحبس

ترجمہ ..... اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السّلام نے سہلؓ کی حدیث میں دیت اور قسامت کے درمیان جمع کیا اور زیاد بن ابومریم کی حدیث میں اور ایسے ہی حضرت عمرؓ نے دیت اور قسامت کے درمیان جمع کیا قبیلہ وادعہ پر اور نبی علیہ السلام کا فرمان تبرئکم الیھودُ قصاص اور گرفتاری سے بری کرنے پر محمول ہے۔

تشریح ..... یہ ہماری دلیل ہے کہ حلف کے بعد اہل محلّہ پر دیت کیوں واجب ہے، تو اوّلاً سہلؓ کے واقعہ کا حوالہ دیا جس میں قسامت اور دیت کو جمع کیا گیا ہے اس حدیث کے راوی سہل بن ابی حثمہؓ ہیں اور ایسے ہی زیاد بن ابی مریم کی حدیث میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے اور اسی طرح قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ وادعہ میں یہ واقعہ پیش آیا تو فاروق اعظمؓ نے بھی قسامت اور دیت کو جمع فرمایا تھا۔ یہ یہاں تک تو ہمارے دلائل ہیں آگے امام شافعیؒ کے مستدلات کا جواب ہے ان کی دلیل اوّل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث

مذکور میں دیت سے بری ہونا مراد نہیں بلکہ قصاص اور گرفتاری سے بری ہو گئے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ آگے ان کی دوسری دلیل کا جواب مذکور ہے۔

دوسری دلیل کا جواب

وكذا اليمين مبرئة عما وجب له اليمين والقسامة ماشرعت لتجب الدية إذا نكلوا بل شرعت ليظهر القصاص بتحرزهم عن اليمين الكاذبة فيقروا بالقتل فإذا حلفوا حصلت البراءة عن القصاص ثم الدية تجب بالقتل الموجود منهم ظاهراً لوجود القتيل بين أظهرهم لا بنكولهم أو وجبت بتقصيرهم في المحافظة كما في القتل الخطأ

ترجمہ...... اور ایسے ہی یمین اس چیز سے بری کرتی ہے جس کے لئے یمین واجب ہوتی ہو اور قسامت اس لئے مشروع نہیں ہوتی تا کہ دیت واجب ہو جائے جب کہ اہل محلّہ انکار کر دیں بلکہ یمین اس لئے مشروع ہوتی ہے تا کہ ان کے جھوٹی قسم سے بچتے ہوئے قصاص ظاہر ہو جائے پس وہ قتل کا اقرار کر لیں پس جب انہوں نے قسم کھالی تو قصاص سے برأت حاصل ہو گئی پھر دیت اس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے جو ظاہراً ان کی جانب سے پایا گیا ہے مقتول کے ان کے درمیان پائے جانے کی وجہ سے (دیت کا وجوب) ان کے انکار کی وجہ سے نہیں ہے یا دیت واجب ہوئی ہے ان کی محافظت کے اندر کوتاہی کرنے کی وجہ سے جیسا کہ قتل خطاء میں۔

تشریح...... امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ یمین تو مدعیٰ علیہ کو بری کرنے کے لئے مشروع ہے تو یہ اس کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یمین مدعیٰ علیہ کو بری کرنے کیلئے مشروع ہے ہمارا بھی اس اصول سے اتفاق ہے مگر یہ یاد رکھئے کہ یمین اس حق سے بری کرتی ہے جس کے لئے یمین مشروع ہوتی تھی اور یہاں یمین اثبات قصاص کے لئے مشروع ہوئی تھی تا کہ یہ لوگ جھوٹی قسم سے بچنے کی غرض سے قسم سے انکار کر کے قتل کا اقرار کر لیں تو قصاص واجب ہو جاتا لیکن جب انہوں نے قسم کھالی تو اب قصاص واجب نہ ہو گا یعنی ان کی قسموں نے ان کو قصاص سے بری کر دیا، اب رہا دیت کا وجوب تو وہ اس لئے ثابت ہوا کہ قتل ظاہراً انہیں کی طرف سے صادر ہوا ہے کیونکہ مقتول انہی کے درمیان ملا ہے بہر حال وجوب دیت کا مدار انکار پر نہیں ہے بلکہ اس امر ظاہری پر ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے یا پھر دیت ان پر اس لئے واجب ہوئی کہ ان کی جانب سے حفاظت میں کوتاہی اور کمی پائی گئی ہے جیسے قتل خطاء میں بھی اس بنیاد پر دیت واجب ہوا کرتی ہے۔

اگر اہل محلّہ قسم کھانے سے انکار کر دیں تو قید کیا جائے

ومن أبى منهم اليمين حبس حتى يحلف؛ لأن اليمين فيه مستحقة لذاتها تعظيما لأمر الدم ولهذا يجمع بينه وبين الدية بخلاف النكول في الأموال لأن اليمين بدل عن أصل حقه ولهذا يسقط ببذل المدعى وفيما نحن فيه لايسقط ببذل الدية

ترجمہ...... اور اُن میں سے جس نے قسم سے انکار کر دیا تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قسم کھائے اس لئے کہ اس میں یمین بذات

خود واجب ہے امر دم کی تعظیم کی وجہ سے اور اسی وجہ سے یمین اور دیت کے درمیان جمع کیا جائے گا بخلاف اموال میں انکار کرنے کے، اس لئے کہ یمین اس کے حق کا بدل ہے اور اسی وجہ سے مال مدعیٰ کے صرف کرنے سے یمین ساقط ہو جاتی ہے اور جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں دیت دینے سے یمین ساقط نہ ہوگی۔

تشریح ...... اگر اہل محلّہ میں سے کسی نے قسم سے انکار کر دیا تو جب تک وہ قسم نہ کھائے اس وقت تک اس کو قید میں رکھا جائے گا اس لئے کہ باب قسامت میں مال ہی مقصود نہیں ہے بلکہ یمین بھی مقصود اصل ہے اس لئے کہ یہ خون کا معاملہ ہے جو بہت معظم ہے لہٰذا یہاں قسم بھی واجب ہے اور دیت بھی واجب ہے البتہ اگر اموال میں مدعیٰ علیہ نے قسم سے انکار کر دیا تو اس کو قید نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے اوپر مال لازم کر دیا جائے گا اسلئے کہ باب اموال میں قسم مدعی کے حق کا بدل ہے اور جب مدعی نے حق ادا کر دیا یعنی مال دیدیا تو یمین ساقط ہو جائے گی لیکن باب قسامت میں اگر اہل محلّہ دیت دیدیں تو اس پر اکتفاء نہ ہوگا بلکہ ان کو قسم کھانا بھی لازم ہوگا اور مال دینا بھی۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں ماقبل والا حکم جاری ہوگا

هذا الذی ذکرنا إذا ادعی الولی القتل علی جمیع أهل المحلة وكذا إذا ادعی علی البعض لا باعیانهم والدعوی فی العمد أو الخطأ لانهم لا یتمیزون عن الباقی ولو ادعی علی البعض باعیانهم أنه قتل ولیه عمدا أو خطأ فكذلك الجواب یدل علیه إطلاق الجواب فی الكتاب وهكذا الجواب فی المبسوط

ترجمہ ...... یہ تفصیل جو ہم نے ذکر کی ہے اس وقت ہے جب کہ ولی نے تمام اہل محلّہ پر قتل کا دعویٰ کیا ہو اور ایسے ہی جب کہ ان میں سے بعض غیر معین پر دعویٰ کیا ہو اور دعویٰ عمد میں ہو یا خطاء میں (سب برابر ہے اور یہی حکم ہے) اس لئے کہ بعض غیر معین باقیوں سے ممتاز نہ ہو سکیں گے اور اگر بعض معین پر دعویٰ کیا ہو کہ اس نے اسکو ولی کو عمداً یا خطأً قتل کیا ہے تو ایسے ہی جواب ہے اس کے اوپر جواب کا اطلاق قدوری میں دال ہے اور ایسے ہی جواب مبسوط میں۔

تشریح ...... جو تفصیل ماقبل میں بیان کی جا چکی ہے تو ان تینوں صورتوں میں یہی حکم ہے:

۱) ولی مقتول نے تمام اہل محلّہ پر اپنے ولی کے قتل کا دعویٰ کیا ہو خواہ عمداً کا یا خطأً کا تو یہی حکم ہے جو مذکور ہوا ہے۔

۲) اہل محلّہ میں سے بعض پر دعویٰ کیا ہو لیکن وہ بعض غیر متعین ہوں تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ جب وہ بعض غیر متعین ہیں تو ان کا باقی اہل محلّہ سے امتیاز نہ ہو سکے گا۔

۳) اہل محلّہ میں سے بعض متعین پر دعویٰ کرے کہ اس نے میرے ولی کو قتل کیا ہے تو اب بھی یہی حکم ہے جو مذکور ہو چکا ہے کیونکہ امام قدوری کا اطلاق اسی پر دال ہے کیونکہ انہوں نے مطلقاً فرمایا ہے إذا وُجد القتيل فی محلة لا یعلم من قتله، استحلف خمسون رجلا منهم اور مبسوط میں بھی یہی جواب ہے یعنی بعض متعین پر دعویٰ ہونے کی صورت میں بھی قسامت اور دیت واجب ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔

امام ابو یوسفؒ کا غیر ظاہر الروایۃ قول

وعن أبي يوسف في غير رواية الأصول أن في القياس تسقط القسامة والدية عن الباقين من أهل المحلة ويقال للولي ألك بينة؟ فإن قال لا يستحلف المدعى عليه على قتله يمينا واحدة

ترجمہ...... اور ابو یوسفؒ سے اصول کی روایت کے غیر میں منقول ہے کہ قیاس کے مطابق قسامت اور دیت ساقط ہو جائیگی باقی اہل محلّہ کے اوپر سے اور ولی سے کہا جائے گا کیا تیرے لئے بینہ ہے؟ پس اگر وہ کہے کہ نہیں، تو مدعی علیہ سے ایک یمین کے ساتھ اسکے قتل پر حلف لیا جائے گا۔

تشریح...... یہ امام ابو یوسفؒ سے غیر ظاہر الروایہ میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب مدّعیٰ علیہ بعض متعین ہو تو یہاں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ باقی محلّہ کے لوگوں سے قسامت اور دیت ساقط ہو جائے اور ولی سے کہا جائے کہ آپ کے پاس گواہ ہیں اگر ہوں تو فبہا ورنہ اگر گواہ نہ ہوں تو مدّعیٰ علیہ سے صرف ایک قسم لی جائے، اب اس میں فریقین کے دلائل مذکور ہوں گے بالفاظِ دیگر قیاس اور استحسان کی دلیل مذکور ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل

و وجهه أن القياس يأباه لاحتمال وجود القتل من غيرهم وإنما عرف بالنص فيما إذا كان في مكان ينسب إلى المدعى عليهم والمدعي يدعي القتل عليهم وفيما وراءه بقي على أصل القياس وصار كما إذا ادعى القتل على واحد من غيرهم

ترجمہ...... اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قیاس اس کا انکار کرتا ہے اہل محلّہ کے غیر کی جانب سے قتل کے پائے جانے کی وجہ سے اور یہ (قسامت اور دیت) پہچانی گئی ہیں نص کے ذریعہ اُس صورت میں جب کہ مقتول ایسی جگہ میں ہو جو مدّعیٰ علیہ کی طرف منسوب ہو اور مدّعی ان پر قتل کا دعویٰ کرے اور اس کے علاوہ میں یہ اصل قیاس پر باقی ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے جبکہ وہ اہل محلّہ کے غیر میں سے کسی ایک پر قتل کا دعویٰ کرے۔

تشریح...... یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام اہل محلّہ پر قسامت اور دیت کو واجب کرنا خلافِ قیاس ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اہل محلّہ کے علاوہ نے اس کو قتل کر کے یہاں پھینک دیا ہو۔

خلاصۂ کلام...... قسامت و دیت قیاس کے مخالف ہے اور جو چیز خلاف قیاس ہو وہ فقط مورد سماع تک رہتی ہے اور نص فقط ایسی صورت میں وارد ہے جب کہ مقتول محلّہ میں پایا جائے اور مدّعی تمام اہل محلّہ پر قتل کا دعویٰ کرے تو فقط یہی صورت منصوص علیہ ہے اس کے علاوہ تمام صورتوں کو مورد سماع سے ہٹی ہوئی شمار کیا جائے گا اور ان پر قیاس کا حکم جاری کیا جائے گا اور قیاس کا حکم ظاہر ہے کہ نہ اس میں قسامت ہے اور نہ دیت ہے۔ جیسے اگر مدّعی کا دعویٰ یہ ہو کہ اس محلّہ کے علاوہ میں سے فلاں شخص نے اس کو قتل کیا ہے تو وہاں بالاتفاق اہل محلّہ پر نہ قسامت ہے اور نہ دیت اور اس مدّعیٰ علیہ کا کیا ہے تو اس کا جواب ابھی آگے آرہا ہے۔

قسامت اور دیت کے وجوب کی استحسانی دلیل

وفی الاستحسان تجب القسامة والدية على أهل المحلة لأنه لافصل في إطلاق النصوص بين دعوى ودعوى فنوجبه بالنص لا بالقياس بخلاف ما إذا ادعى على واحد من غيرهم لأنه ليس فيه نص فلو أوجبناهما لأوجبناهما بالقياس وهو ممتنع

ترجمہ ...... اور استحسان کے اندر اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہے اس لئے کہ نصوص کے اطلاق میں ایک دعویٰ اور دوسرے دعویٰ میں کوئی فرق نہیں ہے تو ہم اسکو (قسامت و دیت کو) نص سے واجب کریں گے نہ کہ قیاس سے بخلاف اس صورت کے جبکہ ولی نے ان کے غیروں میں سے کسی ایک پر دعویٰ کیا ہو اس لئے کہ اس میں نص نہیں ہے پس اگر ہم ان دونوں کو واجب کریں تو ہم ان کو قیاس سے واجب کریں گے اور یہ ممتنع ہے۔

تشریح ...... استحساناً تینوں صورتوں میں اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہے اس لئے کہ نصوص مطلق ہیں ان میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ دعویٰ ایسا ہو تو یوں ہے اور ایسا ہو تو یوں ہے تو ہم نے تیسری صورت کے اندر بھی قسامت اور دیت کو نص سے ثابت کیا ہے قیاس سے نہیں اس لئے کہ نصوص میں اطلاق ہے۔ ہاں اگر اہل محلّہ کے علاوہ میں سے کسی ایک پر ولی نے قتل کا دعویٰ کیا ہو تو پھر اہل محلّہ پر نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کوئی نص تو ہے نہیں تو اس حکم کا رتبہ قیاس سے کرنا ہوگا اور قیاس یہاں باطل ہے کیونکہ مقیس علیہ خود خلاف قیاس ہے۔

مدعی کا اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر دعویٰ قتل کا حکم

ثم حكم ذٰلک أن يثبت ما ادعاه إذا كان له بينة وإن لم تكن استحلفه يمينا واحدة لأنه ليس بقسامة لانعدام النص وامتناع القياس ثم إن حلف برئ وإن نكل والدعوىٰ في المال ثبت به وإن كان في القصاص فهو على الاختلاف مضى في كتاب الدعوىٰ

ترجمہ ...... پھر اس کا حکم یہ ہے کہ مدعی جس کا دعویٰ کرتا ہے اس کا ثبوت ہوگا جب کہ اس کے پاس بینہ ہو اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے ایک یمین کے ساتھ حلف لے گا اس لئے کہ یہ قسامت نہیں ہے نص نہ ہونے کی وجہ سے اور قیاس کے ممتنع ہونے کی وجہ سے پھر اگر اس نے قسم کھالی تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر انکار کر دیا حالانکہ دعویٰ مال کے سلسلہ میں ہے تو اس سے مال ثابت ہوگا اور اگر دعویٰ قصاص میں ہے تو وہ اس اختلاف پر ہے جو کتاب الدعویٰ میں گزر چکا ہے۔

تشریح ...... یہاں صاحب ہدایہؒ یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جب مدعی نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی غیر شخص پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے تو فرمایا کہ اگر مدّعی کے پاس بینہ ہو تو ولی کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر مدّعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی مدعیٰ علیہ کو ایک مرتبہ قسم کھلائے گا پچاس قسمیں اس لئے نہیں ہیں کہ یہ قسامت نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں نہ نص موجود ہے اور نہ یہاں قیاس ہی کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ مقیس علیہ خود ممتنع ہے۔ تو اگر مدعیٰ علیہ نے قسم کھالی تو وہ بری ہو گیا اور کوئی ضمان اس کے ذمہ نہیں رہا اور اگر مدعیٰ علیہ نے قسم سے انکار کر دیا تو اب دیکھا جائے کہ مدّعی کا دعویٰ مال میں ہے یا قصاص میں تو اگر اس کا دعویٰ مال

یعنی دیت کے اندر ہو تو مال بالاتفاق ثابت ہو جائے گا اور اگر قصاص میں ہو تو اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک قصاص کے اندر دعوی ثابت ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ثابت نہ ہوگا اس کی بحث کتاب الدعوی میں گزر چکی ہے۔

اہلِ محلّہ سے پچاس قسمیں پوری نہ ہوں تو طریقۂ قسم

قال وإن لم تكمل أهل المحلة كررت الأيمان عليهم حتى تتم خمسين لما روى أن عمر رضى الله عنه لما قضى فى القسامة وافى إليه تسعة وأربعون رجلا فكرر اليمين على رجل منهم حتى تمت خمسين ثم قضى بالدية وعن شريح والنخعى رضى الله عنهما مثل ذلك ولأن الخمسين واجب بالسنة فيجب إتمامها ما أمكن ولايطلب فيه الوقوف على الفائدة لثبوتها بالسنة ثم فيه استعظام أمر الدم فإن كان العدد كاملا فأراد الولى أن يكرر على أحدهم فليس له ذلك لأن المصير إلى التكرار ضرورة الإكمال.

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور اگر اہل محلّہ کی تعداد پوری نہ ہو تو ان پر قسموں کو مکرر کیا جائے گا یہاں تک کہ پچاس پوری ہو جائیں اس وجہ سے کہ مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب قسامت میں فیصلہ کیا تو ان کے پاس انچاس آدمی آئے پس ان میں سے ایک شخص پر یمین کو مکرر کیا یہاں تک کہ پچاس پوری ہو گئیں پھر دیت کا فیصلہ فرمایا اور شریح اور نخعیؒ سے اسی کے مثل منقول ہے اور اس لئے کہ پچاس واجب ہیں حدیث کی وجہ سے تو جہاں تک ممکن ہو ان کا اتمام واجب ہے اور نہیں طلب کیا جائے گا اس میں فائدہ پر مطلع ہونا اس کے ثابت ہونے کی وجہ سے سنت سے پھر اس میں خون کے معاملہ کو عظیم سمجھنا ہے پس اگر عدد کامل ہو پس ولی نے ارادہ کیا ان میں سے کسی ایک سے مکرر قسم لینے کا تو اسکو اس کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ تکرار کی جانب رجوع کرنا اکمال کی ضرورت کی وجہ سے ہے۔

تشریح ...... ماقبل میں کہا گیا ہے کہ اہل محلّہ میں سے پچاس شخصوں سے قسم لیجائے گی تو اگر اتفاق سے پچاس کی تعداد پوری نہ ہو سکے تو افرادِ موجودہ سے مکرر قسم لیجائے تاکہ پچاس کی تعداد پوری ہو سکے حضرت عمرؓ اور قاضی شریحؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ سے ایسے منقول ہے۔

اور چونکہ پچاس کا عدد حدیث سے ثابت ہے تو بقدر امکان اسکا اتمام واجب ہے اور اس کی صورت یہاں یہی ہے جو مذکور ہوئی ہے۔

سوال ...... اس تکرار سے کیا فائدہ ہے؟

جواب ...... اس چکر میں پڑنا غلط ہے بس یہاں ثبوت کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر کچھ فائدہ نہ معلوم ہو تو یہ فائدہ کچھ ہے ہی کہ اس میں خون کے معاملے کو بہت بھاری اور عظیم معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر پچاس کا عدد پورا ہے اس کے باوجود ولی چاہتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے قسم مکرر لیجائے تو ولی کو اس کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ یمین میں تکرار بر بناء ضرورت تھا اور اصول مسلم ہے کہ "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بچے، مجنون، عورت اور غلام پر قسم نہیں ۔ قسامت نہ ہونے کی وجہ

قال ولا قسامة على صبي ولا مجنون؛ لأنهما ليسا من أهل القول الصحيح واليمين قول صحيح. قال ولا امرأة ولا عبد لأنهما ليسا من أهل النصرة واليمين على أهلها

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور بچہ اور مجنون پر قسامت نہیں ہے اس لئے کہ وہ دونوں قول صحیح کے اہل نہیں ہے اور یمین قول صحیح ہے قدوریؒ نے فرمایا اور نہ عورت پر اور نہ غلام پر اس لئے کہ یہ دونوں اہل نصرت میں سے نہیں ہیں اور یمین اہل نصرت پر ہے۔

تشریح ...... قسامت میں بچہ اور مجنون، عورت اور غلام پر قسم نہ ہوگی اس لئے کہ قسم قول صحیح کو کہتے ہیں اور قسم ان لوگوں پر واجب ہوتی ہے جو مدد کر سکتے ہوں اور یہاں پہلے دونوں قول صحیح نہیں بول سکتے اور آخری دونوں اگرچہ قول صحیح کا تکلم کر سکتے ہیں لیکن مدد نہیں کر سکتے۔

کن صورتوں میں اہل محلّہ پر قسامت اور دیت نہیں

قال وإن وجد ميتا لا أثر به فلا قسامة ولا دية لأنه ليس بقتيل إذا القتيل في العرف من فاتت حياته بسبب يباشره حي وهذا ميت حتف أنفه والغرامة تتبع فعل العبد والقسامة تتبع احتمال القتل ثم يجب عليهم القسم فلابد من أن يكون به أثر يستدل به على كونه قتيلا وذلك بأن يكون به جراحة أو أثر ضرب أو خنق وكذا إذا كان خرج الدم من عينه أو أذنه لأنه لايخرج منهما إلا بفعل من جهة الحي عادة بخلاف ما إذا خرج من فيه أو دبره أو ذكره لأن الدم يخرج من هذه المخارق عادة بغير فعل أحد وقد ذكرناه في الشهيد

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور اگر میت پائی جائے جس پر کوئی (قتل کا) اثر نہ ہو تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے اس لئے کہ وہ مقتول نہیں ہے اس لئے کہ عرف میں مقتول وہ ہے جس کی زندگی ایسے سبب سے فوت ہوئی ہو جس کو کسی زندہ شخص نے کیا ہو اور یہ ایسا میت ہے جو اپنی موت پر مرا ہے اور تاوان فعلِ عبد کے تابع ہے اور قسامت احتمالِ قتل کے تابع ہے پھر ان پر قسم واجب ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ ایسا اثر ہو جس سے اس کے مقتول ہونے پر استدلال کیا جا سکے اور وہ یہ ہے کہ زخم ہو یا چوٹ کا اثر ہو یا گلا گھونٹنے کا اور ایسے ہی جبکہ اس کی آنکھ یا کان سے خون نکل رہا ہو اس لئے کہ ان دونوں سے عادۃً خون نہیں نکلتا مگر زندہ کی جانب سے کسی فعل کی وجہ سے بخلاف اس صورت کے جب کہ خون اس کے منہ یا اسکی دُبر یا اس کے ذکر سے نکلے اس لئے کہ ان منافذ سے بغیر کسی کے فعل کے عادۃً خون نکل جاتا ہے اور ہم اس کو باب الشہید میں ذکر کر چکے ہیں۔

تشریح ...... اگر کسی محلّہ میں کوئی مرا ہوا انسان ملا لیکن اس پر قتل کا کوئی اثر نہیں ہے نہ کوئی زخم ہے نہ مارنے پیٹنے کا کوئی اثر ہے نہ گلا گھونٹنے کا کوئی اثر ہے نہ اس کی آنکھ سے اور کان سے خون جاری ہے تو یہ مقتول نہیں ہے بلکہ اپنی موت مرا ہے اور قسامت اور دیت مقتول میں واجب ہوتی ہے لہٰذا یہاں نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے کیونکہ یہاں نہ قتل ہے اور نہ احتمالِ قتل ہے۔ اور اسکے ذکر سے خون جاری ہو یا دبر سے یا منھ سے تو وہ قتیل نہ ہوگا کیونکہ ان مقامات سے کبھی عادۃً خود بخود بھی خون نکلتا ہے بغیر دوسرے کے کچھ کئے ہوئے

بابُ الشہید میں بھی اس کا بیان گزر چکا ہے۔

کن کن صورتوں میں اہل محلّہ پر قسامت اور دیت ہے

ولـو وجد بدن القتيل أو أكثر من نصف البدن أو النصف ومعه الرأس في محلة فعلى أهلها القسامة والدية وإن وجـد نـصـفـه مشـقـوقـا بـالـطـول أو وجـد أقل من النصف ومعه الرأس أو وجد يده أو رجله أو رأسه فـلاشـيء عـلـيـهـم؛ لأن هـذا حـكـم عـرفـنـاه بالنص وقد ورد به في البدن إلا أن للأكثر حكم الكل تعظيما للآدمي

ترجمہ...... اور اگر مقتول کا بدن یا بدن کے نصف سے زیادہ یا نصف اور اس کا سر کسی محلّہ میں پایا جائے تو اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہے اور اگر اس کا نصف ہے۔ جو لمبائی میں چرا ہوا ہو یا نصف سے کم ہو اور اسکے ساتھ سر ہو یا اس کا ہاتھ یا اس کا پیر یا اس کا سر ملے تو اہل محلّہ پر کچھ نہیں ہے اس لئے کہ یہ ایسا حکم ہے جس کو ہم نے نص سے جانا ہے اور نص اس حکم کے بارے میں بدن کے اندر وارد ہوئی ہے مگر اکثر کے لئے کل کا حکم ہے آدمی کی تعظیم کی وجہ سے۔

تشریح...... اگر مقتول کا پورا بدن یا اس کا اکثر حصّہ کسی محلّہ میں ملے تو اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہے اور اگر نصف سے کم ملے خواہ اس کا سر بھی ہو یا فقط سر یا پاؤں یا ہاتھ ملے تو نہ قسامت واجب ہے اور نہ دیت کیونکہ مقتول کے بارے میں یہ مخصوص حکم یعنی قسامت و دیت قیاس سے ثابت نہیں بلکہ نص سے خلاف قیاس ثابت ہے تو اسکے مورد سماع پر منحصر کیا جائے گا اور مورد سماع پورا بدن ہے مگر بر بناء احتیاط اور انسان کی تعظیم کے پیش نظر اکثر بدن کو کل بدن کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

قسامت ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں قاعدہ کلیہ

بـخـلاف الأقـل لأنـه ليس ببدن ولا ملحق به فلاتجرى فيه القسامة ولأنا لو اعتبرناه تتكرر القسامتان والديتان بـمـقـابـلـة نـفـس واحـدة ولاتتـواليـان والأصل فيه أن الموجود الأول إن كان بحال لو وجد الباقي تجرى فيه القسـامة لاتـجـب فيـه وإن كـان بحال لو وجد الباقي لاتجرى فيه القسامة تجب والمعنى ما أشرنا إليه وصلاة الجنازة في هذا تنسحب على هذا الأصل؛ لأنها لاتتكرر

ترجمہ...... بخلاف اقل کے اس لئے کہ وہ بدن نہیں ہے اور نہ بدن کے ساتھ ملحق ہے تو اس میں قسامت جاری نہ ہوگی اور اگر ہم اقل کا اعتبار کریں تو دو قسامت اور دو دیت واجب ہوں گی ایک نفس کے مقابلہ میں حالانکہ یہ دونوں (قسامت و دیت) پے در پے نہیں ہوتیں اور اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ موجود اوّل اگر اس حال پر ہو کہ اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری ہو تو اس میں (موجود اوّل میں) قسامت واجب نہ ہوگی اور اگر وہ (موجود اوّل) اس حال پر ہو کہ اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری نہ ہو تو قسامت واجب ہوگی اور وجہ اصلی ہے جس کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں اور اس میں جنازہ کی نماز اسی اصل پر متفرع ہے اس لیئے نماز جنازہ مقرر نہیں ہوگی۔

تشریح...... ہاں اگر اقل حصّہ پایا گیا ہے تو چونکہ یہ نہ پورا بدن ہے اور نہ اس کے ساتھ ملحق ہے لہٰذا اس میں قسامت واجب نہ ہوگی

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اقل کا اعتبار کر کے قسامت اور دیت واجب کردی جائے تو پھر اکثر بدن کے ملنے سے قسامت اور دیت واجب ہوگی تو قسامت اور دیت کا تکرار لازم آئے گا حالانکہ قسامت اور دیت میں تکرار نہیں ہے اس کے متعلق مصنف نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ یوں دیکھ لو کہ اب جو حصہ آپ کو ملا ہے اگر بعد میں اور حصہ بھی مل جائے تو اس دوسرے پر قسامت اور دیت واجب ہوگی یا نہیں اگر دوسرے میں قسامت و دیت ہو تو پہلے میں واجب نہ ہوگی اور اگر دوسرے میں واجب نہ ہوتی ہو پہلے میں واجب ہوگی اور اس قاعدہ کی بھی یہی وجہ ہے کہ قسامت اور دیت میں تکرار لازم نہ آئے اور نماز جنازہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی اگر بدن کا کچھ حصّہ ملا ہے تو دوسرے کو دیکھو کہ اگر وہ مل جائے تو اس پر نماز جنازہ ہوگی یا نہیں اگر ہو تو اوّل حصّہ پر نہ ہوگی اور اگر دوسرے پر نہ ہو تو اوّل حصّہ پر نماز جنازہ ہوگی۔ اس لئے کہ نماز جنازہ بھی مکرر نہیں ہوتی ،فليتأمل۔

(محمد یوسف)

تام الخلق اور ناقص الخلق کی کس صورت میں دیت اور قسامت ہے اور کب نہیں

ولو وجد فيهم جنين أو سقط ليس به أثر الضرب فلاشيء على أهل المحلة؛ لأنه لا يفوق الكبير حالا وإن كان به أثر الضرب وهو تام الخلق وجبت القسامة والدية عليهم؛ لأن الظاهر أن تام الخلق ينفصل حيا وإن كان ناقص الخلق فلاشيء عليهم؛ لأنه ينفصل ميتا لا حيا

ترجمہ...... اور اگر اہل محلّہ کے درمیان جنین پایا جائے یا ناتمام گرا ہوا بچہ جس پر ضرب کا اثر نہ ہو تو اہل محلّہ پر کوئی چیز نہیں ہے اس لئے کہ جنین حالت میں بڑے آدمی سے نہیں بڑھے گا اور اگر اس پر ضرب کا اثر ہو اور وہ تام الخلق ہو تو اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ تام الخلق زندہ جدا ہوتا ہے اور اگر وہ ناقص الخلق ہو تو ان پر کوئی چیز نہیں ہے اس لئے کہ وہ مردہ جدا ہوتا ہے نہ کہ زندہ۔

تشریح...... اور اگر محلّہ والوں کے درمیان وہ بچہ ملا جو ابھی جنین تھا مگر اب پیدا ہوگیا ہے اور محلّہ میں پڑا ہے یا بچہ ناتمام ہے لیکن اس پر زخم الضرب کا کوئی اثر نہیں تو اہل محلّہ پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ اگر بڑا آدمی بھی مردہ پایا جاتا اور اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تب بھی اہل محلّہ پر دیت واجب نہیں تھی لہٰذا اب بھی واجب نہ ہوگی اور اگر اس پر ضرب کا اثر ہو اور اعضاء اسکے سب بن چکے ہوں یعنی وہ تام الخلق ہو تو اب اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی اس لئے کہ یہاں ظاہر یہی ہے کہ وہ اپنی ماں سے زندہ پیدا ہوا ہے اور اس کو کسی نے مارا ہے، اور اگر وہ ناقص الخلق ہو تو ان پر کچھ واجب نہ ہوگا اس لئے کہ یہاں ظاہر یہ ہے کہ وہ ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوا ہے نہ کہ زندہ۔

اگر مقتول چوپائے پر پایا جائے تو دیت عاقلہ پر ہے نہ کہ اہل محلّہ پر

قال وإذا وجد القتيل على دابة يسوقها رجل فالدية على عاقلته دون أهل المحلة؛ لأنه في يده فصار كما إذا كان في داره وكذا إذا كان قائدها أو راكبها فإن اجتمعوا فعليهم؛ لأن القتيل في أيديهم فصار كما إذا وجد في دارهم

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جبکہ مقتول کسی چوپائے پر پایا جائے جس کو کوئی شخص ہانکتا ہو تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی نہ کہ اہل محلہ پر اس لئے کہ مقتول اس کے ہاتھ میں ہے تو ایسا ہو گیا جیسے اس کے گھر میں ہو اور ایسے ہی حکم ہے جب کہ وہ چوپائے کا قائد یا اس کا راکب ہو پس اگر یہ سب جمع ہو جائیں تو دیت ان سب پر ہوگی اس لئے کہ مقتول ان کے ہاتھ میں ہے تو ایسا ہو گیا جیسے جب کہ مقتول ان کے گھر میں پایا جائے۔

تشریح..... ایک چوپائے کو کوئی شخص لئے جاتا ہے اور اس پر کوئی مقتول ہے تو اس کی دیت اسی پر واجب ہوگی جیسے اگر مقتول اس کے گھر میں ملتا تو یہی حکم ہوتا، پھر وہ شخص پیچھے سے ہانکے یا آگے سے کھینچے یا اس پر سوار ہو سب برابر ہے اور اگر تین شخص ہوں ایک سائق اور ایک قائد اور ایک راکب تو ان سب پر دیت واجب ہوگی۔ جیسے اگر ان کے گھر میں مقتول ملتا تو ان سب پر دیت واجب ہوتی ایسے ہی یہاں بھی واجب ہوگی۔

چوپائے کا سائق نہ ہونے کی صورت میں مقتول کی دیت کا حکم

قال وإن مرت دابة بين قريتين وعليها قتيل فهو على أقربهما لما روى أن النبي عليه السلام أتى بقتيل وجد بين قريتين فأمر أن يذرع وعن عمر رضي الله عنه أنه لما كتب إليه في القتيل الذي وجد بين وادعة وأرحب كتب بأن يقيس بين قريتين فوجد القتيل إلى وادعة أقرب فقضى عليهم بالقسامة قيل هذا محمول على ما إذا كان بحيث يبلغ أهله الصوت؛ لأنه إذا كان بهذه الصفة يلحقه الغوث فتمكنه النصرة وقد قصروا

ترجمہ..... امام محمدؒ نے فرمایا اور اگر کوئی چوپایہ دو گاؤں کے درمیان گذرے اور اس پر مقتول ہو تو دیت ان دونوں میں سے اقرب پر ہوگی اس روایت کی وجہ سے جو مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے درمیان ملا تھا پس آپ ﷺ نے پیمائش کا حکم دیا اور عمرؓ سے منقول ہے جبکہ ان کی جانب اس مقتول کے بارے میں لکھا گیا جو وادعہ اور ارحب کے درمیان ملا تھا تو انہوں نے لکھا کہ دونوں کے درمیان پیمائش کی جائے مقتول کو وادعہ کے زیادہ قریب پایا گیا تو انہی پر قسامت کا فیصلہ کیا گیا کہا گیا ہے کہ یہ (ان میں سے اقرب پر دیت کا فیصلہ) اس حالت پر محمول ہے جبکہ مقتول ایسے مقام پر ہو کہ اہل اقرب کو آواز پہنچ سکے اس لئے کہ وہ جب اس صفت پر ہوگا تو اس کو مدد لاحق ہو سکتی ہے تو ان کو مدد کرنا ممکن تھا حالانکہ انہوں نے کوتاہی کی ہے۔

تشریح..... ایک چوپایہ خود جا رہا ہے جس کا کوئی سائق وغیرہ نہیں ہے اور اس پر ایک مقتول ہے تو اس کا کیسا حکم ہوگا تو فرمایا کہ چوپایہ جہاں کو گذر رہا ہے جو گاؤں اس جگہ سے قریب ہے اس گاؤں والے دیت کے ذمہ دار ہونگے اس پر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ وہ گاؤں اتنے فاصلہ پر ہونا چاہئے کہ اگر وہاں سے مقتول ان کو آواز دیتا تو ان کو آواز پہنچ سکتی تھی ورنہ اگر زیادہ دور ہوگا تو پھر اس گاؤں والوں پر دیت نہ ہوگی کیونکہ دیت اس لئے واجب ہوتی ہے کہ یہ حفاظت و نصرت کر سکتے تھے لیکن انہوں نے کوتاہی کی ہے اور جب زیادہ دور ہوگا تو وہاں کوئی کوتاہی ان کی جانب سے نہیں ہے بہر حال متن میں جو فرمایا گیا ہے کہ دونوں گاؤں میں سے جو قریب ہوگا اس کے باشندوں پر دیت واجب ہوگی اس پر مصنفؒ نے دو دلیل بیان فرمائی ہیں:

۱) حضور ﷺ کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تو آپ ﷺ نے پیائش کا حکم فرمایا تھا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی بستی قریب ہے تا کہ اس پر دیت واجب کی جا سکے۔

۲) حضرت عمرؓ کے دور میں وادعہ اور ارحب کے درمیان ایک مقتول ملا تو وہاں کے عامل نے یہ واقعہ امیر المؤمنینؓ کو لکھا تو آپ نے پیائش کا حکم فرمایا بعد پیائش معلوم ہوا کہ وادعہ زیادہ قریب ہے تو اسی کے باشندوں پر دیت واجب کر دی گئی۔

کسی گھر میں مقتول پایا جائے تو قسامت مالک مکان پر اور دیت اس کی عاقلہ پر ہے

قال وإن وجد القتيل في دار إنسان فالقسامة عليه؛ لأن الدار في يده والدية على عاقلته؛ لأن نصرته منهم وقوته بهم

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور اگر مقتول کسی انسان کے گھر میں پایا جائے تو قسامت اسی پر ہوگی اس لئے کہ گھر اس کے قبضہ میں ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اس لئے کہ اس کے مددگار وہی ہیں اور انہیں کی وجہ سے اس کی قوت ہے۔

تشریح ...... ایک مقتول کسی کے گھر میں پایا جائے تو قسم صرف گھر والے پر ہوگی کیونکہ گھر کا مالک وہ اکیلا ہے تو وہ اکیلا اہل محلّہ کے درجہ میں ہوگا اور دیت اس کی مددگار برادری پر ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ کا فریضہ ہے امداد و نصرت کرنا اور عاقلہ کے بل بوتے پر ہی انسان اپنے اندر قوت و طاقت محسوس کرتا ہے۔

محلّہ کے اصلی باشندے یعنی زمینوں کے مالک اور کرایہ دار ہوں تو قسامت کس پر ہے، طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب اور دونوں مذاہب کی دلیل اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب

قال ولا تدخل السكان في القسامة مع الملاك عند أبي حنيفة وهو قول محمد وقال أبو يوسف هو عليهم جميعا؛ لأن ولاية التدبير كما تكون بالملك تكون بالسكنى ألا ترى أنه عليه السلام جعل القسامة والدية على اليهود وإن كانوا سكانا بخيبر ولهما أن المالك هو المختص بنصرة البقعة دون السكان؛ لأن سكنى الملاك ألزم وقرارهم أدوم فكانت ولاية التدبير إليهم فيتحقق التقصير منهم وأما أهل خيبر فالنبي عليه السلام أقرهم على أملاكهم كان يأخذ منهم على وجه الخراج

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور قسامت میں، سکان داخل نہ ہوں گے مالکان کے ساتھ ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور یہی محمدؒ کا قول ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قسامت ان سب پر ہوگی اس لئے کہ تدبیر کی ولایت جیسے ملک کے ذریعہ ہوتی ہے ایسے سکنیٰ کے ذریعہ ہوتی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے یہود پر قسامت اور دیت کو واجب کیا تھا اگر چہ وہ خیبر میں سکان تھے (مالک نہ تھے) اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بقعہ کی نصرت کے ساتھ مالک ہی مخصوص ہے نہ کہ رہنے والے اس لئے کہ مالکان کا سکنیٰ ہے اور ان کا ٹھہرنا زیادہ دائمی ہے تو تدبیر کی ولایت انہی کو ہوگی تو ان کی جانب سے تقصیر متحقق ہوگی اور بہر حال اہل خیبر تو نبی ﷺ نے ان کو ان کی املاک پر برقرار رکھا تھا اور ان سے (جو کچھ لیتے تھے) وہ خراج کے طریقہ پر لیتے تھے۔

تشریح ...... کسی محلّہ کے باشندے کچھ تو وہ ہیں جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں اور یہاں کی زمینوں کے مالک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بغیر ملکیت کے کرایہ وغیرہ پر یہاں رہتے ہیں تو قسامت کن پر ہوگی تو حضرات طرفینؒ کا مذہب یہ ہے کہ قسامت فقط مالکان پر ہوگی سُکان پر نہ ہوگی اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قسامت دونوں پر ہوگی کیونکہ قسامت و دیت کا تعلق تدبیر سے ہے اور اس امر میں سب برابر ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل ...... تھی کہ دیکھئے آنحضرتﷺ نے یہود پر قسامت و دیت کو واجب کیا تھا حالانکہ وہ خیبر کے مالک نہ تھے بلکہ بغیر ملکیت کے وہاں کے باشند تھے اس سے معلوم ہوا کہ غیر مالکان پر بھی قسامت و دیت ہے۔

طرفینؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ نصرت بقعہ کے لئے مالکان ہی مختص ہیں سکان نہیں کیونکہ سکان کے سکنی اور قرار میں دوام نہیں ہے بخلاف مالکان کے لہٰذا تدبیر کی ولایت مالکان کے اوپر ہوگی اور انہی پر حفاظت ضروری ہوگی تو کوتاہی مالکان کی طرف سے ہے لہٰذا وہ ہی ماخوذ ہوں گے۔ اور رہا مسئلہ خیبر کے یہود کا تو وہ مالک تھے آنحضرتﷺ نے اُن کو ان کی املاک و جائداد پر برقرار رکھا تھا اور ان سے جو کچھ وصول فرماتے تھے وہ خراج کے طریقہ پر لیا کرتے تھے۔

وہ اہل محلّہ جن پر قسامت واجب ہوتی ہے

قال وهو على أهل الخطة دون المشترين وهذا قول أبي حنيفة ومحمد وقال أبو يوسف الكل مشتركون؛ لأن الضمان إنما يجب بترك الحفظ ممن له ولاية الحفظ وبهذا الطريق يجعل جانيا مقصرا والولاية باعتبار الملك وقد استووا فيه ولهما أن صاحب الخطة هو المختص بنصرة البقعة هو المتعارف ولأنه أصيل والمشتري دخيل وولاية التدبير إلى الأصيل وقيل أبو حنيفة بنى ذلك على ما شاهد بالكوفة

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور وہ (وجوب قسامت و دیت) اہل خطّہ پر نہ کہ مشترین پر اور یہ طرفینؒ کا قول ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سب مشترک ہوں گے اس لئے کہ ضمان اس شخص کی جانب سے ترک حفاظت پر واجب ہوتا ہے جس کو حفاظت کی ولایت تھی اور اس طریق پر وہ (من لہ الولایۃ) مجرم مقصر قرار دیا جائے گا اور ولایتِ حفظ ملکیت کے اعتبار سے ہوتی ہے حالانکہ اس میں وہ سب برابر ہیں اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ صاحب خط ہی بقعہ کی نصرت کے سلسلہ میں مختص ہے یہی متعارف ہے اور اس لئے کہ وہ اصیل ہے اور مشتری دخیل ہے اور تدبیر کی ولایت اصیل کی طرف ہے اور کہا گیا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے بنیاد رکھی ہے اسی حالت پر جس کا انہوں نے کوفہ میں مشاہدہ کیا ہے۔

تشریح ...... اہل محلّہ جن پر قسامت واجب ہوتی ہے اُن میں کچھ لوگ تو وہ ہوں گے جن کو یہ علاقہ فتح ہونے کے وقت میں امام نے کچھ زمین و جائداد دیدی تھی وہ تو اہل خطہ ہیں یا ان کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد اہل خطہ ہوگی اور دوسرا فریق وہ ہے کہ جنہوں نے اس کو خریدا ہے اور اس میں سکونت اختیار کی ہے تو دونوں فریق برابر کے مالک ہیں تو ایسی صورت میں قسامت کس فریق پر ہوگی امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں فریق پر قسامت و دیت ہے کیونکہ دونوں ہی مالک ہیں اور دونوں کو حفاظت کی ولایت ہے تو ترکِ حفظ کی وجہ سے دونوں فریق کوتاہی کر کے جرم کرنے والے ہوئے اس لئے دونوں ماخوذ ہوں گے، اور طرفینؒ کا مسلک یہ ہے

کہ قسامت حفظ اہل خطہ پر واجب ہوگی مشترین پر نہ ہوگی کیونکہ متعارف یہی ہے کہ اہل خطہ ہی اس علاقہ اور بقعہ کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اہل خطہ اصیل ہیں اور مشترین دخیل ہیں اور تدبیر کی ولایت اصیل کو ہوتی ہے دخیل کو نہیں ہوتی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اہل کوفہ کا یہ عمل درآمد دیکھا کہ اہل خطہ تدبیر کے متولی ہوتے ہیں مشترین نہیں ہوتے تو یہ حکم ارشاد فرمایا۔

اہل خطہ پر قسامت و دیت کا حکم

قال وإن بقي واحد منهم فكذلك يعني من أهل الخطة لما بينا وإن لم يبق واحد منهم بأن باعوا كلهم فهو على المشترين؛ لأن الولاية انتقلت إليهم أو خلصت لهم لزوال من يتقدمهم أو يزاحمهم

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا اور اگر ان میں سے ایک باقی رہ گیا ہو تو ایسے ہی یعنی اہل خطہ میں سے اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی باقی نہ رہا ہو اس طریقہ پر کہ ان سب نے بیچ دی ہو تو قسامت مشترین پر ہوگی اس لئے کہ ولایت ان کی جانب منتقل ہوگئی یا فقط انہی کے لئے رہ گئی ہے ان لوگوں کے نہ رہنے کی وجہ سے جو ان سے مقدم ہیں یا ان سے مزاحم ہیں۔

تشریح...... اور اگر وہاں محلہ کے اندر اہل خطہ میں سے صرف ایک آدمی رہ گیا ہے تو بھی یہی حکم ہے یعنی وہی تدبیر کا ولی ہے اور اسی پر قسامت و دیت ہے البتہ اگر اہل خطہ میں سے کوئی بھی وہاں پر نہ رہا ہو بلکہ سب مشترین ہو تو اب مشترین ذمہ دار ہوں گے اور اب ان پر قسامت اور دیت واجب ہوگی کیونکہ جو ان کے مزاحم تھے اور جو ان سے مقدم تھے اب وہ نہیں رہے تو اب ولایت خالص انہی کے لئے رہ گئی ہے۔

مقتول کسی مکان سے ملا تو قسامت مالک پر اور دیت عاقلہ پر ہے

وإذا وجد قتيل في دار فالقسامة على رب الدار وعلى قومه وتدخل العاقلة في القسامة إن كانوا حضورا وإن كانوا غيبا فالقسامة على رب الدار يكرر عليه الأيمان وهذا عند أبي حنيفة ومحمد وقال أبو يوسف لا قسامة على العاقلة؛ لأن رب الدار أخص به من غيره فلا يشاركه غيره فيها كأهل المحلة لا يشاركهم فيها عواقلهم ولهما أن الحضور لزمتهم نصرة البقعة كما تلزم صاحب الدار فيشاركونه في القسامة

ترجمہ...... اور جب مقتول کسی گھر میں پایا جائے تو قسامت گھر والے پر اور اس کی قوم پر ہوگی اور مددگار برادری قسامت میں داخل ہوگی اگر وہ لوگ حاضر ہوں اور اگر غائب ہوں تو قسامت گھر والے پر ہوگی اس پر ایمان کو (قسموں کو) مکرر کیا جائے گا اور یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عاقلہ پر قسامت نہیں ہے اس لئے کہ مالک دار اس مکان کیساتھ زیادہ مخصوص ہے اپنے غیر کے مقابلہ میں ان پس اسکے اس کا غیر شریک نہ ہوگا قسامت کے اندر جیسے اہل محلہ کہ قسامت میں اُن کے ساتھ ان کے عواقل شریک نہ ہونگے اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاضرین پر بقعہ کی نصرت لازم ہے جیسا کہ نصرت صاحب دار پر لازم ہے پس مالک دار کے قسامت کے اندر حاضرین عواقل شریک ہوں گے۔

تشریح...... مقتول کسی مکان میں ملا تو قسامت مالک مکان پر ہوگی اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔ اب اس پر سوال یہ ہے کہ قسامت

صرف گھر والے پر یا مالک مکان کے عاقلہ پر بھی ہے، تو اس میں اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ صرف مالک مکان پر قسامت ہے عاقلہ پر نہیں ہے۔ اور طرفینؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے اگر عاقلہ اسی شہر میں موجود ہیں تو ان پر بھی قسامت ہے اور اگر غائب ہیں تو ان پر قسامت نہیں ہے بلکہ صرف مالک مکان پر ہے اس سے مکرر قسمیں لیجائیں گی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ اس گھر سے اور اس جگہ سے اختصاص مالک مکان کا ہے تو دوسرا قسامت میں اس کا شریک کیوں ہوگا جیسے جہاں اہل محلہ پر قسامت ہوتی ہے تو ان کی مددگار برادری قسامت میں داخل نہیں ہوتی ایسے ہی یہاں ہونا چاہئے۔

طرفینؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ اس بقعہ کی حفاظت جیسے صاحب دار پر لازم ہے ایسے ہی عواقل میں سے حاضرین پر واجب ہے لہٰذا عواقل حاضرین قسامت میں شریک کئے جائیں گے۔

تنبیہ-۱...... اس سے پہلے صفحہ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا تھا وہاں تو کہا گیا تھا کہ قسامت صرف مالک دار پر ہے اور یہاں فرمایا گیا کہ عاقلہ پر بھی واجب ہے اگر حاضر ہوں؟

تو اس کا حل یہ ہے کہ دیت تو بہر حال عاقلہ پر ہے اور قسامت کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں،

۱- صرف گھر والے پر قسامت واجب ہے۔

۲- گھر والے اور عاقلہ دونوں پر واجب ہے۔

تو پہلا مسئلہ پہلی روایت کے مطابق ہے اور دوسرا دوسری روایت کے مطابق ہے اور امام کرخی سے یہ تطبیق منقول ہے کہ پہلی روایت عاقلہ کے غائب ہونے کی حالت پر محمول ہے اور دوسری روایت عاقلہ کے حاضر ہونے کی حالت پر محمول ہے۔

تنبیہ-۲...... گھر والے پر قسامت تب واجب ہے جب کہ ولی مقتول اس پر قتل کا دعویٰ کرے اور اگر ولی اس کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے تو اس پر نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے۔

مشترک گھر میں مقتول پایا جائے تو دیت کے ضمان کا طریقہ

قال فإن وجد القتيل في دار مشتركة نصفها لرجل وعشرها لرجل ولآخر ما بقي فهو على رؤس الرجال؛ لأن صاحب القليل يزاحم صاحب الكثير في التدبير فكانوا سواء في الحفظ والتقصير فيكون على عدد الرؤس بمنزلة الشفعة.

ترجمہ...... امام محمدؒ نے فرمایا پس اگر مقتول ایسے مشترک گھر میں پایا جائے کہ اس کا نصف ایک شخص کا ہے اور اس کا عشر ایک کا اور باقی دوسرے کا ہے تو تاوان رجال کے رؤس کے مطابق ہوگا اس لئے کہ صاحب قلیل تدبیر میں صاحب کثیر کا مزاحم ہے تو حفاظت و تقصیر میں یہ سب برابر ہوں گے تو تاوان عدد رؤس پر ہوگا شفعہ کے درجہ میں۔

تشریح...... ایک مشترک گھر ہے جس میں مثلاً تین آدمیوں کا اشتراک ہے اور ہر ایک کی ملکیت متفاوت ہے برابر نہیں ہے مثلاً زید $\frac{1}{2}$ کا مالک ہے اور بکر $\frac{5}{10}$ کا اور خالد $\frac{4}{10}$ کا مالک ہے تو جیسے شفعہ نفس اشتراک کو دیکھتے ہوئے حق شفعہ برابر ملتا ہے مقدار ملکیت کی وجہ سے حق شفعہ میں کمی بیشی نہیں ہوتی اس طرح یہاں بھی مقدار ملک میں تفاوت کی وجہ سے ضمان میں کمی بیشی نہیں ہوگی بلکہ نفس

اشتراک کا لحاظ کرتے ہوئے سب پر مساوی ضمان آئے گا کیونکہ تدبیر کی ولایت میں سب برابر ہیں تو اس کے ترک صورت میں تقصیر میں سب شریک ہیں۔

کسی نے مکان خریدا اور قبضہ سے پہلے اس میں مقتول پایا گیا تو دیت بائع کی عاقلہ پر ہوگی یا مشتری کی عاقلہ پر اقوال فقہاء

قال ومن اشترى دارا ولم يقبضها حتى وجد فيها قتيل فهو على عاقلة البائع وإن كان في البيع خيار لأحدهما فهو على عاقلة الذى في يده وهذا عند أبي حنيفة وقالا إن لم يكن فيه خيار فهو على عاقلة المشترى وإن كان فيه خيار فهو على عاقلة الذى تصير له؛

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور جس نے گھر خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ اس میں کوئی مقتول پایا گیا تو وہ (وجوب دیت) بائع کے عاقلہ پر ہے اور اگر بیع میں ان دونوں میں سے کسی کے لئے خیار ہو تو وہ (وجوب دیت) اس شخص کے عاقلہ پر ہے جس کے قبضہ میں یہ ہے یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اس میں خیار نہ ہو تو دیت مشتری کے عاقلہ پر ہے اور اگر اس میں خیار ہو دیت اس شخص کے عاقلہ پر ہے جس کے لئے یہ گھر رہے گا۔

تشریح۔۔۔۔اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ضمان جب واجب ہوگا کہ آدمی کو حفاظت کی ولایت حاصل ہو اور وہ حفاظت کو ترک کرے اب سوال یہ ہے کہ حفاظت کب حاصل ہوتی ہے تو اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولایت حفاظت کا مدار قبضہ پر ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر فی الفور ملکیت موجود ہے تو جس کی ملکیت ہو اسی پر ضمان ہوگا اور اگر ابھی ملکیت نہ ہو تو آئندہ جس کے لئے بھی ملکیت ثابت ہو جائے جب یہ اصول ذہن نشین ہو گیا تو اب سنئے، زید نے ایک مکان خریدا لیکن ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس میں کوئی مقتول ملا تو دیت کس پر واجب ہوگی؟ تو چونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک مدار ضمان قبضہ ہے اس لئے دیت بائع کے عاقلہ پر واجب ہوگی کیونکہ قبضہ بائع کا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مشتری کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک مدار ضمان ملکیت ہے اور ملکیت مشتری کو حاصل ہو چکی ہے اور اگر بیع میں عاقدین میں سے کسی نے اپنے لئے خیار لیا ہو تو اب ضمان کس پر واجب ہوگا؟ تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر واجب ہوگا جس کے قبضہ میں اس وقت یہ مکان ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ مدار ضمان ملک ہے اور وہ غیر متحقق ہے تو انہوں نے فرمایا کہ زمانہ خیار کے بعد یہ گھر کس کی ملک میں جاتا ہے اس پر ضمان واجب ہوگا اگر بائع کے پاس رہے تو اس کے عاقلہ پر اور اگر مشتری کی ملک میں آ جائے تو اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل

لأنه إنما أنزل قاتلا باعتبار التقصير في الحفظ ولا يجب إلا على من له ولاية الحفظ والولاية تستفاد بالملك ولهذا كانت الدية على عاقلة صاحب الدار دون المودع والملك للمشترى قبل القبض في البيع البات وفي المشروط فيه الخيار يعتبر قرار الملك كما في صدقة الفطر

ترجمہ...... اس لئے کہ وہ (مالک) حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے قاتل کے درجہ میں اتارلیا جائے گا اور ضمان واجب نہیں ہوتا مگر اس پر جس کے لئے حفاظت کی ولایت ہے اور ولایت ملک سے مستفاد ہوتی ہے اس وجہ سے دیت مالک دار کے عاقلہ پر واجب ہے نہ کہ مودَع کے اور بیع قطعی میں قبضہ سے پہلے ہی ملکیت مشتری کی ہے اور اس بیع میں جس میں خیار کی شرط ہو ملک کے قرار کا اعتبار کیا جائے گا جیسے صدقۂ فطر میں۔

تشریح...... یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے جس کا خلاصہ ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ولایت مالک کو حاصل ہوتی ہے اور حفاظت میں کوتاہی موجب ضمان ہے یعنی یہ کوتاہی اس کو قاتل کے درجہ میں اتار کر وجوب دیت کا باعث ہے، بہر حال ضمان قبضہ پر نہیں بلکہ ملکیت پر ہے۔

اس کی دلیل...... یہ بھی ہے کہ اگر یہ واقعہ پیش آئے اور مکان کسی کے پاس ودیعت ہو تو ضمان مودَع پر نہیں آئے گا بلکہ مالک دار پر ضمان واجب ہوگا۔ بہر حال جب ضمان مالک پر ہے تو اس بیع میں جس میں خیار شرط نہ ہو قبضہ سے پہلے ہی مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور جس بیع میں خیار شرط ہو تو اس میں دیکھا جائے گا کہ ملکیت کدھر جاتی ہے تو اس پر ضمان واجب کر دیا جائے گا۔ جیسے صدقۂ فطر میں ہوتا ہے کہ کسی شخص نے اپنا غلام فروخت کیا خیار شرط کے ساتھ اور یہ بیع مثلاً عید الفطر کے روز ہوئی تو اب سوال یہ ہے کہ اس غلام کا صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟ تو ظاہر ہے کہ بعد خیار یہ غلام جس کی ملکیت میں جائے اسی پر اس کا صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، اسی طرح یہاں وجوب دیت کا مسئلہ ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل

وله أن القدرة على الحفظ باليد لا بالملك ألا يرى أنه يقتدر على الحفظ باليد بدون الملك ولا يقتدر بالملك بدون اليد وفي البات اليد للبائع قبل القبض وكذا فيما فيه الخيار لأحدهما قبل القبض؛ لأنه دون البات ولو كان المبيع في يد المشتري والخيار له فهو أخص الناس به تصرفا ولو كان الخيار للبائع فهو في يده مضمون عليه بالقيمة كالمغصوب فتعتبر يده إذ بها يقدر على الحفظ

ترجمہ...... اور دلیل امام ابوحنیفہؒ کی یہ ہے کہ حفاظت پر قدرت قبضہ سے ہوتی ہے نہ کہ ملکیت سے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ حفاظت پر قادر ہو جاتا ہے قبضہ سے بغیر ملکیت کے اور قادر نہ ہوگا ملکیت سے بغیر قبضہ کے اور بیع قطعی میں قبضہ سے پہلے بائع کا قبضہ ہے اور ایسے ہی (بائع کا قبضہ ہے) اس بیع میں جس میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو خیار ہو قبضہ سے پہلے اس لئے کہ یہ (بیع فیہ الخیار) بیع قطعی سے کمتر ہے اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور مشتری کو خیار ہو تو مشتری ہی تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خاص ہے اس مبیع کے ساتھ تصرف کے اعتبار سے اور اگر خیار بائع کے لئے ہو تو مبیع مشتری کے قبضہ میں مضمون علیہ بالقیمہ ہے جیسے مغصوب تو مشتری کا قبضہ معتبر ہے اس لئے کہ اس قبضہ کی وجہ سے وہ حفاظت پر قادر ہو جاتا ہے۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ ضمان کا مدار حقیقت میں قبضہ پر ہونا چاہئے اس لئے کہ آدمی قبضہ کی وجہ سے حفاظت پر قادر ہوتا ہے ملکیت سے نہیں ہوتا جب بات یوں ہے اور جس بیع میں خیار شرط نہ ہو اس میں عاقدین کے لین دین کرنے سے پہلے بائع

کا قبضہ ہے لہٰذا اس پر ہم نے ضمان واجب کر دیا ہے اور اگر بیع میں عاقدین میں سے کسی کے لئے خیار شرط ہو لیکن عاقدین نے لین دین کچھ نہیں کیا تو بھی مبیع کے اوپر بائع کا قبضہ ہوگا۔ کیونکہ جب ایسی صورت میں بیع قطعی کی وجہ سے بائع کا قبضہ ختم نہیں بیع شرط الخیار سے بدرجۂ اولی اس کا قبضہ ختم نہ ہوگا، اور اگر خیار مشتری کے لئے ہو اور مبیع بھی اسی کے قبضہ میں ہو تو وہی ابھی مالک ہے اور وہی قابض ہے اور اس سے زیادہ تصرف کا حقدار اس بیع میں ابھی کوئی نہیں ہے لہٰذا ضمان بھی اس پر واجب ہوگا اور اگر خیار بائع کے لئے ہو اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو اگر چہ ملکیت تو بائع کی ہے لیکن اصل مدار قبضہ پر ہے وہ مشتری کا ہے بلکہ اگر یہ سامان مشتری کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب ہوگا یعنی اس کی قیمت واجب ہوگی جیسے مغصوب کی قیمت واجب ہوتی ہے خلاصۂ کلام شرعاً اس کا قبضہ معتبر ہوا کیونکہ وہ اس قبضہ کی وجہ سے اس کی حفاظت پر قادر تھا اور جب قبضہ معتبر ہوا تو ترک حفاظت کی وجہ سے اس پر ضمان واجب ہوگا۔

ایک شخص کے قبضہ میں مکان ہو اور اس میں کوئی مقتول پایا گیا لیکن قابض کی عاقلہ نے اس کی ملکیت کا انکار کر دیا تو دیت کس پر ہے؟

قال ومن كان في يده دار فوجد فيها قتيل لم تعقله العاقلة حتى تشهد الشهود أنها للذي في يده لأنه لابد من الملك لصاحب اليد حتى تعقل العواقل عنه واليد وإن كانت دليلا على الملك ولكنها محتملة فلاتكفي لإيجاب الدية على العاقلة كما لاتكفي لاستحقاق الشفعة به في الدار المشفوعة فلابد من إقامة البينة

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور جس کے ہاتھ میں کوئی گھر ہو پس اس میں کوئی مقتول پایا جائے تو عاقلہ اس کی جانب سے دیت نہ دے گا یہاں تک کہ گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ دار اس کا ہے جس کے قبضہ میں ہے اس لئے کہ قبضہ والے کی ملکیت کا ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ اس کی جانب سے عواقل دیت ادا کریں اور قبضہ اگر چہ ملک پر دلیل ہے لیکن قبضہ متحمل ہے پس وہ عاقلہ پر دیت واجب کرنے کے لئے کافی نہ ہوگا جیسا کہ قبضہ کافی نہیں ہے اسکے ذریعہ دار مشفوعہ کے اندر شفعہ کے استحقاق کے لئے تو اقامتِ بینہ ہے۔

تشریح..... ایک گھر میں مقتول پایا گیا تو حسب بیان مذکور صاحب دار پر قسامت اس کے عاقلہ پر دیت واجب کی گئی مگر عاقلہ نے کہا کہ یہ اس کا مکان نہیں ہے یہ تو اس میں عاریت پر رہتا ہے یا کوئی اور سبب ہے جس کی وجہ سے یہ اس میں رہتا ہے بہر حال یہ اس کا مالک نہیں ہے تو عاقلہ پر دیت واجب نہ ہوگی ہاں اگر گواہوں نے یہ گواہی دیدی کہ یہ مکان اسی کی ملکیت ہے جو اس میں رہتا ہے تو عاقلہ پر دیت واجب ہوگی ایسا کیوں؟ اس لئے کہ قابض کے لئے ملکیت بھی درکار ہے تب جا کر عاقلہ پر دیت واجب ہوگا اور اگر چہ قبضہ ظاہراً اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مالک قبضہ والا ہے لیکن بہر حال پھر بھی اس میں احتمال دیگر موجود ہے اس لئے خالص قبضہ ایجاب دیت کے لئے کافی نہ ہوگا جیسے خالص قبضہ استحقاق شفعہ کے لئے ناکافی ہوتا ہے تنبیہ ماقبل میں جہاں امام صاحبؒ کا فرمان گذرا ہے کہ قبضہ معتبر ہے تو اس سے مراد وہ قبضہ ہے جو ملکیت کے لئے ہو اسی وجہ سے بالاتفاق مودع پر ضمان واجب نہیں ہے۔

کشتی میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت ملاحوں اور سواروں پر ہے

قال وإن وجد قتيل في سفينة فالقسامة على من فيها من الركاب والملاحين لأنها في أيديهم واللفظ يشمل أربابها حتى تجب على الأرباب الذين فيها وعلى السكان وكذا على من يمدها المالك في ذلك وغير المالك سواء وكذا العجلة وهذا على ما روى عن أبي يوسف ظاهر والفرق لهما أن السفينة تنقل وتحول فيعتبر فيها اليد دون الملك كما في الدابة بخلاف المحلة والدار لأنها لاتنقل

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا اور اگر مقتول کشتی میں پایا جائے تو قسامت ان لوگوں پر واجب ہے جو کشتی میں ہیں یعنی سوار اور ملاحین اس لئے کہ کشتی ان کے قبضہ میں ہے اور لفظ (مَن فیہا) مالکانِ کشتی کو شامل ہے یہاں تک کہ قسامت واجب ہے ان مالکان کشتی پر جو کشتی میں ہیں اور سکان پر اور ایسے ہی ان لوگوں پر جو کشتی کو کھینچتے ہیں اس میں مالک اور غیر مالک برابر ہیں ایسے ہی بیل گاڑی اور یہ (سکان وملاک کا برابر ہونا) ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق تو ظاہر ہے اور طرفینؒ کے لئے وجہ فرق یہ ہے کہ کشتی منتقل ہوتی ہے اور متحول ہوتی ہے تو اس میں قبضہ معتبر ہوگا نہ کہ ملکیت جیسے چوپائے میں بخلاف محلّہ اور گھر کے اس لئے کہ یہ منتقل نہیں ہوتے۔

تشریح..... اگر مقتول کشتی کے اندر ہو تو جو لوگ کشتی کے اندر ہیں انہی پر قسامت و دیت واجب ہے خواہ سوار ہوں خواہ مالک اور خواہ ملاح لوگ ہوں سب ضامن ہوں گے اور بیل گاڑی کا بھی یہی حال ہے لہٰذا بسوں کا بھی یہی حال ہوگا۔

سوال..... طرفینؒ تو کل کے سبق میں یہ فرما رہے تھے کہ فقط مالکان دار پر قسامت ہے نہ کہ سکان پر البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سُکان و ملاک برابر ہیں اور یہ حکم اجماعی کیسے ہو گیا؟

جواب..... امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ تو ظاہر ہے کیونکہ وہ اپنے سابق اصول پر ہیں البتہ طرفینؒ پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ گھر اور محلّہ منتقل نہیں کیا جاتا اور کشتی محول ہوتی ہے اور منتقل ہوتی ہے تو چوپائے کے مثل اس میں بھی ملکیت کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ قبضہ کا اعتبار کیا گیا ہے اور قبضہ کشتی پر ان سب کا ہے خواہ سوار ہوں یا مالک یا ملاح۔

محلّہ کی مسجد میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت اہل محلّہ پر ہے

قال وإن وجد في مسجد محلة فالقسامة على أهلها لأن التدبير فيه إليهم

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا اور اگر مقتول محلّہ کی مسجد میں پایا گیا تو قسامت اہل محلّہ پر ہوگی اسلئے کہ مسجد کے بارے میں تدبیر انہی کی جانب محول ہے۔

تشریح..... محلّہ کی مسجد کی حفاظت و تدبیر اہل محلّہ کا فریضہ ہے لہٰذا اگر محلّہ کی مسجد میں کوئی مقتول پایا گیا تو قسامت و دیت اہل محلّہ پر واجب ہوگی۔

جامع مسجد یا شارع عام پر پائے جانے والے مقتول کی قسامت ساقط ہے اور دیت بیت المال پر ہے

وإن وجد في المسجد الجامع أو الشارع الأعظم فلاقسامة فيه والدية على بيت المال لأنه للعامة لايختص به

واحد منهم وكذا الجسور للعامة ومال بيت المال مال عامة المسلمين

ترجمہ..... اور اگر مقتول جامع مسجد یا عام راستہ پر پایا جائے تو اس میں قسامت نہیں ہے اور دیت بیت المال پر ہے اس لئے کہ یہ (ان دونوں میں سے ہر ایک) عام لوگوں کے لئے ہے لوگوں میں سے کوئی ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور ایسے ہی پل عام لوگوں کے لئے ہے اور بیت المال کا مال عامۃ المسلمین کا ہے۔

تشریح..... اگر جامع مسجد میں یا عام سڑک کے اوپر مقتول ہے تو اس صورت میں قسامت نہیں ہے اور دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ کیونکہ کوئی تنہا شخص جامع مسجد یا عام سڑک یا پل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں عامۃ المسلمین کی ہیں اور بیت المال کا مال بھی عامۃ المسلمین کا ہے تو ان کے مال سے دیت ادا کر دی جائے گی۔

بازار میں پائے جانے والے مقتول کی دیت وقسامت کا حکم

ولو وجد في السوق ان كان مملوكا فعند ابي يوسف تجب على السكان وعندهما على المالك وان لم يكن مملوكا كالشوارع العامة التي بنيت فيها فعلى بيت المال لانه لجماعة المسلمين

ترجمہ..... اور اگر مقتول بازار میں پایا جائے تو اگر وہ بازار مملوک ہو تو ابو یوسفؒ کے نزدیک سکان پر دیت واجب ہے اور طرفینؒ کے نزدیک مالک پر اور اگر مملوک نہ ہو جیسے وہ عام راستے جن پر بازار بنائے جائیں تو دیت بیت المال پر ہوگی اس لئے کہ یہ بازار جماعت مسلمین کے لئے ہے۔

تشریح..... اگر مقتول بازار میں ملے تو بازار کو دیکھا جائے کہ مملوک ہے یا غیر مملوک اگر لوگوں کا مملوک ہو تو طرفینؒ کے نزدیک مالکان سوق پر دیت واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان لوگوں پر دیت واجب ہوگی جو بازار میں رہتے ہیں اور اگر مملوک نہیں جیسے عام راستوں پر بازار لگایا جائے تو اب دیت بیت المال پر واجب ہوگی اس لئے کہ یہ بازار جماعت مسلمین کا ہے اور بیت المال کا مال بھی انہی کا ہے تو بیت المال سے دیت ادا کی جائے گی۔

قید خانہ میں پائے جانے والے مقتول کی دیت وقسامت کا حکم

ولو وجد في السجن فالدية على بيت المال وعلى قول أبي يوسف الدية والقسامة على أهل السجن؛ لأنهم سكان وولاية التدبير إليهم والظاهر أن القتل حصل منهم وهما يقولان إن أهل السجن مقهورون فلايتناصرون فلايتعلق بهم ما يجب لأجل النصرة ولأنه بني لاستيفاء حقوق المسلمين فإذا كان غنمه يعود إليهم فغرمه يرجع عليهم قالوا وهذه فريعة المالك والساكن وهي مختلف فيها بين أبي حنيفة وأبي يوسف

ترجمہ..... اور اگر مقتول قید خانے میں پایا جائے تو دیت بیت المال پر واجب ہوگی اور ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دیت اور قسامت

قید خانہ والوں پر واجب ہے اس لئے کہ سُکان وہی ہیں اور تدبیر کی ولایت انہی کی جانب ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قتل انہی کی جانب سے حاصل ہوا ہے اور طرفینؒ فرماتے ہیں کہ قیدی لوگ مقہور ہیں تو وہ مدد نہیں کر سکتے تو ان کے ساتھ وہ حکم متعلق نہ ہوگا جو نصرت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور اس لئے کہ قید خانہ بنایا گیا ہے مسلمانوں کے حقوق کو وصول کرنے کے لئے پس جب اس کی منفعت مسلمانوں کی جانب لوٹتی ہے تو اس کا تاوان بھی انہی کی جانب لوٹے گا مشائخ نے فرمایا اور یہ مسئلہ مالک وساکن کی فرع ہے اور وہ مسئلہ مختلف فیہ ہے ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے درمیان۔

تشریح ...... اگر مقتول قید خانے میں ملے تو حضرات طرفینؒ کے نزدیک اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی دیت قیدیوں پر واجب ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ قسامت ودیت ان کے اصول کے مطابق سکان پر واجب ہوتی ہے اور قید خانے کے سُکان قیدی ہیں لہٰذا تدبیر کی ولایت انہی کو حاصل ہوگی اور ظاہر بھی یہی ہے کہ قتل انہی کی جانب سے متحقق ہوا ہے۔

حضرات طرفینؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ قیدی لوگ مقہور اور مغلوب ہیں وہ کیا کسی کی امداد کر سکتے ہیں وہ خود ہی مستحق نصرت وامداد ہیں لہٰذا ترک نصرت کی وجہ سے جو قسامت ودیت واجب ہوتی ہے وہ ان پر واجب نہ ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قید خانہ اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے حقوق محفوظ رہ سکیں اور وصول ہو سکیں۔

خلاصۂ کلام ...... قید خانے کی منفعت عامۃ المسلمین کو پہنچتی ہے لہٰذا اس کا غرم وتاوان بھی مسلمانوں ہی کو پہنچے گا اور انہی کے مال میں دیت واجب ہوگی اور ان کا مال وہ بیت المال کا مال ہے۔ درحقیقت یہ مسئلہ ماقبل ذکر کردہ مسئلہ کی فرع ہے یعنی ابو یوسفؒ کے نزدیک ساکن پر ضمان ہے اور طرفین کے نزدیک مالک پر اور قیدی قید خانہ میں ساکن تو ہیں لیکن مالک نہیں ہیں لہٰذا بقول ابو یوسفؒ ان پر ضمان ہوگا اور بقول طرفین ان پر ضمان نہ ہوگا۔

غیر مملوک جنگل میں پائے جانے والے مقتول کی دیت وقسامت

قال وإن وجد في برية ليس بقربها عمارة فهو هدر وتفسير القرب ما ذكرنا من استماع الصوت؛ لأنه إذا كان بهذه الحالة لايلحقهُ الغوث من غيره فلايوصف أحد بالتقصير وهذا إذا لم تكن مملوكة لأحد أما إذا كانت فالدية والقسامة على عاقلته.

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور اگر مقتول کسی جنگل میں ملے جس کے قریب کوئی آبادی نہ ہو تو وہ رائیگاں ہے اور قرب کی تفسیر وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی آواز کو سننا اس لئے کہ مقتول جب اس حال پر ہوگا تو اس کو اس کا غیر کوئی فریادرس نہیں پہنچ سکے گا تو کوئی تقصیر سے متصف نہ ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ جنگل کسی کا مملوک نہ ہو بہرحال جب وہ کسی کا مملوک ہو تو دیت اور قسامت مالک جنگل کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح ...... اگر مقتول کسی ایسے جنگل میں ملے جو کسی کا مملوک نہ ہو تو کسی پر قسامت ودیت نہیں ہے بلکہ اس کا خون ہدر ہے بشرطیکہ اس جنگل کے پاس کوئی آبادی نہ ہو کہ جس کے پاس یہاں سے اس آبادی میں آواز پہنچ سکے کیونکہ جب اس کے قریب کوئی ایسی آبادی نہیں

ہے تو اس کے پاس کوئی فریادرس بھی نہیں آسکتا اور نہ آنے میں کسی کی جانب سے تقصیر نہیں ہے لیکن اگر یہ جنگل کسی کا مملوک ہو تو پھر اس جنگل کے مالک کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

دو گاؤں کے درمیان مقتول ملے تو دیت وقسامت کس پر ہے

وإن وجد بين قريتين كان على أقربهما وقد بيناه وإن وجد في وسط الفرات يمر به الماء فهو هدر لأنه ليس في يد أحد ولا في ملكه

ترجمہ...... اور اگر مقتول دو بستیوں کے درمیان ملے تو وجوب دیت ان میں سے اقرب پر ہے اور ہم اس کو بیان کر چکے ہیں اور اگر مقتول دریائے فرات کے درمیان میں ملے جس کو پانی بہائے لیجاتا ہے تو یہ ہدر ہے اس لئے کہ فرات کسی کے قبضہ میں نہیں ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں ہے۔

تشریح...... اگر مقتول دو گاؤں کے بیچ میں ملے جو اس جگہ سے قریب ہوگا اس کے باشندوں پر قسامت و دیت واجب ہوگی جس کی وجہ ماقبل میں گذر چکی ہے اور اگر مقتول دریائے فرات کے کنارے پر نہیں بلکہ وسط میں ملے جس کو پانی کی دھار بہا کر لے جارہی ہے تو اس کی دیت کسی پر بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ کسی کے قبضہ میں نہیں۔ اور فرات کے تحت میں ہر وہ دریا داخل ہے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔

بڑے دریا کے کنارے سے الجھے ہوئے مقتول کی دیت وقسامت

وإن كان محتبساً بالشاطیء فهو على أقرب القرىٰ من ذلك المكان على التفسير الذى تقدم، لأنه أخص بنصرة هذا الموضع فهو كالموضوع على الشط والشط في يد من هو بقرب منه ألا ترى أنهم يستقون منه الماء ويوردون بهائمهم فيها بخلاف النهر الذى يستحق به الشفعة لاختصاص أهلها به لقيام يدهم عليه فتكون القسامة والدية عليهم.

ترجمہ...... اور اگر مقتول فرات کے کنارے سے الجھا ہوا ہو تو وہ (وجوب دیت) اس جگہ قریبی گاؤں والوں پر ہوگا قرب کی اس تفسیر کے مطابق جو ماقبل میں گزر چکی ہے اس لئے کہ وہی (اقرب القریٰ) اس جگہ کی نصرت کے ساتھ مخصوص ہے تو مقتول ایسا ہو گیا جیسے کنارے پر رکھا ہوا اور کنارہ ان لوگوں کے قبضہ میں ہے جو اس سے قریب ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ اہل اقرب القریٰ اس سے پانی بھرتے ہیں اور اس میں اپنے چوپاؤں کو لاتے ہیں بخلاف اس نہر کے جس کے ذریعہ شفعہ کا استحقاق ہوتا ہے شفعہ کے مختص ہونے کی وجہ سے اس نہر کے ساتھ اس نہر پر ان کا قبضہ ہونیکی وجہ سے تو قسامت اور دیت انہی پر ہوگی۔

تشریح...... اگر مقتول بڑے دریا کے کنارے سے الجھا ہوا ہے تو جو بستی اس جگہ کے قریب ہوگی انہی پر دیت واجب ہوگی کیونکہ اس جگہ کی نصرت انہیں کا فریضہ ہے تو ان کی جانب سے تقصیر کا صدور ہوا ہے اس لئے وہ دیت کے ذمہ دار ہوں گے اور قرب کی تفسیر ماقبل میں گذر چکی ہے تو اب اس مقتول کا حکم ایسا ہو گیا جیسے دریا کے کنارے پر پڑے ہوئے کا اور کنارہ چونکہ اس بستی والوں کے قبضہ میں ہے کیونکہ وہ اس کنارے سے پانی لیتے ہیں اور اپنے چوپاؤں کو یہاں لاتے ہیں ہاں اگر چھوٹی نہر ہو جس میں شرکت کی وجہ سے شفعہ کا استحقاق ہوتا ہے تو وہ نہر اس کے اہل کے قبضہ میں ہے لہٰذا اگر اس میں کوئی مقتول ملا تو اس کی دیت انہی پر واجب ہوگی اور انہی پر

قسامت واجب ہوگی۔

ولی مقتول نے معین شخص پر قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو کیا حکم ہے؟

قال وإن ادعى الولي على واحد من أهل المحلة بعينه لم تسقط القسامة عنهم وقد ذكرناه وذكرنا فيه القياس والاستحسان.

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور اگر ولی نے محلہ والوں میں سے معین کسی ایک شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو اہل محلہ سے قسامت ساقط نہ ہوگی اور ہم اس کو بیان کر چکے ہیں اور ہم اس میں قیاس اور استحسان کو بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ...... اس کی تفصیلی وضاحت پرسوں کے سبق میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔

ولی مقتول اہل محلّہ کے علاوہ کسی باہر کے آدمی پر قتل کا دعویٰ کرے

قال وإن ادعى على واحد من غيرهم سقطت عنهم ووجه الفرق قد بيناه من قبل وهو أن وجوب القسامة عليهم دليل على أن القاتل منهم فتعيينه واحدا منهم لاينافي ابتداء الأمر لأنه منهم بخلاف ما إذا عين من غيرهم لأن ذلك بيان أن القاتل ليس منهم وهم إنما يغرمون إذا كان القاتل منهم لكونهم قتلة تقديرا حيث لم يأخذوا على يد الظالم ولأن أهل المحلة لايغرمون بمجرد ظهور القتيل بين أظهرهم إلا بدعوى الولي فإذا ادعى القتل على غيرهم امتنع دعواه عليهم وسقط لفقد شرطه.

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور اگر ان کے غیر میں سے کسی ایک پر ولی نے قتل کا دعویٰ کیا تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی اور وجہ فرق کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور وہ وجہ یہ ہے کہ اہل محلّہ پر قسامت کا وجوب اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل انہی میں سے ہے تو ان میں سے ایک کو متعین کر دینا پہلی بات کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ وہ ایک انہی میں سے ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ ولی ان کے کسی غیر کو معین کرے اس لئے کہ یہ (غیر کی تعیین) اس بات کا بیان ہے کہ قاتل ان میں سے نہیں ہے اور اہل محلّہ اسی وقت ضامن ہوتے ہیں جبکہ قاتل ان میں سے ہو ان کے تقدیراً قاتل ہونے کی وجہ سے اس حیثیت سے کہ انہوں نے ظالم کا ہاتھ نہیں پکڑا اور اس لئے کہ اہل محلّہ محض ان کے درمیان مقتول کے ظہور سے ضامن نہیں ہوتے مگر ولی کے دعویٰ کے ساتھ پس جب ولی نے ان کے غیر پر قتل کا دعویٰ کر دیا تو مدعی کا اہل محلّہ پر دعویٰ ممتنع ہو گیا اور تاوان ساقط ہو گیا اس کی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے۔

تشریح ...... اگر ولی مقتول نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی اور شخص پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اب اہل محلّہ پر نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے اس کی وجہ فرق ماقبل میں مذکور ہو چکی نیز یہ بھی وجہ ہے کہ جب اہل محلّہ پر قسامت واجب ہوتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ قاتل انہی میں سے کوئی ایک ہے۔

تو جب ولی نے اہل محلّہ میں سے کسی ایک کو متعین کر دیا تو بات اب بھی جوں کی توں رہی کیونکہ پہلے بھی اہل محلّہ قاتل شمار کئے گئے تھے اور جب اُن میں سے ایک کو متعین کر دیا تو تقدیراً وہ اب بھی بدستور قاتل ہیں کیونکہ ان پر ضروری تھا کہ وہ قاتل کا ہاتھ پکڑیں اور اس کو ظلم نہ

کرنے دیں۔

اور جب قاتل ان میں سے نہ ہو بلکہ غیر ہو تو قتل کا نہ حقیقۃً ظہور ہے اور نہ تقدیراً، لہٰذا اُن پر نہ قسامت واجب ہے اور نہ دیت ہے، اور اب ان کے اوپر دیت واجب نہ ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ اہل محلّہ پر فقط محلّہ میں مقتول کے ملنے سے دیت واجب نہیں ہوتی بلکہ جب واجب ہوگی جبکہ ولی مقتول نے ان پر دعویٰ کیا ہو اور یہاں ولی نے دعویٰ کسی اور پر کیا ہے تو اب وہ اہل محلّہ پر دعویٰ نہیں کرسکتا ورنہ اس کے دعوے میں تناقض لازم آئے گا لہٰذا اہل محلّہ پر تاوان کی شرط مفقود ہے لہٰذا ان پر دیت واجب نہ ہوگی۔

کسی جگہ کے لوگ آپس میں تلواروں سے لڑ پڑے اور ایک مقتول چھوڑ کر منتشر ہو گئے تو قسامت و دیت کا حکم

قال وإذا التقى قوم بالسيوف فأجلوا عن قتيل فهو على أهل المحلة؛ لأنّ القتيل بين أظهرهم والحفظ عليهم إلا أن يدعي الأولياء على أولئك أو على رجل منهم بعينه فلم يكن على أهل المحلة شيء لأن هذه الدعوىٰ تضمنت براءة أهل المحلة عن القسامة.

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور اگر ایک قوم کے لوگ آپس میں تلواروں سے بھڑ گئے پس وہ ایک مقتول کو چھوڑ کر جدا ہوئے تو وہ (وجوب دیت) اہل محلّہ پر ہے اسلئے کہ مقتول ان کے درمیان ہے اور اُن پر حفاظت ضروری تھی مگر یہ کہ اولیاء ان لوگوں پر یا ان میں سے کسی ایک معین پر دعویٰ کریں تو اہل محلّہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اس لئے کہ یہ دعویٰ قسامت سے اہل محلّہ کی برأت کو متضمن ہے۔

تشریح۔۔۔۔ اگر ایک قوم پر بناءِ عصبیت آپس میں تلواروں سے بھڑ گئی اور جب وہ اس جگہ سے ہٹے تو وہاں ایک مقتول ملتا ہے تو اس کی دیت اہل محلّہ پر ہوگی کیونکہ مقتول انہی کے درمیان ملا ہے حالانکہ ان پر اس کی حفاظت لازم تھی البتہ اگر ولی قتل کا دعویٰ انہی لوگوں پر کرے یا ان میں سے کسی ایک متعین شخص پر کرے تو اب اہل محلّہ پر کوئی ضمان نہ ہوگا کیونکہ ولی کے اس دعویٰ نے اہل محلّہ کو قسامت سے بری کردیا اب رہا یہ سوال کہ پھر قسامت و دیت ان بھڑنے والوں پر واجب ہوگی یا نہیں تو اس کا جواب اگلی عبارت میں آرہا ہے۔

لڑنے والوں پر کب دیت لازم ہوگی

قال ولا على أولئك حتى يقيموا البينة؛ لأن بمجرد الدعوىٰ لايثبت الحق للحديث الذي رويناه أما يسقط به الحق عن أهل المحلة لأن قوله حجة على نفسه

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور نہ اُن لوگوں پر ہے، یہاں تک کہ اولیاء مقتول بینہ قائم کریں اس لئے کہ محض دعوے کی وجہ سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ اس حدیث کی وجہ سے جو کہ ہم روایت کرچکے ہیں بہر حال اس کی وجہ سے اہل محلّہ سے حق ساقط ہوجائے گا، اس لئے کہ مدعی کا قول اپنے نفس پر حجت ہے۔

تشریح۔۔۔۔ یعنی صورت مذکورہ میں جیسے اہل محلّہ پر ضمان نہیں ہے اسی طرح بھڑنے والی قوم پر بھی دیت واجب نہ ہوگی ہاں اگر اولیاء

مقتول بینہ سے یہ ثابت کر دیں کہ یہی لوگ قاتل ہیں تو پھر دیت واجب ہوگی۔ ورنہ محض دعوے کی وجہ سے حق ثابت نہیں ہوتا بلکہ اقامت بینہ ضروری ہے جیسے حدیث میں گزر چکا ہے، البینة علی المدعی و الیمینُ علی من انکر لیکن جب ولی مقتول نے اس بھرنے والی قوم پر قتل کا دعوی کر دیا تو اس نے اہل محلہ کو بری قرار دیا اور مدعی کا قول خود اپنے حق میں حجت ہے۔ اس لئے بغیر اقامت بینہ کے اہل محلہ بری قرار پائیں گے۔

غیر مملوک جنگل میں لشکر کے پڑاؤ میں کوئی مقتول ملا قسامت ودیت کس پر ہے؟

ولو وجد قتيل في معسكر أقاموا بفلاة من الأرض لاملك لأحد فيها فإن وجد في خيئاو فسطاط فعلى من يسكنها الدية والقسامة وإن كان خارجا من الفسطاط فعلى أقرب الأخبية اعتبارا لليد عند انعدام الملك

ترجمہ...... اور اگر کوئی مقتول کسی لشکر میں پایا گیا جو کسی ایسے میدان میں ٹھہرے جس میں کسی کی ملک نہیں ہے پس اگر وہ ڈیرے یا خیمے میں پایا گیا تو ان لوگوں پر جو اس خیمے میں ساکن ہیں دیت اور قسامت ہے اور اگر مقتول خیمے سے باہر ہو تو قریبی خیمہ والوں پر ملک نہ ہونے کی صورت میں قبضہ کا اعتبار کرتے ہوئے۔

تشریح...... ایک لشکر کسی جنگل میں پڑا ہوا ہے خیمے لگا کر اور کسی خیمے میں کوئی مقتول ملا تو اس خیمہ والوں پر قسامت اور دیت واجب ہے اور اگر خیمہ سے باہر مقتول ملا تو جس خیمہ سے زیادہ قریب ہوگا اسی خیمے والوں پر قسامت اور دیت واجب ہے کیونکہ یہاں اگرچہ ملک تو ندارد ہے لیکن قبضہ تو ہے تو یہاں فقط قبضہ کو ملک کے قائم مقام کر دیا جائے گا۔

لشکر والوں نے دشمن سے مقاتلہ کیا اور ان میں کوئی مقتول ملا قسامت ودیت کس پر ہے؟

وإن كان القوم لقوا قتالا ووجد قتيل بين أظهرهم فلاقسامة ولادية لأن الظاهر أن العدو قتله فكان هدرا وإن لم يلقوا عدوا فعلى ما بيناه وإن كان للأرض مالك فالعسكر كالسكان فيجب على المالك عند أبي حنيفة خلافا لأبي يوسف وقد ذكرناه.

ترجمہ...... اور اگر لشکر نے دشمن سے قتال کیا ہو اور ان کے درمیان کوئی مقتول پایا جائے تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو دشمن نے قتل کیا ہے تو یہ رائیگاں ہوگا اور اگر لشکر نے دشمن سے قتال نہ کیا ہو تو اس تفصیل پر ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور اگر زمین کا کوئی مالک ہو تو لشکر سکان کے مثل ہے تو دیت مالک پر واجب ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک بخلاف ابو یوسفؒ کے اور ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں۔

تشریح...... اگر فوج نے دشمنوں سے جنگ کی ہو اور وہاں کوئی مقتول ہے تو اب قسامت اور دیت واجب نہ ہوگی کیونکہ اب تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ مقتول دشمنوں کا مارا ہوا ہے لہٰذا ہدر ہوگا اور اگر جنگ نہ ہوئی ہو اور ویسے ہی اس جگہ ٹھہرا ہو تو اس کا بیان اس سے پہلے گذر چکا ہے اور اگر اس زمین کا کوئی مالک ہو تو لشکر سکان کے مثل قرار دیا جائے گا اور حسب تفصیل سابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف مالک پر ضمان واجب ہوگا لشکر پر نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مالک اور سکان دونوں پر ضمان واجب ہوگا۔

کسی مقتول کے متعلق قاتل جاننے کیلئے قسم لی گئی تو جواب میں اس طرح سے قسم کھائی کہ اسے فلاں شخص نے قتل کیا تو کیا حکم ہوگا؟

قال وإذا قال المستحلف قتله فلان استحلف بالله ما قتلت ولا عرفت له قاتلا غير فلان لأنه يريد إسقاط الخصومة عن نفسه بقوله فلايقبل فيحلف على ما ذكرنا لأنه لما أقر بالقتل على واحد صار مستثنى عن اليمين فبقي حكم من سواه فيحلف عليه.

ترجمہ ... قدوری نے فرمایا اور جبکہ مستحلف نے کہا کہ مقتول کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس کو یوں قسم دلائی جائے کہ خدا کی قسم میں نے قتل نہیں کیا اور نہ میں فلاں کے علاوہ اس کا کوئی قاتل پہچانتا ہوں اس لئے کہ وہ اپنے نفس سے خصومت کے اسقاط کا ارادہ کرتا ہے اپنے اس قول سے (قتله فلان سے) تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا پس اس طریقہ پر قسم دلائی جائے گی جو ہم نے ذکر کیا ہے اس لئے کہ جب اس نے کسی کے اوپر قتل کا اقرار کرلیا تو وہ (جس پر اقرار کیا ہے) یمین سے مستثنیٰ ہوگیا پس اس کے علاوہ کا حکم باقی رہ گیا تو باقی پر قسم دلائی جائے گی۔

تشریح ... جب کسی مقتول کے متعلق کسی سے قسم لی گئی تو اس نے یوں کہا کہ اسکو تو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو ابھی یہ قسم پوری نہیں ہوئی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ فلاں نے قتل تو کیا ہو مگر اس کے ساتھ یہ خود بھی شامل ہو یا مثلاً اس کا باپ شامل ہو جس کو اس نے چھوڑ دیا ہو تو قسم کی تکمیل کے لئے اب اس کو یوں قسم دیجائے گی یعنی وہ یوں کہے باللہ ماقتلتُ ولا عرفتُ له قاتلاً غير فلان

سوال ... اس قسم میں فلاں کے اوپر تو اقرار آیا نہیں؟

جواب ... اس کے اوپر تو پہلے اقرار ہو ہی چکا ہے اب تو ماسبقی کی حاجت باقی رہ گئی لہٰذا ماسبقی کے اوپر قسم لی جائے گی اور اس کا یہی طریقہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

محلّہ والوں نے دوسرے محلّہ کے کسی شخص پر قتل کی گواہی دی، گواہی کا حکم......اقوال فقہاء

قال وإذا شهد اثنان من أهل المحلة على رجل من غيرهم أنه قتل لم تقبل شهادتهما وهذا عند أبي حنيفة وقالا تقبل لأنهم كانوا بعرضة أن يصيروا خصماء وقد بطلت العرضة بدعوى الولي القتل على غيرهم فتقبل شهادتهم كالوكيل بالخصومة إذا عزل قبل الخصومة

ترجمہ ... قدوری نے فرمایا اور جب اہل محلّہ میں دو شخصوں نے ایسے شخص کے خلاف گواہی دی جو ان میں سے نہیں ہے کہ اس نے اس مقتول کو قتل کیا ہے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا شہادت قبول کی جائے گی اس لئے کہ وہ خصم بننے کا نشانہ تھے اور ان کے غیر پر ولی کے قتل کے دعوے کی وجہ سے نشانہ بننا باطل ہوگیا تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی جیسے وکیل بالخصومت جب اس کو خصومت سے پہلے معزول کردیا جائے۔

تشریح ... محلّہ کے دو شخصوں نے ایسے شخص کے بارے میں جو اس محلّہ کا نہیں ہے گواہی دی کہ اس نے اس مقتول کو قتل کیا ہے تو صاحبینؒ

کے نزدیک یہ گواہی قبول کی جائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ اہل محلہ اگرچہ نشانہ پر تھے کہ وہی لوگ خصم بن جائیں مگر اب جبکہ ولی مقتول نے دعویٰ ان کے غیر پر کردیا تو اب ان کا نشانہ پر ہونا باطل ہو گیا تو اب کوئی شبہ ان کی شہادت میں نہیں رہا اور اس کو بالکل ایسا سمجھا جائے جیسے کسی کا کوئی وکیل بالخصومت ہو تو وہ اپنے موکل کا گواہ نہیں بن سکتا لیکن اگر موکل نے اس کو خصومت سے پہلے ہی وکالت سے معزول کردیا ہو تو اب کوئی شبہ نہیں رہا لہٰذا اب اس کی گواہی قبول کرلی جائے گی لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

امام اعظمؒ کی دلیل

و لـه أنهـم خـصـمـاء بإنزالهم قاتلين للتقصير الصادر منهم فلاتقبل شهادتهم وإن خرجوا من جملة الخصوم كـالـوصي إذا خرج من الوصاية بعد ما قبلها ثم شهد قال رضي الله عنه وعلى الأصلين هذين يتخرج كثير من من المسائل من هـذا الجنس۔

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خصم ہیں اس تقصیر کی وجہ جو ان سے صادر ہوتی ہے ان کو قاتلین کے درجہ میں اتارنے کی وجہ سے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ یہ خصوم کی فہرست سے خارج ہو گئے ہیں جیسے وصی جبکہ وصایۃ سے خارج ہو جائے وصایت کو قبول کرنے کے بعد پھر گواہی دے مصنفؒ نے فرمایا اور ان دونوں اصلوں پر اس جنس کے بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

تشریح...... یہ حضرت امام صاحبؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ کہ ان لوگوں کی کوتاہی تو ضرور ہے کیونکہ قتل ان کے محلّہ میں ہوا ہے ان پر حفاظت واجب تھی تو اس تقصیر کی وجہ سے وہ قاتلین کے درجہ میں آگر خصم تو ہیں لیکن اتفاقی بات ہے کہ اب ولی کے غیر پر دعویٰ قتل کی وجہ سے یہ لوگ جو خصوم کی فہرست میں نہیں ہیں مگر اول شبہ کی وجہ سے ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اور ان کو ایسا سمجھا جائے کہ کوئی کسی کا وصی ہے مگر اب وہ بچہ کہ بالغ ہونے کی وجہ سے وصی ہونے سے خارج ہو گیا اور اب وہ اس بچہ کا گواہ ہے تو اب بھی اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی ایسے ہی اس کا حکم ہوگا۔

خلاصۂ کلام...... اب وہ باتفاق فریقین خصم نہیں ہے لیکن صاحبینؒ نے ان کو وکیل پر قیاس کیا ہے اور امام صاحبؒ نے وصی پر اس کے بعد حضرت مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں ایسے قاعدہ کلیہ ہیں جن پر اس جنس کے بہت سارے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

مقتول کے ولی نے اپنے محلّہ والوں میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا اور محلّہ والوں میں سے ہی دو شخصوں نے مدعیٰ علیہ کے خلاف گواہی دی، گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

قـال ولـو ادعى على واحد من أهل المحلة بعينه فـشهد شاهدان من أهلها عليه لم تقبل الشهادة؛ لأن الخصومة قـائـمة مع الكل على ما بيناه والشاهد يقطعها عن نفسه فكان متهما وعن أبي يوسف أن الشهود يحلفون بالله ما قتلناه ولايزدادون على ذلک لأنهم أخبروا أنهم عرفوا القاتل.

ترجمہ۔۔۔ مصنفؒ نے فرمایا اور اگر ولی نے اہل محلّہ میں سے کسی ایک معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا پس اہل محلّہ میں سے دو شخصوں نے اس پر گواہی دی تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ خصومت کل کیساتھ قائم ہے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور شاہد خصومت کو اپنے نفس سے ختم کرتا ہے تو وہ متہم ہوگا اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ گواہوں سے یہ حلف لیا جائے گا، بالله ما قتلناه، اور اس پر اضافہ نہیں کئے جائیں گے اس لئے کہ یہ تو وہ خبر دے چکے ہیں کہ وہ قاتل کو پہچانتے ہیں۔

تشریح۔۔۔۔ اہل محلّہ میں سے کسی ایک معین شخص پر ولی مقتول نے قتل کا دعویٰ کیا جس پر اہل محلّہ کے دو شخصوں نے اس پر قتل کی گواہی دی تو چونکہ یہ دونوں متہم ہیں اس لئے کہ ان کی شہادت کا مقصد اپنے کو خصم ہونے سے بچانا ہے حالانکہ تمام اہل محلّہ خصم ہیں اس وجہ سے ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اس پر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی جیسے مذکور ہو مگر ان کی اس گواہی سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ یہ دونوں شاہد قاتل کو جانتے ہیں اس وجہ سے جب یہ دونوں گواہ اہل محلّہ کے ساتھ قسامت کی قسم کھائیں گے تو ان دونوں کو فقط ان الفاظ سے قسم دی جائے گی کہ خدا کی قسم ہم نے اس مقتول کو قتل نہیں کیا یعنی دوسرے اہل محلّہ کی طرح ان کو اپنی قسم میں یوں کہنے کی ضرورت نہیں، بالله ماقتلناهٗ ولا عرفنا له، قاتلا، یعنی اس آخری جملہ کے اضافہ کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ یہ دونوں پہلے ہی یہ گواہی دے چکے ہیں کہ اس کا قاتل فلاں ہے، اس لئے پہلے جملہ پر اکتفاء کیا جائے گا۔

کسی محلّہ میں کوئی زخمی ہوگیا اور کوئی اٹھا کر اسے گھر رکھ آیا پھر زخمی اسی زخم کی تکلیف سے مر گیا تو قسامت اور دیت کس پر ہے؟۔۔۔۔ اقوال فقہاء اور ہر ایک کی دلیل

قال ومن جرح في قبيلة فنقل إلى أهله فمات من تلك الجراحة فإن كان صاحب فراش حتى مات فالقسامة والدية على القبيلة وهذا قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف لا قسامة ولا دية لأن الذي حصل في القبيلة أو المحلة ما دون النفس ولا قسامة فيه فصار كما إذا لم يكن صاحب فراش وله أن الجرح إذا اتصل به الموت صار قتلا ولهذا وجب القصاص فإن كان صاحب فراش أضيف إليه وإن لم يكن احتمل أن يكون الموت من غير الجرح فلا يلزم بالشك.

ترجمہ۔۔۔ مصنفؒ نے فرمایا اور جو کسی قبیلہ میں زخمی کر دیا گیا پس اپنے اہل کی جانب منتقل کیا گیا پس وہ اسی زخم کی وجہ سے مر گیا تو اگر وہ مرنے تک صاحب فراش رہا ہو تو اس قبیلہ پر قسامت اور دیت ہے اور یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے اس لئے کہ قبیلہ یا محلّہ میں جو فعل حاصل ہوا ہے وہ مادون النفس ہے اور اس میں قسامت نہیں ہے پس ایسا ہوگیا جبکہ وہ صاحب فراش نہ رہا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ۔۔۔ یہ ہے کہ زخم جبکہ اس کے ساتھ موت متصل ہو جائے تو زخم قتل ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے پس اگر وہ صاحب فراش رہا ہو تو قتل زخم لگانے کی جانب مضاف ہوگا اور اگر وہ صاحب فراش نہ رہا ہو تو احتمال ہے کہ موت غیر زخم کی وجہ سے ہوئی ہو تو قسامت و دیت شک کی وجہ سے لازم نہ ہوگی۔

تشریح ...... زید کو کسی قبیلہ یا محلّہ میں زخمی کر دیا گیا پھر اس کو اٹھا کر اس کے گھر منتقل کر دیا گیا اور وہ برابر صاحب فراش رہا یہاں تک کہ اس زخم سے مر گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس قبیلہ یا محلّہ والوں پر قسامت اور دیت واجب ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسامت ودیت کچھ واجب نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ اس محلّہ میں اس کو فقط زخمی کیا گیا تھا اور قسامت ودیت قتل میں واجب ہوتی ہے نہ کہ غیر قتل میں، تو جیسے صاحب فراش نہ رہنے کی صورت میں اگر وہ مر جائے تو بالاتفاق قسامت ودیت نہیں ہے تو اسی طرح یہاں بھی قسامت ودیت واجب نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ جب زخم موت کا سبب بن جاتا ہے تو زخم کو قتل ہی کا درجہ دیا جاتا ہے یہی تو وجہ ہے کہ اگر قاتل معین ومعلوم ہو تو ایسی صورت میں اس پر قصاص واجب ہوتا ہے لہٰذا یہاں قسامت ودیت واجب ہوگی تو اگر وہ برابر صاحب فراش رہ کر مر گیا تو موت اسی زخم کی جانب مضاف ہوگی اور اگر وہ صاحب فراش نہیں رہا تو اب اس میں احتمالات پیدا ہو گئے ہو سکتا ہے کہ وہ اسی زخم کی وجہ سے مرا ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس زخم کی وجہ سے نہ مرا ہو تو شک پیدا ہو گیا لہٰذا شک کی وجہ سے قسامت اور دیت واجب نہ ہوگی۔

زخمی شخص جس میں جان کی رمق باقی ہو اسے کوئی اٹھا کر زخمی کے گھر لے گیا پھر ایک دو دن بعد وہ مر گیا ضامن کون ہوگا؟ ...... اقوال فقہاء

ولو أن رجلا معه جرح به رمق حمله إنسان إلى أهله فمكث يوما أو يومين ثم مات لم يضمن الذي حمله إلى أهله في قول أبي يوسف وفي قياس قول أبي حنيفة يضمن؛ لأن يده بمنزلة المحلة فوجوده جريحا في يده كوجوده فيها وقد ذكرنا وجهي القولين فيما قبله من مسألة القبيلة

ترجمہ ...... اور اگر کوئی شخص زخمی ہو جس میں جان باقی ہو اس کو کسی انسان نے اٹھا کر اس کے گھر پہنچا دیا پس وہ ٹھہرا ایک دن یا دو دن پھر وہ مر گیا تو ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اس کو اس کے گھر تک اٹھانے والا ضامن نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ کے قول کے قیاس کے مطابق ضامن ہو گا اس لئے کہ اس کا قبضہ محلّہ کے درجہ میں ہے تو مقتول کا زخمی ہونے کی حالت میں اس کے قبضہ میں پایا جانا مقتول کے زخمی ہونے کی حالت میں محلّہ میں پائے جانے کی مثل ہے اور ہم دونوں قولوں کی وجہ ذکر کر چکے ماقبل میں یعنی قبیلہ والے مسئلہ میں۔

تشریح ...... ایک شخص زخمی ہے جس میں کچھ جان باقی ہے اس کو کوئی اٹھا کر اس کے گھر لے گیا اور اسی حال میں وہ ایک دو دن کے بعد مر گیا تو امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ اٹھانے والا اس کا ضامن نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ کا قیاس یہ کہتا ہے کہ وہ ضامن ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ...... اس پر امام ابوحنیفہؒ یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اس زخمی کا اٹھانے والے کے قبضہ میں موت ایسا ہے جیسے محلّہ میں ہوتا اور ماقبل میں گذر چکا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اگر محلّہ میں زخمی پایا جائے اور اس کو اٹھا کر گھر لایا جائے تو اہل محلّہ ضامن ہوتے ہیں اسی طرح یہاں اٹھانے والا ضامن ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل بھی وہیں گذر چکی ہے۔

انسان اپنے ذاتی مکان میں مقتول پایا جائے تو دیت عاقلہ پر ہے

ولو وجد الرجل قتيلا في دار نفسه فديته على عاقلته لورثته عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد وزفر لاشيء فيه لان الدار في يده حين وجد الجرح فيجعل كانه قتل نفسه فيكون هدرا

ترجمہ...... اور اگر کوئی مرد اپنے گھر میں مقتول پایا جائے تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اس کے ورثہ کے لئے ابوحنیفہ کے نزدیک اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ اور زفرؒ نے فرمایا کہ اس میں کچھ نہیں ہے اس لئے کہ جب زخمی کرتا پایا گیا اس وقت گھر اس کے قبضہ میں ہے تو ایسا قرار دیا جائے گا گویا اس نے خود اپنے نفس کو قتل کیا ہے تو وہ رائیگاں ہوگا۔

تشریح...... کوئی شخص اپنے گھر میں مقتول ملا تو اس میں امام ابو یوسفؒ، محمدؒ اور زفرؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا خون ہدر ہے اور کسی پر کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ جب یہ زخمی کیا گیا ہے تو گھر کا مالک یہی تھا لہٰذا کسی اور پر ضمان نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کے ورثہ کو اس کی دیت ملے گی اور مقتول عاقلہ اس دیت کو برداشت کریں گے امام ابوحنیفہ کی دلیل آگے آرہی ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل

وله ان القسامة انما تجب بناء على ظهور القتل ولهذا لايدخل في الدية من مات قبل ذلك وحال ظهور القتل الدار للورثة فتجب على عاقلتهم بخلاف المكاتب اذا وجد قتيلا في دار نفسه لان حال ظهور قتله بقيت الدار على حكم ملكه فيصير كانه قتل نفسه فيهدر دمه

ترجمہ...... اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت واجب ہوتی ہے ظہور قتل پر بنا کرتے ہوئے اور اسی وجہ سے دیت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جو ظہور قتل سے پہلے مرجائے اور ظہور قتل کے وقت گھر ورثہ کا ہے تو دیت ورثہ کے عاقلہ پر واجب ہوگی بخلاف مکاتب کے جبکہ وہ اپنے گھر میں مقتول پایا جائے اس لئے کہ اس کا قتل ظاہر ہونے کے وقت گھر اس کی ملکیت کے حکم پر باقی ہے تو ایسا ہو جائے گا گویا کہ اس نے خود اپنے نفس کو قتل کیا ہے تو اس خون ہدر ہوگا۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ قسامت وقت جرح میں واجب نہیں بلکہ قسامت جب واجب ہے جبکہ قتل کا ظہور ہو جائے اور ظہور کا ذب ہوا ہے اور اب حال یہ ہے کہ اس گھر کا مالک مقتول نہیں رہا بلکہ اس کے ورثہ ہو گئے لہٰذا دیت گھر والوں کے عاقلہ پر واجب ہوگی اور ورثہ کو مل جائے گی، یعنی گھر والوں کو۔ اور رہی اس کی دلیل کہ قتل کے ظہور کے وقت قسامت واجب ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ظہور قتل سے پہلے عاقلہ میں سے جو مر گیا تو اس کے ترکہ میں سے دیت ادا نہیں کی جائے گی، تو اگر قسامت و دیت کا وجوب قبل ظہور ہوتا تو اس کے ترکہ میں سے دیت ادا ہونی چاہئے تھی، البتہ اگر مکاتب کا اپنا ذاتی مکان تھا جس میں وہ مقتول پایا گیا تو اس کا خون ہدر ہے، اس لئے کہ جب اس کا قتل ظاہر ہوا تو یہ مکان تب بھی اس مکاتب کی ملک ہے اس لئے کہ مکاتب کی موت سے عقد کتابت باطل نہیں ہوتا جبکہ وہ بدل کتابت کے برابر مال چھوڑ کر مرے تو جب یہ مکان ظہور قتل کے وقت بھی اسی کی ملک قرار دیا گیا تو کسی پر ضمان واجب نہ ہوگا بلکہ اس خون ہدر ہوگا کیونکہ ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ اس نے خود اپنے کو قتل کیا ہے۔

تنبیہ-۱ ... اگر کسی کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو چوروں نے مارا ہے تو اب کسی پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہے کیونکہ وہ شہید ہے۔ (شامی)

تنبیہ-۲ ... در مختار میں صاحبینؒ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے اور بعض نے امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

ایک گھر میں صرف دو ہی آدمی رہتے ہیں، ان میں سے کوئی مقتول پایا گیا تو دیت کس پر ہے؟

ولو ان رجلين كانا في بيت وليس معهما ثالث فوجد احدهما مذبوحا قال ابو يوسف يضمن الاخر الدية وقال محمد لايضمنه لانه يحتمل انه قتل نفسه ويحتمل انه قتله الاخر فلا يضمنه بالشك ولابي يوسف ان الظاهر ان الانسان لا يقتل نفسه فكان التوهم ساقطا كما اذا وجد قتيل في محلة.

ترجمہ ... اور اگر دو شخص ایک گھر میں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہ ہو پس ان میں سے ایک مذبوح پایا جائے تو ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دوسرا دیت کا ضامن ہوگا اور محمدؒ نے فرمایا کہ وہ دیت کا ضامن نہ ہوگا اس لئے کہ احتمال ہے کہ اس کو دوسرے نے قتل کر دیا ہو تو وہ شک کی وجہ سے اس کا ضامن نہ ہوگا اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو قتل نہیں کرتا تو توہم ساقط ہوگا جیسے جبکہ مقتول محلّہ کے اندر پایا جائے۔

تشریح ... ایک گھر میں دو شخص ہیں تیسرا اور کوئی نہیں پھر ان میں سے ایک مقتول و مذبوح ملا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ دوسرا اس کی دیت کا ضامن ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک دیت کا ضامن نہ ہوگا۔

امام محمدؒ کی دلیل ... یہ ہے کہ یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے خود اپنے کو قتل کر دیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے نے قتل کر دیا ہو، تو جب شک پیدا ہو گیا تو شک کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل ... یہ ہے کہ ظاہراً انسان اپنے کو قتل نہیں کرتا اور اگر کہیں کوئی خودکشی کرے تو وہ شاذ و نادر ہے جس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس لئے امام محمدؒ کا بیان فرمودہ احتمال توہم ہے اور توہم ساقط و کالعدم ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی محلّہ میں کوئی مقتول ملے تو اہل محلّہ پر دیت واجب ہے حالانکہ یہ احتمال وہاں پر بھی ہے کہ مقتول نے وہاں خودکشی کر لی ہو تو جیسے یہ توہم وہاں معتبر نہ ہوا ایسے ہی یہاں بھی معتبر نہ ہوگا۔

گاؤں کسی عورت کی ملکیت ہو اس میں کوئی مقتول پایا گیا، قسامت اور دیت کس پر ہے، اقوالِ فقہاء

ولو وجد قتيل في قرية لامرأة فعند ابي حنيفة ومحمد القسامة عليها تكرر عليها الايمان والدية على عاقلتها اقرب القبائل اليها في النسب وقال ابو يوسف القسامة على العاقلة ايضا لان القسامة انما تجب على من كان من اهل النصرة والمرأة ليست من اهلها فاشبهت الصبي

ترجمہ ... اور اگر مقتول کسی عورت کے گاؤں میں پایا جائے تو امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک قسامت عورت پر واجب ہے اس پر قسمیں مکرر کی جائیں گی اور دیت عورت کے عاقلہ پر واجب ہے۔ جو نسب کے اعتبار سے اس کی جانب سب سے قریبی قبیلہ ہو، اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قسامت بھی عاقلہ پر ہے اس لئے کہ قسامت اس پر واجب ہوتی ہے جو اہل نصرت میں سے ہو اور عورت اہل نصرت میں سے

نہیں ہے تو عورت بچے کے مشابہ ہوگئی۔

تشریح ماقبل میں گذر چکا ہے کہ عورت اور بچہ اور مجنوں اور غلام اہل قسامت میں سے نہیں ہیں لیکن اگر کوئی عورت پورے گاؤں کی مالک ہو اور تمام لوگ وہاں کے اس کی رعایا ہوں اور اس گاؤں میں مقتول پایا جائے تو اب کیا حکم ہے؟

تو امام ابو یوسف اپنے اسی اصول پر ہیں جو پہلے سب کا مذکور ہو چکا کہ عورت اہل قسامت میں سے نہیں کیونکہ اہل نصرت میں سے نہیں ہے۔اس لئے عورت پر قسامت واجب نہیں بلکہ عورت کے عاقلہ پر قسامت اور دیت واجب ہے۔

اور حضرات طرفینؒ یہاں اپنے سابق اصول سے ہٹ گئے انھوں نے فرمایا ہے کہ قسامت تو صرف عورت پر واجب ہے البتہ دیت عورت کے عاقلہ پر واجب ہے۔

طرفینؒ کی دلیل

ولهما ان القسامة لنفي التهمة وتهمة القتل من المرأة متحققة

ترجمہ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت تہمت کی نفی کی وجہ سے ہوتی ہے اور عورت کی جانب سے قتل کی تہمت متحقق ہے۔

تشریح یہ طرفینؒ کی دلیل ہے کہ قسامت کا مدار نصرت پر نہیں ہے بلکہ قتل کی تہمت کو دور کرنے کے لئے ہے اور چونکہ یہاں یہ عورت اس گاؤں کی مالکہ ہے اس لئے قتل کی تہمت موجود ہے،لہذا قسامت بھی واجب ہوگی۔

قول مشائخ متاخرین

قال المتاخرون ان المرأة تدخل مع العاقلة في التحمل في هذه المسألة لانا انزلناها قاتلة والقاتل يشارك العاقلة

ترجمہ متاخرین نے فرمایا کہ دیت کا تحمل کرنے میں عورت عاقلہ کے ساتھ داخل ہوگی اس مسئلہ میں اس لئے کہ ہم نے اس کو قاتلہ کے درجہ میں اتارا ہے اور قاتل (دیت میں) عاقلہ کا شریک ہوتا ہے۔

تشریح یہاں یہ سوال تھا کہ جب عاقلہ دیت ادا کریگا تو عورت بھی دیت دینے میں ان کی شریک ہوگی یا نہیں تو مشائخ متاخرین نے فرمایا کہ عورت بھی ان میں داخل ہوگی کیونکہ عورت قاتلہ کے درجہ میں ہے اور قاتل عاقلہ کا شریک ہوتا ہے لہذا یہ بھی ہوگی۔

گاؤں کے باہر کسی شخص کی ذاتی زمین میں مقتول پایا گیا لیکن مالک زمین اس گاؤں میں رہنے والوں میں سے نہیں تو دیت کس پر ہے؟

ولو وجد رجل قتيلا في ارض رجل الى جانب قرية ليس صاحب الارض من اهلها قال هو على صاحب الارض لانه احق بنصرة ارضه من اهل القرية.

ترجمہ اور اگر کوئی مرد مقتول پایا گیا کسی شخص کی زمین میں ایسی زمین جو کسی گاؤں کے کنارہ پر ہو کہ زمین والا اس گاؤں کا باشندہ نہ ہو تو

دیت مالک زمین پر ہے اس لئے کہ مالک زمین اپنی زمین کی نصرت کا زیادہ حقدار ہے۔ اہل بستی کے مقابلہ میں۔

تشریح ...... کسی شخص کی زمین ہے اور وہ کسی گاؤں کے کنارے پر ہے لیکن مالک زمین اس گاؤں کا رہنے والا نہیں ہے تو دیت مالک زمین پر ہوگی اس لئے کہ گاؤں والوں کے مقابلہ میں مالک زمین اپنی زمین کی نصرت وحفاظت کا زیادہ حقدار ہے۔ لہذا ضمان اسی پر ہوگا۔ گاؤں والوں پر نہ ہوگا۔

تنبیہ ...... یہاں ''ھو'' سے پہلے ''قال'' مصنف کی عبارت کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے دیگر کتب میں یہاں قال مذکور نہیں ہے اگر یہ نہ ہوتا تو مناسب ہوتا۔

کتاب المعاقل

ترجمہ ...... یہ کتاب اہل معاقل کے بیان میں ہے

تشریح ...... ماقبل میں دیات کا بیان تھا اور اس میں ان لوگوں کا بیان کیا جائے گا جن پر دیت واجب ہوتی ہے یہاں اصل عبارت یوں ہے، کتاب اہل المعاقل، اور اہل معاقل عواقل ہیں مگر عامۃ المصنفین کی یہی عادت ہے کہ وہ اس کو بحذف المضاف بیان کرتے ہیں۔

عقل اور معاقل کے معنیٰ، دیت کو عقل کہنے کی وجہ تسمیہ

المعاقل جمع معقلة و هی الدية و تسمى الدية عقلا لانها تعقل الدماء من ان تسفک ای تمسک

ترجمہ ...... معاقل معقلہ کی جمع ہے اور یہ دیت ہے اور دیت کو عقل اس لئے کہتے ہیں خون کو روک دیتی ہے اس بات سے کہ وہ بہایا جائے (تعقل کے معنی تمسک کے ہیں)۔

تشریح ...... اس عبارت میں مصنف نے یہ بتایا کہ معاقل معقلہ کی جمع ہے اور معقلہ کے معنی دیت کے ہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عقل کے معنی ہیں روکنا چونکہ دیت بھی خون بہانے سے روک دیتی ہے، اس لئے دیت کو عقل کہتے ہیں۔ رہا دیت کا خون بہانے سے روکنا تو یہ ظاہر ہے۔

عاقلہ پر کون کون سی دیت لازم آتی ہے، دیت عاقلہ پر کیوں اور کس دلیل سے لازم آتی ہے؟

قال والدية فی شبه العمد والخطاء و كل دية تجب بنفس القتل على العاقلة والعاقلة الذين يعقلون يعنی يؤدون العقل و هو الدية و قد ذكره فی الديات والاصل فی وجوبها على العاقلة قوله عليه السلام فی حديث حمل بن مالك رضی الله عنه للاولياء قوموا فدوه

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور دیت شبہ عمد اور خطاء میں اور ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے وہ عاقلہ پر ہے، اور عاقلہ وہ لوگ ہیں جو عقل یعنی دیت ادا کرتے ہیں اور ہم اس کو ''کتاب الدیات'' میں ذکر کر چکے ہیں اور اصل عاقلہ پر دیت کے وجوب میں نبی ﷺ کا فرمان ہے حمل بن مالکؓ کی حدیث میں مجرم کے اولیاء سے تم کھڑے ہو جاؤ پس اس کی دیت ادا کرو۔

تشریح ...... ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے یعنی دم عمد سے مصالحت کی وجہ سے نہیں اور پدر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہو یعنی اس قتل کا موجب ہی دیت ہو خواہ قتل شبہ عمد ہو یا قتل خطاء ہو تو ایسی دیت خود قاتل پر واجب نہ ہوگی بلکہ اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور دیات کی تفصیل کتاب الدیات میں گذر چکی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ دیت کا وجوب عاقلہ پر کیوں ہے؟ تو اس کے بارے میں مصنفؒ نے ایک حدیث پیش فرمادی جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قاتل کے اولیاء کو دیت ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حمل بن مالکؓ کی دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کو خیمہ کی لکڑی ماری جس سے اس کا حمل ساقط ہوا اور خود بھی مرگئی اس پر آنحضرت ﷺ نے ضاربہ کے اولیاء کو حکم فرمایا کہ اس کی دیت ادا کرو۔

دلیل عقلی

و لان النفس محترمة لا وجه الی الاهدار والخاطئ معذور و كذا الذی تولی شبه العمد نظرا الی الآلة فلا وجه الی ایجاب العقوبة علیه و فی ایجاب مالٍ عظیمٍ اجحافه و استیصاله فیصیر عقوبة فضم الیه العاقلة تحقیقا للتخفیف و انما خصوا بالضم لانه انما قصر لقوة فیه و تلک بانصاره و هم العاقلة فكانوا هم المقصرین فی تركهم مراقبته فخصوا به

ترجمہ ...... اور اس لئے کہ نفس محترم ہے جس کے اہدار کی کوئی وجہ نہیں ہے اور خاطی معذور ہے اور ایسے ہی وہ شخص جو شبہ عمد کا متولی ہوا آلہ کا لحاظ کرتے ہوئے تو اس پر عقوبت واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور مال کے واجب کرنے میں اس کو پریشانی میں مبتلا کرنا اور اس کو ہلاک کرنا ہے تو یہ (ایجاب مال) عذاب ہوگا تو اسکی جانب عاقلہ کو ملا دیا جائے گا تخفیف کی تحقیق کی غرض سے اور ملانے کے ساتھ عاقلہ مختص ہیں اسلئے کہ قاتل نے کوتاہی کی ہے اپنے اندر قوت کی وجہ سے اور اس کی قوت اس کے مددگاروں کے ذریعہ ہے اور مددگار عاقلہ ہیں تو عاقلہ ہی کوتاہی کرنے والے ہوئے ان کے چھوڑنے میں اس کی نگرانی کو تو ضم کے ساتھ عاقلہ مختص ہوئے۔

تشریح ...... یہ عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی عقلی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتول کا نفس محترم ہے، جس کو ہدر قرار نہیں دیا جاسکتا اور خاطی بھی معذور ہے، خطاً قتل ہوا ہو تب بھی معذور ہے اور شبہ عمد کے اندر بھی معذور ہے، کیونکہ یہاں آلہ کا استعمال تادیب کے لئے تھا وہ اتفاق سے مرگیا بہرحال دونوں صورتوں میں قاتل معذور ہے۔ پھر بھی اگر قاتل کے اوپر عقوبت واجب کردی جائے اور وہ بھی پوری دیت تو قاتل کی بربادی اور ہلاکت یقینی ہے اس لئے تحقیقاً اس کے ساتھ اس کے عاقلہ کو ملا دیا جائے گا تاکہ قاتل بربادی سے بچ جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب تخفیف کی غرض سے ملانے کی ضرورت تھی تو عاقلہ کی تخصیص کیوں؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل کی کوتاہی یہ ہے کہ اس نے تثبت و احتیاط کا دامن چھوڑا ہے اور اس میں آدمی کی قوت کا دخل ہے اور آدمی کی قوت اس کی برادری اور خاندان اور متعلقین سے ہوتی ہے اس وجہ سے تقدیراً عاقلہ کی جانب سے تقصیر پائی گئی کہ انھوں نے اس کی نگرانی کو کیوں چھوڑا ہے اس لئے ضم کے ساتھ عاقلہ ہی خاص کئے گئے ہیں۔

عاقلہ کا مصداق

قال والعاقلة اهل الدیوان ان كان القاتل من أهل الدیوان یؤخذ من عطایا هم فی ثلث سنین و اهل الدیوان اهل الرایات وهم الجیش الذین كتبت اسامیهم فی الدیوان وهذا عندنا وقال الشافعی الدیة علی اهل العشیرة لانه كان كذلک علی عهد رسول الله ﷺ ولا نسخ بعده ولانه صلة والا ولی بها الاقارب

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور عاقلہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو دیت ان کے عطایا سے تین سال میں لی جائے گی

اور اہل دیوان اہل رائیات (جھنڈے والے) ہیں اور یہ وہ لشکر ہے جن کے نام دیوان میں درج ہوں اور یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دیت قبیلہ والوں پر ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی تھا اور آپ ﷺ کے بعد منسوخ نہیں ہوا اور اس لئے کہ دیت تو صلہ ہے۔ اور صلہ کے زیادہ لائق اقارب ہیں۔

تشریح...... دیت عاقلہ پر بربناء نصرت واجب ہوتی ہے۔ اب ضرورت پیش آئی کہ اہل نصرت کون لوگ ہیں اور وہ کون ہیں جن کو عاقلہ کہا جائے گا تو اس میں سے اول نمبر اہل دیوان ہیں، اب سوال ہوگا کہ دیوان کون ہیں تو اس کو واضح کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ فوج میں بھرتی ہوتے ہیں تو ان کا نام سرکاری کاغذات ورجسٹروں میں درج ہوتا ہے۔ پھر انکی مختلف کمپنیاں ہوتی ہیں اور مختلف جماعتیں ہوتی ہیں اور الگ رجسٹروں میں ان کے نام درج ہوتے ہیں۔ یعنی ہر کمپنی کا رجسٹر الگ الگ ہوتا ہے۔ تو جو لوگ ایک کمپنی کے افراد ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے عاقلہ ہیں کیونکہ اگر ان میں سے کسی کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو وہ اپنے رفقاء سے مدد طلب کرے گا لہٰذا اگر ان میں سے کسی سے ایسا فعل صادر ہو جائے جس سے دیت واجب ہو تو وہ انہی اہل دیوان پر واجب ہوگی اور دیوان بمعنی رجسٹر ہے۔ یعنی اس کی کمپنی کے لوگوں پر اور اہل دیوان پر دیت واجب ہونا ہمارا مسلک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اہل دیوان پر دیت واجب نہ ہوگی بلکہ دیت کا وجوب خاندان کے لوگوں پر ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل...... اول تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دیت صرف خاندان وقبیلہ پر ہی واجب ہوتی تھی اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو آپ ﷺ کے بعد حکم منسوخ بھی نہیں ہوسکتا۔

دوسری دلیل...... ان کی یہ ہے کہ دیت تو ایک صلہ ہے اور صلات کے حقدار اقارب ہی ہوا کرتے ہیں لہٰذا دیت اقارب پر واجب ہوگی۔

دلیل احناف

ولنا قضية عمر رضی الله عنه فانه لما دون الدواوين جعل العقل على اهل الديوان وكان ذلك بمحضر من الصحابة من غير نكير منهم وليس ذلك بنسخ بل هو تقرير معنى لان العقل كان على اهل النصرة وقد كانت بانواع بالقرابة والحلف والولاء والعد وفى عهد عمر رضی الله عنه قد صارت بالديوان فجعلها على اهله اتباعا للمعنى

ترجمہ...... اور ہماری دلیل عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ جب انہوں نے رجسٹر مدون کئے تو اہل دیوان پر دیت کو مقرر کیا اور یہ صحابہؓ کی موجودگی میں بغیر نکیر کے ہوا اور یہ نسخ نہیں ہے بلکہ معنی یہ تقریر (اثبات) ہے اس لئے کہ دیت اہل نصرت پر ہوتی ہے اور نصرت کی مختلف انواع ہیں۔ (۱)...... قرابت کی وجہ سے۔ (۲)...... اور معاہدوں کی وجہ سے۔ (۳)...... اور ولاء کی وجہ سے۔ (۴)...... اور شمار کرنے کی وجہ سے اور عمرؓ کے دور میں نصرت دیوان کی وجہ سے ہوگئی تھی تو آپ نے دیت کو اہل دیوان پر کر دیا معنی کا اتباع کرتے ہوئے۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل دیوان پر وجوب دیت میں صحابہؓ کا اجماع ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب رجسٹروں کو مدون کیا تو اہل دیوان پر دیت مقرر فرمادی اور آپ نے یہ کام صحابہؓ کی موجودگی میں کیا جس پر کسی نے کوئی

نکیر نہیں فرمائی۔

اور امام شافعیؒ کا اس کو نسخ کہنا غیر مناسب ہے بلکہ یہ حکم اصلی کا اثبات و تقریر ہے اس لئے کہ دیت کا وجوب اہل نصرت پر ہے اور نصرت کی چند قسمیں ہیں۔

۱- قرابت کی وجہ سے بھی نصرت ہوتی ہے۔

۲- حلیف کی وجہ سے یعنی آپس میں نصرت پر معاہدہ ہو جائے جس کو ولاء الموالات کہتے ہیں۔

۳- اور کبھی نصرت دار عتاقہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۴- اور کبھی نصرت اس بناء پر ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی قوم میں رہنے کی وجہ سے انہی میں سے شمار ہونے لگے جیسے ابلیس لعین باب عبادت میں فرشتوں کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے انہی میں سے شمار ہوتا تھا۔ اگر چہ وہ ان کی جنس میں سے نہیں ہے۔ بہر حال نصرت کی یہ مختلف انواع تھیں اور عمرؓ کے دور میں نصرت دیوان کی وجہ سے ہوگئی اور یہ نصرت باہل الدیوان ان سے پہلے نہ تھی تو معنی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اہل دیوان پر دیت واجب کردی تو یہ نسخ نہیں ہے بلکہ حکم اصلی کے معنی کا لحاظ ہے۔

نصرت وتعاون کی صورتیں

ولهذا قالوا لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم اهل الحرفة وان كان بالحلف فاهله والدية صلة كما قال لكن ايجابها فيما هو صلة وهو العطأ اولى منه فى اصول اموالهم والتقدير بثلث سنين مروى عن النبى عليه السلام ومحكى عن عمر رضى الله عنه ولان الاخذ من العطاء للتخفيف والعطاء يحرج فى كل سنة مرة واحدة

ترجمہ ...... اور اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ اگر آج ایسی قوم ہو کہ انکا تناصر پیشوں کی وجہ سے ہو تو ان کے عاقلہ ان کے ہم پیشہ لوگ ہوں گے اور اور اگر تناصر حلیف کی وجہ سے ہو تو اہل حلیف (عاقلہ) ہوں گے اور دیت صلہ ہے جیسے شافعیؒ نے فرمایا ہے لیکن دیت کو ایسے مال میں واجب کرنا جو صلہ ہے اور وہ عطاء ہے اولی ہے دیت کو واجب کرنے سے ان کے اصل اموال کے اندر اور تین سالوں کی تقدیر نبی علیہ السلام سے مروی ہے اور عمرؓ سے منقول ہے اور اس لئے کہ عطاء سے لینا تخفیف کی وجہ سے ہے اور عطاء ایک سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے۔

تشریح ...... اور نصرت وتعاون کی یہی چار صورتیں نہیں اور بھی ہو سکتی ہیں لہذا اگر آج کل کسی قوم کے درمیان باہمی تعاون پیشہ کی بنیاد پر ہو تو اس کے ہم پیشہ لوگ اس کے عاقلہ ہوں گے اور اگر نصرت باہمی کا مدار ولاء موالات ہو تو مولی الموالات ہی اس کا عاقلہ ہوگا۔

اور شافعیؒ نے جو فرمایا کہ دیت صلہ ہے یہ بجا ہے لہذا صلہ کو صلہ میں واجب کرنا اولی ہوگا اس لئے ہم نے دیت کو اصل اموال میں واجب کرنے کے بجائے صلات میں واجب کیا اور جو عطیات سرکار سے سالانہ دئے جاتے ہیں ان کی اور اہل عیال کی روزمرہ کی حاجات کے علاوہ یہ بھی صلات میں داخل ہیں لہذا اسی عطایا میں دیت واجب کردی گئی رہی یہ بات کہ دیت کی ادائیگی تین سالوں میں کیوں ہوگی؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے اور چونکہ یہ سرکاری انعامات ایک سال میں ایک ہی مرتبہ دئے جاتے ہیں اور عطایا میں سے دیت لینا تخفیف کی غرض سے ہے لہٰذا تخفیف کا تقاضہ ہوا کہ قسط وار تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی۔

دیت کی ادائیگی کا طریقہ اور کتنے دنوں میں دیت ادا کی جائے گی

فان خرجت العطايا في اكثر من ثلثة او اقل اخذ منها لحصول المقصود وتاويله اذا كانت العطايا للسنين المستقبلة بعد القضاء حتى لو اجتمعت في السنين الماضية قبل القضاء ثم خرجت بعد القضاء لا يؤخذ منها لان الوجوب بالقضاء على ما نبين ان شاء الله تعالى

ترجمہ ...... پس اگر (تین) عطایا تین سالوں سے زیادہ میں نکلے یا کم میں تو دیت اسی سے لی جائے گی مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے اور قدوری کے قول کی تاویل جب کہ عطایا آئندہ سالوں کی ہوں قاضی کے فیصلہ کے بعد یہاں تک کہ اگر گذشتہ سالوں کی عطایا جمع ہو جائیں حکم قاضی سے پہلے پھر حکم قاضی کے بعد عطایا نکلیں تو ان عطایا میں سے دیت نہیں لی جائے گی اس لئے کہ وجوب قضاء کی وجہ سے ہے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کریں گے۔

تشریح ...... عموماً ایسا ہوتا تھا کہ ماہانہ رزق ومشاہرہ کے علاوہ فوج کو جو سالانہ انعام دیا جاتا تھا وہ ایک سال میں ایک مرتبہ دیا جاتا تھا لہٰذا اس میں سے ہر سال کے عطایا میں سے دیت کا ثلث وصول کرلیا جاتا تاکہ تین سالوں میں پوری دیت ادا ہو جائے۔

لیکن اگر وہ عطیات بجائے تین سالوں کے چھ سالوں میں ہوں تو پھر چھ سالوں میں دیت وصول کی جائے گی یعنی سالانہ سدس ($\frac{1}{6}$) وصول کی جائیگی اور اگر اتفاق سے تین سالوں کے عطایا ایک ہی سال میں دیدیۓ جائیں تو پوری دیت انہی ایک سال کے عطایا سے وصول کرلی جائے گی، کیونکہ مقصود تو یہ تھا کہ جو دیت وصول ہو وہ ان کے عطایا سے وصول ہو اور یہاں ایسا ہی ہے۔

لیکن یہ عطایا جواب ملے ہیں ان میں دو باتیں ملحوظ رہیں گی۔

١- ان میں دیت جب واجب ہوگی کہ جب قاضی نے اہل دیوان پر وجوب دیت کا فیصلہ کردیا تو حکم قاضی کے بعد یہ عطایا مجاہدین کو ملے ہوں۔

٢- یہ عطایا آئندہ سالوں کے لئے پیشگی دیدیۓ گئے ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ عاقلہ میں کلام ہے تو ان کا تعین قضاءِ قاضی کے ذریعہ ہوگا۔

لہٰذا اگر گذشتہ سالوں کے عطیات رکے ہوئے تھے اور بعد قضاء عطایا دئے گئے ہوں تو ان عطایا میں سے دیت نہیں لی جائے گی کیونکہ شرط ثانی مستر د ہے۔

اگر کسی کو حکومت کی طرف سے عطایا تین سالوں میں ملیں یا اس سے کم میں یا اس سے زیادہ میں تو کیا حکم ہے؟

ولو خرج للقاتل ثلث عطايا في سنة واحدة معناه في المستقبل يؤخذ منها كل الدية لما ذكرنا واذا كان جميع الدية في ثلث سنين فكل ثلث منها في سنة وان كان الواجب بالفعل ثلث دية النفس او اقل كان في سنة واحدة وما زاد على الثلث الى تمام الثلثين في السنة الثانية وما زاد على ذلك الى تمام الدية في السنة الثالثة

ترجمہ ...... اور اگر قاتل کے لئے ایک سال میں تین عطایا نکلیں اس کے معنی ہیں (بعد قضاءِ قاضی) آئندہ زمانہ کے لئے تو دلیل مذکور کی وجہ سے اس میں سے پوری دیت لے لی جائے گی اور جب کہ پوری دیت تین سالوں میں ہوتو دیت کا ہر ثلث ایک سال میں ہوگا اور اگر واجب بالفعل نفس کی دیت کا ثلث ہو یا اس سے کم تو وہ ایک سال میں ہوگا اور جو مقدار ایک ثلث سے زیادہ ہو دو ثلث کے مکمل ہونے تک وہ دوسرے سال میں اور جو دو ثلث سے زیادہ ہو پوری دیت تک وہ تیسرے سال میں۔

تشریح ...... یہاں قاتل سے صرف قاتل ہی مراد نہیں بلکہ عاقلہ مع القاتل مراد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تین سالوں کے علاوہ اہل دیوان کو پیشگی دیدئے گئے ہوں تو اب تین سالوں کی تاخیر نہیں کی جائے گی بلکہ اس میں سے فی الفور پوری دیت وصول کر لی جائے گی۔

بشرطیکہ یہ عطایا آئندہ سالوں کے ہوں اور ان کا ملنا بعد قضاءِ قاضی ہوا ہو جس کی دلیل ماقبل میں مذکور ہو چکی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جہاں نفس کو خطاءً قتل کیا گیا ہو تو وہاں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور ہر سال میں ایک ثلث دیت وصول کی جائے گی لیکن اگر دیت واجب نہ ہو بلکہ ارش واجب ہو جس کا تعلق مادون النفس سے ہوتا ہے اور اس ارش کی مقدار دیت کا ثلث یا ثلثان یا اس سے کم وبیش ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں ایک سال میں کتنا وصول ہوگا تو فرمایا کہ اگر ارش کی مقدار دیت کا ثلث یا اس سے کم ہو تو اس کل کو ایک ہی سال میں وصول کیا جائے گا۔

اور اگر ثلث سے زیادہ ہو بشرطیکہ ثلثان سے نہ بڑھے تو ثلث اس سال میں اور باقی کو دوسرے سال میں وصول کیا جائے گا۔

اور اگر اس کی مقدار دو ثلث سے بھی بڑھ جائے تو پہلے سال میں ایک ثلث اور دوسرے سال میں دوسرا ثلث اور جو باقی مقدار ہے اس کو تیسرے سال میں وصول کیا جائیگا۔

کوئی باپ اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دے تو اس کی دیت کس طرح ہے اور کتنے دنوں میں وصول کی جائے گی

وما وجب على العاقلة من الدية او على القاتل بان قتل الاب ابنه عمدا فهو في ماله في ثلث سنين وقال الشافعي ما وجب على القاتل في ماله فهو حال لان التاجيل للتخفيف لتحمل العاقلة فلا يلحق به العمد المحض

ترجمہ ...... اور جو دیت کہ عاقلہ پر واجب ہے یا قاتل پر اس طریقے پر کہ باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کیا ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہو گی تین سالوں میں اور امام شافعیؒ نے فرمایا جو دیت قاتل کے مال میں ہو وہ نقد ہوگی اس لئے کہ تاجیل تخفیف کی وجہ سے ہے عاقلہ کے تحمل کرنے

کی وجہ سے تو عمدِ محض کو اسکے ساتھ لاحق نہیں کیا جائیگا۔

تشریح...... امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ دیت خواہ عاقلہ پر واجب ہو یا قاتل کے مال میں واجب ہو جیسے باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا تو باپ پر دیت واجب ہے، بہر حال ہمارے نزدیک جو بھی دیت ہو اس میں تاجیل ہے جو قسط وار تین سالوں میں ادا کی جائے گی، امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ جو دیت عاقلہ پر ہو وہ تو تین سالوں میں ادا کی جائے گی لیکن جو قتل عمد کی صورت میں کسی عارض کی وجہ سے دیت قاتل کے مال میں واجب ہوتی ہے اس میں تاجیل نہ ہوگی بلکہ وہ فی الحال واجب الاداء ہوگی کیونکہ عاقلہ بذات خود مجرم نہیں ہے تو اس پر تخفیف کی غرض دیت کی ادائے گی میں تاجیل مشروع ہوئی ہے تو قتل عمد محض کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

احناف کی دلیل

ولنا ان القياس يأباه والشرع ورد به مؤجلا فلا يتعداه

ترجمہ...... اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قیاس وجوب مال کا انکار کرتا ہے اور شریعت ایجاب مال کے ساتھ مالِ مؤجل کے ساتھ وارد ہوئی ہے تو ایجابِ مال تاجیل سے متعدی نہ ہوگا۔

تشریح...... یہ ہماری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ نفس کے بدلہ میں مال واجب نہ ہوگا لیکن خلافِ قیاس نفس سے ایجاب مال ثابت ہوا ہے جس کو دیت کہتے ہیں اور جو چیز خلافِ قیاس ہوتی ہے اس کو موردِ سماع سے ہٹانا جائز نہیں ہوتا اور شریعت میں جہاں بھی بطور دیت ایجابِ مال مشروع ہوا ہے وہ مؤجل ہے اس کو بھی مؤجل ہی کہنا پڑے گا۔

اگر دس آدمیوں نے غلطی سے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہر ایک پر کتنی دیت ہوگی

ولو قتل عشرة رجلا خطأ فعلى كل واحد عشر الدية فى ثلث سنين اعتباراً للجزء بالكل اذهو بدل النفس وانما يعتبر مدة ثلث سنين من وقت القضاء بالدية لان الواجب الاصلى المثل والتحول الى القيمة بالقضاء فيعتبر ابتداؤها من وقته كمافى ولد المغرور

ترجمہ...... اور اگر دس شخصوں نے ایک شخص کو خطاءً قتل کر دیا ہو تو ہر ایک کے اوپر دیت کا عشر ہے تین سالوں کے اندر جزء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے اس لئے کہ یہ نفس کا بدل ہے اور تین سالوں کی مدت دیت کے فیصلہ کے وقت سے معتبر ہوگی اس لئے کہ واجب اصلی مثل ہے اور قیمت کی جانب تحول قضاء کی جانب ہے تو دیت کی ابتدا قضاء کے وقت سے معتبر ہوگی جیسے مغرور کے بچہ میں۔

تشریح...... اگر دس آدمیوں نے خطاءً کسی ایک کو قتل کیا ہو تو ہر ایک پر دیت کا عشر واجب ہوگا جو ان سے تین سالوں میں وصول کیا جائے گا کیونکہ اگر وجوب ایک پر ہوتا تو ایسے ہی ہوتا لہٰذا اگر وجوب زیادہ پر ہوا ہے تب بھی ایسا ہی ہوگیا اور اس کی ادائے گی تین ہی سال میں کی جائے گی، کیونکہ یہ بہر حال نفس کا بدل اور عوض ہے اور اس کا مؤجل ہو کر مشروع ہونا ابھی معلوم ہو چکا ہے۔

پھر قاضی کے فیصلہ دیت کے بعد جو تین سال آئیں گے ان میں دیت کو وصول کیا جائیگا کیونکہ اصل واجب تو مثل ہوتا ہے کیونکہ متلفات کا ضمان مثل سے ہوا کرتا ہے اور قیمت کی جانب تحول قضاء کی وجہ سے ہے تو دیت کی ابتدا قضاء کے وقت سے ہوگی جیسے ولد

المغرور میں یعنی مثلاً کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کیا اور اس مرد کو اس نے بتایا تھا کہ میں آزاد ہوں لہذا کچھ بچے ہوئے اور کسی نے دعویٰ کر دیا کہ یہ عورت میری باندی ہے تو وہ باندی مستحق کو واپس دی جائے گی اور اس کے بچے آزاد ہوں گے لیکن ان کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اور قیمت قضاء کے دن کی معتبر ہوگی اس طرح یہاں بھی مدت کا آغاز قضاء کے وقت سے ہوگا۔

اور اس کو مغرور اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کو اس عورت نے دھوکہ دیا ہے۔

جس کے اہل دیوان نہ ہوں اس کے عاقلہ قبیلہ ہے

قال ومن يكن من اهل الديوان فعاقلته قبيلته لان نصرته بهم وهي المعتبرة في التعاقل

ترجمہ قدوری نے فرمایا اور جو اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے اس لئے کہ اس کی نصرت انہیں کی وجہ سے ہے اور عاقلہ ہونے میں نصرت ہی معتبر ہے۔

تشریح اگر کوئی اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کا قبیلہ اور اس کا خاندان ہوگا اس لئے کہ اس کے مددگار اس کا خاندان ہوتا ہے اور نصرت ہی کی بنیاد پر عاقلہ ہونے کا مدار ہے۔

دیت کا طریقہ

قال وتقسم عليهم في ثلث سنين لا يزاد الواحد على اربعة دراهم في كل سنة وينقص منها قال رضي الله عنه كذا ذكره القدوري في مختصره وهذا اشارة الى انه يزاد على اربعة من جميع الدية وقد نص محمد على انه لا يزاد على كل واحد من جميع الدية في ثلث سنين على ثلثة او اربعة فلا يؤخذ من كل واحد في كل سنة الادرهما او درهما وثلث درهم وهو الاصح

ترجمہ قدوری نے فرمایا اور دیت کو قبیلہ پر تین سالوں میں تقسیم کر دیا جائیگا ہر سال میں ایک سے چار درہموں سے زیادہ نہیں لیا جائے گا اور اس سے کم کیا جا سکتا ہے، مصنف نے فرمایا کہ قدوری نے اپنی مختصر میں یونہی ذکر کیا ہے اور یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ پوری دیت میں چار سے بڑھایا جا سکتا ہے حالانکہ امام محمدؒ نے صراحت کی ہے کہ ایک پر پوری دیت میں تین سالوں کے اندر تین یا چار درہموں پر بڑھایا نہیں جائے گا تو ہر سال میں ہر ایک سے صرف ایک درہم یا ایک درہم اور ایک درہم کا ($\frac{1}{3}$) لیا جائے گا اور یہی اصح ہے۔

تشریح جب قبیلہ والوں پر دیت کو تقسیم کیا جائے تو اس میں یہ خیال رہے گا کہ پوری دیت ان سے تین سال میں قسط وار وصول ہوگی اور سالانہ ہر ایک سے صرف ایک درہم لیا جائے تاکہ مجموعہ تین ہو جائے یا ہر ایک سے ایک درہم اور درہم کا تہائی لیا جائے تاکہ مجموعہ چار دراہم ہو جائے کیونکہ کسی سے چار سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اگر چہ کم کر دینے کی گنجائش ہے لیکن زیادتی کی نہیں ہے۔

امام قدوری کا کلام سامنے ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین سال میں ہر ایک سے چار درہموں سے زیادہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ کسی سے سالانہ چار سے زیادہ نہیں لئے جا سکتے البتہ چار سے کم کئے جا سکتے ہیں اور یہ امام محمدؒ کی تصریح کے خلاف ہے اور اصح وہی ہے جو امام محمدؒ نے فرمایا ہے۔

عاقلہ کا قبیلہ ادائیگی دیت کے لئے نا کافی ہو تو دوسرا قبیلہ جو نسباً قریب ہو اسے دیت میں شامل کیا جائے گا

قال وان لم يكن تتسع القبيلة لذلك ضم اليهم اقرب القبائل معناه نسبا كل ذلك لمعنى التخفيف ويضم الاقرب فالاقرب على ترتيب العصبات الاخوة ثم بنوهم ثم الاعمام ثم بنوهم

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا اور اگر قبیلہ اس کے لئے وسیع نہ ہو تو باعتبار نسب اقرب القبائل کو ان کی طرف ملا دیا جائے یہ تمام باتیں تخفیف کی وجہ سے ہیں اور اقرب فالاقرب کو ملایا جائے عصبات کی ترتیب کے مطابق بھائیوں کو پھر بھتیجوں کو پھر چچاؤں کو پھر ان کے بیٹوں کو۔

تشریح..... جس قبیلہ کو اس کا عاقلہ شمار کیا گیا تھا وہ ادا ء دیت کے لئے نا کافی ہے، تو دوسرا وہ قبیلہ ان کی طرف ملا دیا جائے گا جو نسب کے اعتبار سے ان کے قریب ہو اس لئے کہ عاقلہ پر دیت کا وجوب تخفیف کی غرض سے ہے اور تخفیف اس میں ہے جو ہم نے بتایا کہ ایک شخص پر پوری دیت کے اندر چار دراہم سے زیادہ نہ ہونے پائیں لہذا الاقرب فالاقرب کے لحاظ سے قبائل کو ملا دیا جائے گا اور الاقرب فالاقرب کی وہی ترتیب ہے جو عصبات کی ترتیب ہے یعنی اولاً قاتل کے بھائیوں کو ملایا جائے گا پھر بھائیوں کے بیٹوں کو پھر چچاؤں کو پھر چچازاد بھائیوں کو۔ (وقدبيّناترتيب العصبات مفصلاً في درس السراجي)۔

عاقلہ میں قاتل کے آباء اور اس کے بیٹے بھی داخل ہیں یا نہیں؟

واما الاباء والابناء فقيل يدخلون لقربهم وقيل لا يدخلون لان الضم لنفي الحرج حتى لا يصيب كل واحد اكثر من ثلثة او اربعة وهذا المعنى انما يتحقق عند الكثرة والاباء والابناء لا يكثرون

ترجمہ..... اور بہر حال آباء اور ابناء پس کہا گیا ہے کہ وہ عاقلہ میں داخل ہوں گے ان کے قرب کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ داخل نہ ہوں گے اس لئے کہ ضم حرج کو دور کرنے کے لئے ہے تا کہ ہر ایک کو تین یا چار سے زیادہ نہ پہنچے اور یہ معنی کثرت کے وقت متحقق ہوتے ہیں اور آباء اور ابناء کثیر نہیں ہوتے۔

تشریح..... یہاں یہ سوال ہے کہ عاقلہ کی فہرست میں قاتل کے آباء اور اس کے بیٹے بھی داخل ہیں یا نہیں تو یہاں دو قول ہیں

١- جب عاقلہ ہونے کی بنیاد نصرت و قربت ہے تو آباء بدرجہ اولی داخل ہوں گے۔

٢- قاتل کے ساتھ دوسروں کو ملانے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے تا کہ قاتل پر تخفیف ہو اور عاقلہ پر بھی تخفیف ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کسی سے تین یا چار دراہم سے زیادہ نہ لئے جائیں۔

اور حرج کو دور کرنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان میں تکثر ہو جن کو ملایا جا رہا ہے اور آباء اور ابناء عادۃً اتنے نہیں ہوتے کہ ان میں کثرت ہو اور وہ اداء دیت کے لئے کافی ہو جائیں۔

اسی طرح ایک کمپنی ادائیگی دیت کے لئے ناکافی ہوتو دوسری کمپنی جو نصرت و مدد کے لحاظ سے قریب ہو اسے شامل کیا جائے گا

وعلی هذا حكم الرايات اذا لم يتسع لذلك اهل راية ضم اليهم اقرب الرايات يعني اقربهم نصرة اذا حزبهم امر الاقرب فالاقرب ويفوض ذلك الى الامام لانه هو العالم به ثم هذا كله عندنا

ترجمہ ...... اور اسی طریقہ پر رایات کا حکم ہے جب کہ اس کے لئے ایک جھنڈے والے ناکافی ہوں تو ان کی اقرب الرایات کو ملا دیا جائے گا یعنی ان میں سب سے زیادہ قریب ہوں نصرت کے اعتبار سے جب کہ ان کو کوئی امر پیش آ جائے الاقرب فالاقرب کے لحاظ سے اور اس کو امام کے سپرد کر دیا جائے اس لئے کہ اس بات کو وہی جانتا ہے۔ پھر یہ ساری تفصیل ہمارے نزدیک ہیں۔

تشریح ...... اگر یہی صورت لشکر کی کمپنیوں میں ہوگئی ہوتو ایک کمپنی یا ایک رجسٹر میں جن کا نام درج ہے وہ اداءِ دیت کے لئے ناکافی ہیں تو انکی طرف اس دوسری کمپنی کو ملا دیا جائے گا جو ان کے نصرت و مدد کے لحاظ سے قریب ہو اور یہی الاقرب فالاقرب کی رعایت کرتے ہوئے آگے بھی ملایا جاسکتا ہے اور چونکہ ان امور سے امام واقف ہے اس لئے اس کو امام کے حوالہ کر دیا جائے گا بہر حال تفصیلاتِ مذکورہ حنفیہؒ کے مسلک کے مطابق ہیں امام شافعیؒ کا مذہب اگلی عبارت میں بیان فرما رہے ہیں۔

امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر اور ان کی دلیل اور احناف کی جانب سے ان کی دلیل کا جواب

وعند الشافعي يجب على كل واحد نصف دينار فيسوى بين الكل لانه صلة فيعتبر بالزكوٰة وادناها ذلك اذ خمسة دراهم عندهم نصف دينار ولكنا نقول هي احط رتبة منها الا ترى انه لا تؤخذ من اصل المال فينتقص منها تحقيقا لزيادة التخفيف

ترجمہ ...... اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ایک کے اوپر آدھا دینار واجب ہے پس تمام کے درمیان برابری کی جائے گی اس لئے کہ یہ صلہ ہے تو اس کو زکوٰۃ پر قیاس کیا جائے گا اور زکوٰۃ کی ادنیٰ مقدار نصف دینار ہے اس لئے کہ صحابہؓ کے نزدیک پانچ دراہم آدھا دینار ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ دیت رتبہ کے اعتبار سے زکوٰۃ سے کم ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دیت اصل مال سے نہیں لی جاتی پس دیت زکوٰۃ سے کم ہو گی تخفیف کی زیادتی کو ثابت کرنے کے لئے۔

تشریح ...... امام شافعیؒ کے نزدیک کم سے کم مقدار پانچ دراہم یا آدھا دینار عاقلہ میں سے ہر ایک پر واجب کیا جائے گا اور اس میں عاقلہ کے تمام افراد مساوی ہوں گے خواہ باپ ہو یا بیٹا یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔

اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جیسے زکوٰۃ ایک صلہ ہے یعنی بغیر کسی عوض کے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح دیت بھی ایک صلہ ہے لہذا دیت کو زکوٰۃ پر قیاس کیا جائے گا۔

اور زکوٰۃ کا اقل نصاب دو سو دراہم ہے جس میں زکوٰۃ کے پانچ دراہم واجب ہونگے۔

تو اسی طرح دیت میں بھی کم سے کم ہر ایک پر پانچ دراہم واجب ہوں گے یا نصف دینار واجب ہوگا۔ کیونکہ نصف دینار پانچ دراہم کی قیمت صحابہؓ کے دور میں برابر تھی۔

ہماری دلیل...... یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مرتبہ دیت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ زکوٰۃ اصل مال میں واجب ہوتی ہے اور دیت اصل مال میں واجب نہیں ہوتی بلکہ صلات میں واجب ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ دیت کا درجہ زکوٰۃ سے گھٹا ہوا ہے۔

تو اس کی مقدار کو زکوٰۃ سے کم کرنا ہوگا تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس کا مرتبہ زکوٰۃ سے کم ہے اور اس میں زکوٰۃ سے زیادہ تخفیف ہے لہٰذا ہم نے پانچ سے گھٹا کر تین یا چار دراہم کا قول اختیار کیا ہے۔

اگر قاتل اہلِ عطاء کی بجائے اصحاب الارزاق میں سے ہو تو دیت اہل الارزاق پر ہوگی

ولو كانت عاقلة الرجل اصحاب الرزق يقضى بالدية في ارزاقهم في ثلاث سنين في كل سنة الثلث لان الرزق في حقهم بمنزلة العطاء قائم مقامهٗ اذ كل منهما صلة من بيت المال ثم ينظر ان كانت ارزاقهم تخرج في كل سنة فكما يخرج رزق يؤخذ منه الثلث بمنزلة العطاء وان كان يخرج في كل ستة اشهر وخرج بعد القضا يؤخذ منه سدس الدية وان كان يخرج في كل شهر يؤخذ من كل رزق بحصته من الشهر حتى يكون المستوفىٰ في كل سنة مقدار الثلث وان خرج بعد القضاء بيوم او اكثر اخذ من رزق ذلك الشهر بحصة الشهر

ترجمہ...... اور اگر مرد کے اصحابِ رزق ہوں تو ان کے ارزاق میں دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا تین سالوں میں ہر سال میں ایک ثلث اس لئے کہ ان کے حق میں رزق عطاء کے درجہ میں ہے عطاء کے قائم مقام ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک بیت المال کی طرف سے صلہ ہے پھر دیکھا جائے اگر ان کے ارزاق سالانہ نکلتے ہوں تو جونہی نکلے اس میں سے ثلث لیا جائے گا عطاء کے درجہ میں اور اگر رزق ششماہی نکلتا ہو اور قضاءِ قاضی کے بعد نکلے تو اس میں سے دیت کا سدس لیا جائے گا اور اگر ماہانہ نکلے تو ہر رزق میں سے مہینہ کے حصہ کے بقدر لیا جائے گا یہاں تک کہ پورے سال متوفی کی مقدار ثلث ہو جائے اور اگر رزق قضاء کے بعد ایک دن یا اس سے زیادہ میں نکلے تو اس مہینہ کے رزق میں سے مہینہ کا حصہ لیا جائے گا۔

تشریح...... عطیہ تو وہ ہے جو اہل دیوان کو سالانہ انعام ملتا ہے اور رزق کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں،

۱- جو فقراء کو ان کے فقر کی وجہ سے بیت المال سے وظیفہ ملتا ہے وہ رزق کہلاتا ہے۔

۲- فوجیوں کو ماہانہ ضروریات کے لئے جو تنخواہ ملتی ہے اس کو رزق کہا جاتا ہے وفیہ اقوالٌ۔

خیر مصنفؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر قاتل اہل عطاء میں سے نہ ہو بلکہ اصحاب الارزاق میں سے ہو تو رزق عطیہ کا قائم مقام ہے، لہٰذا اب دیت کا فیصلہ ارزاق میں کر دیا جائے گا جو تین سال میں وصول کی جائے گی اور سالانہ ثلث وصول کیا جائے گا۔

پھر اگر رزق بیت المال سے سالانہ ملتا ہو تو یہ حساب ہے اور اگر ہر چھ ماہ بعد ملتا ہو تو جب بھی ملے گا اس میں سے سدس لیا جائے گا تا کہ ایک سال میں ثلث ہو جائے اور اگر رزق ماہانہ ملتا ہو تو ہر ماہ میں ($\frac{1}{36}$) لیا جائے گا تا کہ ایک سال میں ثلث ہو جائے اور باقی عبارت سہل ہے۔

اگر قاتل کے عاقلہ کو بیت المال سے ماہانہ رزق اور سالانہ عطایا ملتے ہوں تو دیت کس میں ہوگی؟

وان كانت لهم ارزاق في كل شهر واعطية في كل سنة فرضت الدية في الاعطية دون الارزاق لانه ايسر اما لان الاعطية اكثر او لان الرزق لكفاية الوقت فيتعسر الاداء منه والعطيات ليكونوا في الديوان قائمين بالنصرة فيتيسر عليهم.

ترجمہ...... اور اگر ان کے لئے ماہانہ ارزاق ہوں اور سالانہ عطیات ہوں تو دیت عطیات میں فرض کی جائے گی نہ کہ ارزاق میں اس لئے کہ یہ آسان ہے یا تو اس لئے کہ عطیات زیادہ ہیں یا اس لئے کہ رزق وقت کی کفایت کے لئے ہے تو اس میں سے ادائیگی مشکل ہے اور عطیات اس لئے ہیں کہ وہ دیوان میں نصرت پر قائم رہیں تو ان پر ادائیگی آسان ہوگی۔

تشریح...... اور اگر قاتل کے عاقلہ ایسے ہوں کہ ان کو بیت المال سے ماہانہ رزق بھی ملتا ہے اور سالانہ عطایا بھی ہوتی ہیں تو دیت عطایا میں سے وصول کی جائے گی اس لئے کہ ان کو اسی میں سہولت ہے کیونکہ عطایا زیادہ ہوتی ہیں تو ان میں سے دیت دینا آسان ہوگا، نیز رزق بقدر کفایت ملتا ہے تو اس میں سے دیت دینا بھاری پڑیگا۔

اور عطایا اس لئے ہوتی ہیں کہ یہ مستقل فوج ہے ان کو اس لئے رکھا گیا ہے کہ بوقت ضرورت نصرت کا کام انجام دیں تو یہ مال ان کی روزمرہ کی حاجات سے زیادہ ہے تو اس میں سے ادائیگی آسان ہے۔

قاتل بھی عاقلہ میں داخل ہے یا نہیں...... اقوال فقہاء دلائل

قال وادخل القاتل مع العاقلة فيكون فيما يؤدى كاحدهم لانه هو الفاعل فلا معنى لاخراجه ومؤاخذة غيره وقال الشافعي لا يجب على القاتل شئي من الدية اعتبارا للجزء بالكل في النفي عنه والجامع كونه معذورًا قلنا ايجاب الكل احجاف به ولا كذلك ايجاب الجزء ولو كان الخاطئي معذورا فالبرئي عنه اولى قال الله تعالى ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا اور عاقلہ کے ساتھ قاتل کو داخل کیا جائے گا تو قاتل اس دیت میں جس کو ادا کیا جائے گا عاقلہ میں سے ایک کے مثل ہو جائے گا اس لئے قاتل فاعل ہے تو اس کے اخراج کے اور اس کے غیر کو ماخوذ کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور شافعیؒ نے فرمایا کہ قاتل پر دیت میں سے کچھ واجب نہ ہوگا جزء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے قاتل سے کل کی نفی کے سلسلہ میں اور جامع قاتل کا معذور ہونا ہے تو ہم کہیں گے کہ کل دیت کو واجب کر دینا اس کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے اور جزء کا واجب کرنا ایسا نہیں ہے اور اگر خاطی معذور ہے تو قتل سے بری بدرجہ اولی (معذور ہے) ارشاد باری ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

تشریح...... جہاں عاقلہ پر دیت واجب ہوگی وہاں عاقلہ کا ایک فرد جن کو خود قاتل بھی ہے دیت ادا کرنے میں شریک ہوگا یا نہیں تو یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک شریک نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک شریک ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ قاتل پر جب پوری دیت واجب نہیں کی گئی تو اس کا جزء بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ اصول مسلم ہے، الجزء لا یخالف الکل، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قاتل سے پوری دیت کی نفی کی وجہ اس کا معذور ہونا ہے اور وہ ادا ء جزء کے

اندر بھی معذور ہے۔

ہماری دلیل...... یہ ہے کہ قاتل جرم کرے اور پھنسے کوئی تو یہ کہاں کا انصاف ہے اس لئے قاتل بھی عاقلہ کا شریک ہوگا۔

اور اس پر پوری دیت اس لئے واجب نہیں کی گئی ہے تاکہ وہ پریشانی کے اندر مبتلا نہ ہو جائے اور تین چار دراہم کے ادا کرنے میں اس کی جان نہیں نکلے گی۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے جو یہ فرمایا کہ خاطی معذور ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ اگر یہ معذور ہے تو عاقلہ تو اس سے بھی زیادہ معذور ہیں جب کہ ارشاد باری ہے، وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى، یعنی '' جرم کوئی کرے اور پھنسے کوئی اور ایسا نہ ہوگا''، بہر حال قاتل کو عاقلہ کے ساتھ اداءِ دیت میں شریک رکھا جائے گا۔

اہل دیوان میں سے بچے اور عورتیں دیت سے مستثنیٰ ہیں

ولیس علی النساء والذریة ممن کان له حظ فی الدیوان عقل لقول عمر لا یعقل مع العاقلة صبی ولا امرأة ولان العقل انما یجب علی اهل النصرة لترکهم مراقبته والناس لا یتناصرون بالصبیان والنساء ولهذا لا یوضع علیهم ما هو خلف عن النصرة وهو الجزیة

ترجمہ...... اور عورتوں اور بچوں پر ان لوگوں میں سے جن کے لئے دیوان میں حصہ ہو دیت نہیں ہے حضرت عمرؓ کے فرمان کی وجہ سے کہ عاقلہ کے ساتھ بچہ اور کوئی عورت دیت نہیں دے گی اور اس لئے کہ دیت اہل نصرت پر واجب ہوتی ہے ان کے اس کی نگرانی چھوڑ دینے کی وجہ سے اور لوگ بچوں اور عورتوں سے مدد نہیں لیتے اور اسی وجہ سے ان پر (بچوں اور عورتوں پر) وہ مقرر نہیں کیا جاتا جو نصرت کا خلیفہ ہے اور وہ جزیہ (چیز) یہ ہے۔

تشریح...... اگر عورتوں اور بچوں میں سے کسی کا نام بھی معونت کے طور پر اہل دیوان میں ہو تو جب اہل دیوان پر دیت واجب ہوگی تو بچوں اور عورتوں پر واجب نہ ہوگی کیونکہ دیت کا وجوب اہل نصرت پر ہوتا ہے اور عورتیں اور بچے اہل نصرت میں سے نہیں ہیں کیونکہ بچوں اور عورتوں سے مدد نہیں لی جاتی۔

یہی وجہ ہے چونکہ بچے اور عورتیں اہل نصرت میں سے نہیں لہٰذا نصرت کا بدل جو کفار پر جزیہ واجب ہوتا ہے تو جزیہ بھی بچوں اور عورتوں پر واجب نہ ہوگا جس کی تفصیل ہدایہ جلد ثانی میں گذر چکی ہے۔

اگر قاتل بچہ یا عورت ہو تو عاقلہ میں یہ شامل نہیں ہوں گے

وعلی هذا لو کان القاتل صبیا او امراة لا شئی علیهما من الدیة بخلاف الرجل لان وجوب جزء من الدیة علی القاتل باعتبار انه احد العواقل لانه ینصر نفسه وهذا لا یوجد فیهما والفرض لهما من العطاء للمعونة لا للنصرة کفرض ازواج النبی علیه السلام ورضی الله عنهن

ترجمہ...... اور اس طریقہ پر اگر قاتل بچہ یا عورت ہو تو ان دونوں پر دیت نہ ہوگی بخلاف مرد کے اس لئے کہ قاتل دیت کے جزء کا وجوب اس اعتبار سے ہے کہ قاتل عواقل میں سے ایک ہے اس لئے کہ قاتل اپنے نفس کی مدد کرتا ہے اور یہ معنی ان دونوں میں (بچہ اور عورت

میں) نہیں پائے جاتے اور ان دونوں کے لئے (بچہ اور عورت کے لئے) عطاء کا حصہ معونت کے لئے ہے نہ کہ نصرت کے لئے جیسے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حصہ۔

تشریح ...... اور اگر بچہ یا عورت خود قتل کر دیں تب بھی دیت کا وجوب ان کے عاقلہ پر ہوگا بچہ اور عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا ہاں اگر کوئی بالغ مرد قاتل ہو تو اس پر عاقلہ میں سے ایک فرد کے مثل دیت کا کچھ حصہ واجب ہوگا کیونکہ اس کے اہل نصرت میں سے ہونے کی وجہ سے اس کو عاقلہ میں سے شمار کرتے ہوئے عواقل کا ایک فرد شمار کیا جائے گا کیونکہ بہر حال وہ اپنی نصرت تو کرتا ہی ہے اور بچہ اور عورت میں یہ بات موجود نہیں ہے۔

سوال ...... جب بچے اور عورتیں اہل نصرت میں نہیں ہیں تو یہ اہل عطاء میں سے کیسے ہوں گے؟

جواب ...... ان کے لئے جو عطایا مقرر ہیں وہ اہل نصرت میں سے ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کی معونت کی وجہ سے ہے یعنی امام ان کی معونت و مدد کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ بعض امور میں کچھ معین ہو سکتے ہیں۔

جیسے حضور اقدس ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو جو حصہ دیا جاتا تھا وہ نصرت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ بناء پر معونت تھا۔

سوال ...... یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ عورت عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل نہ ہوگی اور پہلے یہ مسئلہ گذرا ہے قال المتاخرون ان المرآة تدخل مع العاقلة" الخ تو یہ تعارض کیسا؟

جواب ...... وہ اصل روایت نہیں بلکہ بعض متاخرین کا قول ہے اور یہ اصل مذہب ہے۔

ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی دیت ادا نہیں کریں گے

ولا یعقل اهل مصر عن مصر اخر یرید به انه اذا کان لاهل کل مصر دیوان علی حدة لان التناصر بالدیوان عند وجوده ولو کان باعتبار القرب فی السکنی فاهل مصره اقرب الیه من اهل مصر اخر

ترجمہ ...... اور ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی طرف سے دیت نہیں دیں گے مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ جب کہ ہر شہر والوں کے لئے علیحدہ دیوان ہو اس لئے کہ دیوان کے موجود ہونے کے وقت تناصر دیوان کے ذریعہ ہوتا ہے اور اگر تناصر سکنیٰ کے اندر قرب کی وجہ سے ہو تو آدمی کے شہر والے اس کے زیادہ قریب ہیں دوسرے شہر والوں سے۔

تشریح ...... اگر ہر شہر کے فوجیوں کی کمپنی الگ الگ ہے تو جس کمپنی میں وہ ہے وہ کمپنی اس کی عاقلہ ہوگی اور وہی اس کی دیت ادا کرے گی۔

تو اسی کو مصنفؒ نے فرمایا کہ ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی طرف سے دیت ادا نہیں کریں گے۔

اور اگر تناصر کی بنیاد سکنیٰ کے اندر قربت کی وجہ سے ہو تو آدمی کے شہر والے دوسرے شہر والوں کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہوں گے۔

گاؤں میں قتل خطاء ہوا اور گاؤں والے دیت ادا کرنے کے لئے ناکافی ہوں تو اس کے گاؤں کے قریبی شہر کو دیت میں شامل کیا جائے گا

ویعقل اهل کل مصر من اهل سواد هم لانهم اتباع لاهل المصر فانهم اذا حزبهم امر استنصر وابهم فیعقلهم اهل المصر باعتبار معنی القرب والنصرة

ترجمہ ..... اور ہر شہر والے اپنے گاؤں والوں کی طرف سے دیت ادا کریں گے اس لئے کہ گاؤں والے شہر والوں کے تابع ہیں اس لئے کہ شہر والوں کو جب کوئی امر پیش آتا ہے تو گاؤں والوں سے مدد طلب کرتے ہیں تو اہل شہران کی دیت ادا کریں گے قرب اور نصرت کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے۔

تشریح ..... اگر کسی گاؤں میں قتل خطا کا کیس ہوا اور گاؤں والے اداء دیت کے لئے ناکافی ہیں تو وہ شہر جس کے یہ گاؤں تابع ہے جوڑا جائے گا اس لئے کہ گاؤں والے شہر والوں کے تابع ہیں اور بوقتِ ضرورت اہل شہر گاؤں والوں سے مدد لیتے ہیں تو قرب اور نصرت کے معنی موجود ہیں اس لئے اہل شہران کی دیت ادا کریں گے۔

ایک شخص بصرہ کا رہائشی ہو اور اہل دیوان کوفہ میں رہتے ہوں تو عاقلہ اہلِ کوفہ ہوں گے

ومن کان منزله بالبصرة ودیوانه بالکوفة عقل عنه اهل الکوفة لانه یستنصر باهل دیوانه لا بجیرانه والحاصل ان الاستنصار بالدیوان اظهر فلا یظهر معه حکم النصرة بالقرابة والنسب والولاء وقرب السکنی وغیره وبعد الدیوان النصرة بالنسب علی ما بیناه وعلی هذا یخرج کثیر من صور مسائل المعاقل

ترجمہ ..... اور وہ شخص جس کی منزل بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو اس کی جانب سے اہل کوفہ دیت دیں گے اس لئے کہ وہ اپنے اہل دیوان سے مدد طلب کرتا ہے نہ کہ اپنے پڑوسیوں سے، اور حاصل یہ ہے کہ دیوان سے مدد طلب کرنا زیادہ ظاہر ہے تو دیوان کے ساتھ قرابت اور نسب اور ولاء و قرب سکنیٰ وغیرہ کی نصرت کا حکم ظاہر نہ ہوگا اور دیوان کے بعد نصرت بالنسب ہے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور اسی اصول پر معاقل کے مسائل کی بہت سی صورتوں کی تخریج ہوتی ہے۔

تشریح ..... ایک شخص بصرہ کا رہنے والا ہے مگر اس کے اہل دیوان کوفہ میں ہیں تو اس کی طرف سے اہل کوفہ دیت ادا کریں گے کیونکہ جو شخص اہل دیوان میں سے ہے تو وہ اپنے اہل دیوان سے مدد چاہتا ہے اپنے پڑوسیوں سے نہیں۔

بہر حال نصرت کی انواعِ مختلفہ میں سے سب سے قوی نصرت بالدیوان ہے لہٰذا اس نصرت کے ہوتے ہوئے کسی اور نصرت کا اعتبار نہ ہوگا اس کے بعد مصر نصرت بالقرابت کا نمبر ہے اور یہ ایسا کلیہ ہے جس پر بہت سے مسائل دیت متفرع ہوتے ہیں۔

شہر کا رہائشی کوئی جنایت کرے اور نسبی اقرباء دیہات میں ہیں تو وہ دیت ادا کریں گے

ومن جنی جنایة من اهل المصر ولیس له فی الدیوان عطاء واهل البادیة اقرب الیه ومسکنه المصر عقل عنه اهل الدیوان من ذلک المصر ولم یشترط ان یکون بینه وبین اهل الدیوان قرابة وقیل هو صحیح لان

الـذين يذبون عن اهل المصر ويقومون بنصرتهم ويدفعون عنهم اهل الديوان من اهل المصر ولا يخصون به اهل العطاء

ترجمہ ... اور اہل شہر میں جس نے کوئی جنایت کی اور دیوان میں اس کے لئے کوئی عطیہ نہیں ہے اور باعتبار نسب گاؤں اس کے زیادہ قریب ہیں اور اس کا مسکن شہر ہے تو اس شہر کے اہل دیوان اس کی دیت ادا کریں گے اور محمدؒ نے یہ شرط بیان نہیں کی کہ اس کے اور اہل دیوان کے درمیان کوئی قرابت ہو اور کہا گیا ہے کہ یہی صحیح ہے اس لئے کہ جو اہل شہر کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اور ان کی نصرت کے لئے قائم ہوتے ہیں اور ان کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں وہ اہل شہر میں سے اہل دیوان ہیں اور اہل دیوان مدافعت کے ساتھ اہل عطاء کو خاص نہیں کرتے۔

تشریح ... ایک آدمی شہر میں رہتا ہے اور اس کے نسبی اقرباء گاؤں میں رہتے ہیں اب اگر یہ شخص کوئی جنایت کرتا ہے تو جس شہر میں یہ ہے وہاں کے اہل دیوان اس کی دیت ادا کریں گے خواہ مجرم اور اہل دیوان کے درمیان کوئی قرابت ہو یا نہ ہو اور بعض حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس لئے کہ اہل شہر پر آنے والی مصیبت کی مدافعت وہ اس شہر کے اہل دیوان کا فریضہ ہے اور اہل دیوان فقط اپنی یا اہل عطاء ہی کی نصرت کے ذمہ دار نہیں بلکہ تمام شہر کے لوگوں کی حفاظت ونصرت کے ذمہ دار ہیں تو اہل دیوان ہی مجرم کے اہل نصرت میں ہوں گے اور یہی عاقلہ ہوں گے۔

یہ تفصیل اس وقت میں ہے جب کہ اہل دیوان اور اس مجرم کے درمیان کوئی قرابت نہ ہو اور اگر متن کی دوسری تاویل کی جائے کہ مجرم کے قریبی رشتہ دار گاؤں میں ہیں اور شہر کے اہل دیوان بھی اس کے رشتہ دار اور اعزہ ہیں مگر گاؤں والوں کے ساتھ قرابت کا قرب ہے اور اہل دیوان کے ساتھ قرابت کا بعد ہے تب بھی شہر کے اہل دیوان ہی دیت ادا کریں گے۔ فرماتے ہیں:-

مسئلہ کی مزید تفصیل

وقيـل تـاويـلـه اذا كان قريبا لهم وفي الكتاب اشارة اليه حيث قال واهل البادية اقرب اليه من اهل المصر وهذا لان الـوجـوب عليهم بحكم القرابة واهل المصر اقرب منهم مكانا فكانت القدرة على النصرة لهم وصار نظير مسالة الغيبة المنقطعة.

ترجمہ ... اور کہا گیا ہے کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب کہ وہ مجرم ان کا قریبی ہو اور کتاب میں اس کی جانب اشارہ ہے اس حیثیت سے کہ کتاب میں کہا ہے اور گاؤں والے شہر والوں کے مقابلہ میں اس کے زیادہ قریبی ہیں اور یہ اس لئے کہ ان پر وجوب قرابت کے حکم سے ہے اور شہر والے گاؤں والوں سے زیادہ قریب ہیں جگہ کے اعتبار سے تو نصرت کے اوپر قدرت انہی کو ہوگی اور یہ غیبت منقطعہ کے مسئلہ کی نظیر ہو گیا۔

تشریح ... بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام محمدؒ کے قول میں جو یہ فرمایا گیا ہے" عقل عنه اهل الديوان من ذلك المصر " یہ اس وقت ہے جب کہ مجرم اور ان اہل دیوان کے درمیان قرابت ہو چونکہ امام محمدؒ کا قول جو اس سے پہلے گذرا ہے یعنی" اهل البادية اقرب اليه" اس کی جانب مشیر ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر وجوب دیت قرابت کی وجہ سے ہے اور قرابت اہل مصر اور اہل بادیہ دونوں سے ہے اور گاؤں والوں سے قرابت کا قرب ہے لیکن اہل شہر کے ساتھ اگر چہ قرابت کا بعد ہے مگر تدبیر کا قرب ہے تو جیسے کسی کے دو ولی ہوں ایک اقرب اور ایک ابعد اور ولی اقرب غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہو جائے تو ولایت ولی ابعد کو مل جائے گی جیسے ہدایہ جلد ثانی میں اس کی تفصیل مذکور ہے اسی طرح یہاں گاؤں والوں اور شہریوں کو اتار لیا جائے گا۔

دیہاتی نے شہر میں پڑاؤ ڈالا لیکن مستقل رہائش اختیار نہ کی اور اس سے جنایت ہوئی ہو تو عاقلہ کون ہوں گے؟

ولو كان البدوى نازلا فى المصر لا مسكن له فيه لايعقله اهل المصر لان اهل العطاء لا ينصرون من لا مسكن له فيه كما ان اهل البادية لا تعقل عن اهل المصر النازل فيهم لانه لا ينتصر بهم

ترجمہ اور اگر دیہاتی شہر میں آیا جس کا شہر میں کوئی مسکن نہیں تو اہل شہر اس کی دیت نہیں دیں گے اس لئے کہ اہل عطاء اس کی مدد نہیں کرتے جس کا اس شہر میں کوئی مسکن نہیں ہے جیسے گاؤں والے اس شہری کی دیت نہیں دیں گے جو ان میں جائے اس لئے کہ شہری گاؤں والوں سے مدد نہیں مانگتا۔

تشریح اگر کوئی گاؤں کا آدمی شہر میں آیا ہوا ہے لیکن اس کا کوئی مسکن اور گھر وہاں نہیں تو اگر اس سے جنایت سرزد ہو جائے تو اہل شہر اس کی جانب سے دیت ادا نہیں کریں گے کیونکہ جو شہر میں اہل عطاء ہیں وہ فقط شہر کے لوگوں کی مدد کرتے ہیں جیسے اگر گاؤں کوئی شہری جائے تو گاؤں والے اس کی دیت ادا نہیں کریں گے کیونکہ شہر والے گاؤں والوں سے مدد نہیں چاہتے۔

جس ذمی کے عاقلہ جانے پہچانے ہوں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں پھر کوئی کسی کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کے عاقلہ کون ہوں گے؟

وان كان لاهل الذمة عواقل معروفة يتعاقلون بها فقتل احدهم قتيلا فديته على عاقلته بمنزلة المسلم لانهم التزموا احكام الاسلام فى المعاملات لا سيما فى المعانى العاصمة عن الاضرار ومعنى التناصر موجود فى حقهم

ترجمہ اور اگر ذمیوں کے معروف عواقل ہوں جو دیت دیتے ہوں پس ان میں سے ایک نے کسی کو قتل کر دیا تو اس کی دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی مسلمان کے درجہ میں اس لئے کہ ذمیوں نے معاملات کے اندر اسلام کے احکام کا التزام کیا ہے خصوصاً ان معانی میں جو اضرار سے بچانے والے ہیں اور تناصر کے معنی ان کے حق میں موجود ہیں۔

تشریح ماقبل میں آیا تھا کہ اہل ذمہ میں تحمل کا رواج نہیں ہے لیکن اگر ہو اور کسی ذمی کا جانا پہچانا عاقلہ موجود ہے جو دیت کا تحمل کرتے ہیں تو اس صورت میں اگر ذمیوں میں سے کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی جیسے مسلمان قاتل ہوتا تو اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوتی اور معاملات کے اندر ذمیوں نے احکام اسلام کا التزام کیا ہے اور خصوصاً وہ معاملات جو اضرار سے بچانے والے ہیں جیسے حد سرقہ اور حد قذف اور قصاص اور وجوب دیت وغیرہ۔

اور باہمی تناصر جس طرح مسلمان میں چلتا ہے وہ ان کے حق میں بھی موجود ہے۔

اگر ذمیوں کے عاقلہ مشہور نہ ہوں تو دیت قاتل کے مال سے قسط وار تین سالوں میں ہوگی

وان لم تكن لهم عاقلة معروفة فالدية في ماله في ثلاث سنين من يوم يقضى بها عليه كمافي حق المسلم لما بينا ان الوجوب على القاتل وانما يتحول عنه الى العاقلة ان لو وجدت فاذا لم توجد بقيت عليه في ماله بمنزلة تاجرين مسلمين في دار الحرب فتل احدهما صاحبه يقضى بالدية عليه في ماله لان اهل دار الاسلام لا يعقلون عنه وتمكنه من هذا القتل ليس بنصرتهم

ترجمہ ...... اور اگر ذمیوں کے لئے معروف عاقلہ نہ ہوتو دیت ذمی کے مال میں ہوگی تین سالوں کے اندر اس دن سے کہ اس پر دیت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جیسے مسلمان کے حق میں اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجوب قاتل پر ہے اور قاتل سے عاقلہ کی طرف تحول ہوتا ہے جب کہ عاقلہ موجود ہو پس جب عاقلہ موجود نہ ہوتو دیت اسی پر باقی رہے گی اس کے مال میں دو مسلمان تاجروں کے مثل جو دونوں دارالحرب میں ہوں کہ ان میں اسے ایک دوسرے کو قتل کردے تو قاتل پر اس کے مال میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اس لئے کہ دارالاسلام والے اس کی طرف سے دیت نہیں دیں گے اور اس کا اس قتل پر قادر ہونا ان کی نصرت کی وجہ سے نہیں ہے۔

تشریح　اگر ذمیوں کے لئے عاقلہ ہوں تو دیت ان کے عاقلہ پر ہوگی ورنہ خود قاتل کے مال میں ہوگی جو قسط وار تین سالوں میں وصول کی جائے گی اور تین سال اس وقت سے معتبر ہوں گے جب سے کہ قاضی نے وجوب دیت کا فیصلہ دیا ہے کیونکہ اصل وجوب تو قاتل پر ہوتا ہے پھر عاقلہ کی موجودگی میں وجوب عاقلہ کی جانب متحول ہو جاتا ہے اور اگر عاقلہ نہ ہوتو پھر وجوب قاتل پر برقرار رہے گا جیسے اگر دو مسلمان تاجر دارالحرب میں گئے اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی اس کے عاقلہ پر نہ ہوگی۔

کافر مسلمان کے اور مسلمان کافر کے عاقلہ نہیں، البتہ کافر کافر کے عاقلہ ہیں بشرطیکہ ان کی آپس میں کھلی عداوت نہ ہو

ولا يعقل كافر عن مسلم ولا مسلم عن كافر لعدم التناصر والكفار يتعاقلون فيما بينهم وان اختلفت مللهم لان الكفر كله ملة واحدة قالوا هذا اذا لم تكن المعاداة فيما بينهم ظاهرة اما اذا كانت ظاهرة كاليهود والنصارى ينبغي ان لا يتعاقلون بعضهم عن بعض وهكذا عن ابي يوسف لانقطاع التناصر

ترجمہ　اور کوئی کافر مسلمان کی طرف سے اور نہ کوئی مسلمان کافر کی طرف سے دیت نہیں دے گا تناصر نہ ہونے کی وجہ سے اور کفار آپس میں دیت دیں گے اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں اس لئے کہ کفر کل کا کل ملت واحدہ ہے مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ جب ہے جب کہ ان کے درمیان ظاہری عداوت نہ ہو بہرحال جب کہ ظاہری عداوت ہو جیسے یہود اور نصاریٰ تو مناسب یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی طرف سے دیت نہ دے اور ابو یوسفؒ سے ایسے ہی منقول ہے تناصر کے منقطع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح ...... چونکہ عاقلہ ہونے کا مدار باہمی تناصر پر ہے اور مسلم وکافر کے درمیان تناصر نہیں ہے اس لئے مسلمان کافر کی اور کافر مسلمان کی

دیت نہیں دے گا۔

اور کفار اگر چہ باہم مختلف ملت رکھتے ہوں لیکن کفر سب برابر ہے اس لئے وہ دوسرے کی دیت دیں گے۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ ان میں کھلی ہوئی عداوت نہ ہو جیسے یہود و نصاریٰ اگر چہ دونوں کافر ہیں لیکن آپس میں کھلی ہوئی دشمنی ہے اس لئے ان میں سے ایک دوسرے کی دیت ادا نہیں کریں گے کیونکہ باہمی تناصر جو عاقلہ ہونے کا مدار ہے منقطع ہے امام ابو یوسف سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔

کوفہ کا باشندہ جس کا نام اہل دیوان کوفہ میں تھا اسے بصرہ میں منتقل کر دیا گیا تو اس کے عاقلہ اہل بصرہ یا اہل کوفہ ہوں گے، مسلک احناف

ولو كان القاتل من اهل الكوفة وله بها عطاء فحول ديوانه الى البصرة ثم رفع الى القاضي فانه يقضي بالدية على عاقلته من اهل البصرة وقال زفر يقضي على عاقلته من اهل الكوفة وهو رواية عن ابي يوسف لان الموجب هو الجناية وقد تحققت وعاقلته اهل الكوفة وصار كما اذا حول بعد القضاء

ترجمہ ...... اور اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور اس کے لئے کوفہ میں عطاء ہو پس اس کا دیوان بصرہ کی طرف پھیر دیا گیا پھر معاملہ قتل کا خاص کی طرف مرافعہ کیا گیا تو قاضی دیت کا فیصلہ اس عاقلہ پر کرے گا جو اہل بصرہ میں سے ہیں اور زفرؒ نے فرمایا کہ قاضی اس کے اس عاقلہ پر فیصلہ کرے گا جو اہل کوفہ میں سے ہیں اور یہی ایک روایت ہے ابو یوسفؒ سے اس لئے کہ واجب کرنے والی چیز وہ جنایت ہے اور وہ متحقق ہو چکی ہے حالانکہ اس کے عاقلہ اہل کوفہ ہیں اور یہ ایسا ہو گیا جیسے دیوان متحول کیا گیا ہو قضاء قاضی کے بعد۔

تشریح ...... ایک شخص کوفہ کا باشندہ ہے اور وہ کوفہ ہی کے اندر اہل دیوان میں سے ہے تو یہی اہل دیوان اس کے عاقلہ تھے لہٰذا اگر اس نے خطاءً کسی کو قتل کیا تو اہل دیوان پر دیت آتی لیکن بعد قتل القضاء قاتل کو بصرہ کے دیوان میں منتقل کر دیا اور بعد انتقال قاضی کے سامنے یہ مسئلہ قتل پیش کیا گیا تو اب قاضی دیت کا فیصلہ عاقلہ پر کرے گا لیکن سوال یہ ہے کہ دیت کا فیصلہ کوفہ کے اہل دیوان پر ہوگا یا بصرہ کے تو ہمارا مسلک یہ ہے کہ بصرہ کے اہل دیوان پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور امام زفرؒ اور ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ کوفہ کے اہل دیوان پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ان حضرات کی دلیل ...... یہ ہے کہ دیت کا اصل وجوب جرم و جنایت کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب یہ جنایت اس قاتل سے صادر ہوئی تھی اس وقت اس کا نام کوفہ کے دیوان میں تھا لہٰذا انہی پر دیت واجب ہوگی کیونکہ اگر قاضی نے کوفہ والوں پر دیت کا فیصلہ کر دیا ہو اور بعد قضاء قاضی کے اس کو بصرہ کے دیوان میں منتقل کیا گیا ہو تو وہاں بالاتفاق دیت کا وجوب اہل کوفہ پر برقرار رہے گا لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔

دلیل احناف

ولنا ان المال انما يجب عند القضاء لماذكرنا ان الواجب هو المثل وبالقضاء ينتقل الى المال و كذا الوجوب على القاتل وتتحمل عنه عاقلته واذا كان كذلك يتحمل عنه من يكون عاقلته عند القضاء بخلاف ما بعد

القضاء لان الواجب قد تقرر بالقضاء فلا ينتقل بعد ذلک لکن حصة القاتل تؤخذ من عطائه بالبصرة لانها تؤخذ من العطاء وعطاء ه بالبصرة

ترجمہ ...... اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مال بوقت قضاء واجب ہوتا ہے اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ واجب وہ مثل ہے اور قضاء کی وجہ سے وجوب مال کی طرف منتقل ہوتا ہے اور ایسے ہی وجوب قاتل کے اوپر ہے اور قاتل کی طرف سے اس کا عاقلہ تحمل کرتا ہے اور جب بات ایسے ہے تو بوقتِ قضاء جو اس کا عاقلہ ہوگا وہ اس کا تحمل کرے گا بخلاف مابعد القضاء کے اس لئے کہ واجب قضاء کی وجہ سے متقرر ہو چکا ہے پس اس کے بعد واجب منتقل نہ ہوگا لیکن قاتل کا حصہ اس کے اس عطیہ میں سے لیا جائے گا جو بصرہ میں ہو اس لئے کہ دیت عطاء میں سے لیجاتی ہے اور اس کی عطاء بصرہ میں ہے۔

تشریح ...... یہ ہماری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مال کا وجوب اصل جنایت کی وجہ سے نہیں ہوتا ور نہ اصل جنایت سے مثل کا وجوب ہوتا ہے نیز اصل جنایت سے مثل کا وجوب قاتل پر ہوتا ہے، پھر مثل سے قیمت کی جانب اور قاتل سے عاقلہ کی جانب جو تحول ہے یہ قضاءِ قاضی کی وجہ سے ہے تو معلوم ہوا کہ مال کا وجوب قضاء کی وجہ سے ہے لہٰذا بوقتِ قضاء قاضی جو اس کے عاقلہ ہوں گے انہی پر دیت واجب کی جائے گی اور اس وقت اس کے عاقلہ اہل بصرہ ہیں لہٰذا انہی پر دیت واجب ہوگی۔

رہا دوسرا مسئلہ جس پر امام زفرؒ نے اس مسئلہ کو قیاس کیا ہے یعنی اگر قاتل ابھی کوفہ کے دیوان میں ہے اور کوفہ کے اہل دیوان پر قاضی نے دیت کا فیصلہ کر دیا پھر قاتل کو بصرہ کے دیوان میں منتقل کر دیا گیا ہے تو اب وجوب جن پر ہوا ہے وہاں سے ہٹے گا نہیں کیونکہ اس کا نام نقل ہے اور نقل ناجائز ہے۔

ہاں اس میں اتنا خیال ضرور رکھا جائے گا کہ قاتل بھی عاقلہ کا ایک فرد بن کر دیت دیتا ہے تو قاتل سے جو دیت کا حصہ وصول کیا جائے گا اس عطاء میں سے وصول کیا جائے گا جو بصرہ کی ہوگی اور جو اس کو پہلے کوفہ کی عطایا ہوتی ہیں ان میں سے دیت وصول نہیں کی جائے گی کیونکہ آئندہ عطایا میں سے دیت لی جاتی ہے اور آئندہ عطایا اس کو بصرہ میں ہوں گی نہ کہ کوفہ کے اندر۔

قضاء قاضی کے بعد عاقلہ اتنی کم ہو جائے کہ ادائیگی دیت کے لئے ناکافی ہو تو کون سا راستہ اختیار کیا جائے گا؟

بخلاف ما اذا قلة العاقلة بعد القضاء عليهم حيث يضم اليهم اقرب القبائل فی النسب لان فی النقل ابطال حكم الاول فلا يجوز بحال و فی الضم تكثير المتحملين لما قضى به عليهم فكان فيه تقرير الحكم الاول لا ابطاله

ترجمہ ...... بخلاف اس صورت کے جب کہ عاقلہ پر فیصلہ کے بعد عاقلہ کم ہو جائے تو ان کی طرف نسب کے اعتبار سے اقربُ القبائل کو ملا دیا جائے گا اس لئے کہ نقل میں حکم اول کا ابطال ہے تو یہ کسی حال میں جائز نہیں ہے اور ملا دینے میں ان لوگوں کی تکثیر ہے جو اس کو اٹھانے والے ہیں جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے تو اس میں حکم اول کی تقریر ہے نہ کہ اس کا ابطال۔

تشریح ...... سوال، آپ نے فرمایا کہ نقل جائز نہیں ہے لہٰذا اہل کوفہ پر فیصلہ کے بعد پھر اہل بصرہ پر فیصلہ وجوب دیت کا نہ ہوگا ورنہ نقل

لازم آئے گی اور اگر کسی کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے لیکن عاقلہ اتنا کم ہے جو ادائیگی دیت کے لئے ناکافی ہے تو پھر اس قبیلہ کو اس سے قریبی قبیلہ کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اور ان پر دیت واجب کر دی جاتی ہے حالانکہ یہ بھی نقل ہے کہ وجوب کسی پر ہوا ہے اور اس میں دوسرے لوگوں کو بھی داخل کر دیا گیا ہے؟

جواب...... یہ نقل نہیں ہے بلکہ یہ ضم ہے اور نقل ناجائز ہے اور ضم جائز ہے کیونکہ نقل میں حکم اول کا ابطال لازم آتا ہے اور ضم میں حکم اول کا ابطال نہیں ہے بلکہ اس میں اور مضبوطی اور استحکام پیدا کرنا ہے اور متحملین دیت کی تعداد کو بڑھانا ہے۔

کوفہ کے رہائشی نے جو اہل عطا میں سے نہیں کسی کو قتل کیا اور قضاء قاضی سے پہلے اس نے اپنا شہر بصرہ بنالیا تو قاضی کا فیصلہ اہل کوفہ پر ہوگا یا اہل بصرہ پر

وعلى هذا لو كان القاتل مسكنه بالكوفة وليس له عطاء فلم يقض عليه حتى استوطن البصرة قضى بالدية على اهل البصرة ولو كان قضى بها على اهل الكوفة لم ينتقل عنهم

ترجمہ...... اور اسی طریقہ پر اگر قاتل اس کا مسکن کوفہ میں ہو اور اس کے لئے عطاء نہ ہو تو اس کے اوپر دیت کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ اس نے بصرہ کو وطن بنالیا تو دیت کا فیصلہ اہل بصرہ پر ہوگا اور اگر دیت کا فیصلہ اہل کوفہ پر ہو چکا تھا تو تو وجوب اہل کوفہ سے منتقل نہ ہوگا۔

تشریح...... اصول مذکورہ اور دلیل مذکورہ کے پیش نظر دوسرا جزئیہ پیش فرمارہے ہیں کہ ایک شخص اہل عطاء میں سے نہیں اور کوفہ کا رہنے والا ہے اس نے کسی کو قتل کیا لیکن ابھی قاضی نے وجوب دیت کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس نے اپنا وطن بصرہ بنالیا اب جب قاضی وجوب دیت کا فیصلہ کرے گا تو اہل بصرہ پر کرے گا اور اگر اس سے پہلے ہی قاضی کا فیصلہ وجوب دیت کے سلسلہ میں اہل کوفہ پر ہو چکا تھا تو اب اس کے انتقال سے یہ وجوب بدلے گا نہیں ورنہ نقل لازم آئے گی جو جائز نہیں ہے۔

دیہاتی قتل خطاء کا ارتکاب کرے اور قضاء قاضی سے پہلے اس کا نام فوج میں آگیا تو قاضی کس پر دیت کا فیصلہ کرے گا

وكذا البدوى اذا الحق بالديوان بعد القتل قبل القضاء يقضى بالدية على اهل الديوان وبعد القضاء على عاقلته بالبادية لا يتحول عنهم

ترجمہ...... اور ایسے ہی دیہاتی جب کہ اس کو بعد قتل قضاء سے پہلے دیوان کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو تو دیت کا فیصلہ اہل دیوان پر ہوگا اور اس کے گاؤں کے عاقلہ پر فیصلہ کرنے کے بعد وجوب ان سے (گاؤں کے عاقلہ سے) متحول نہ ہوگا۔

تشریح...... اسی کے پیش نظر دوسرا جزئیہ پیش فرمارہے ہیں کہ ایک گاؤں کا شخص ہے جس نے خطاء کسی کو قتل کر دیا ابھی اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ اس کا نام فوج میں آگیا اب قاضی دیت کا فیصلہ کرتا ہے تو قاضی وجوب دیت کا فیصلہ اہل دیوان پر کرے گا اور اگر قاضی اس کے اہل دیوان میں ہونے سے پہلے اس کے گاؤں کے عاقلہ پر وجوب دیت کا فیصلہ کر چکا ہے تو اب وہ جوب اہل دیوان پر نہ ہوگا ورنہ نقل لازم آئے گی۔

ایک گاؤں کے خاندان میں سے کسی نے غلطی سے کسی کو قتل کیا اور قاضی نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ صادر کر دیا جو قسط وار تین سالوں میں ادا کی جائے گی، پھر امام نے پورے خاندان کو اہل عطاء میں سے قرار دیدیا تو دیت اب انہی عطایا میں ہوگی

وهذا بخلاف ما اذا كان قوم من اهل البادية قضى عليهم بالدية في اموالهم في ثلث سنين ثم جعلهم الامام في العطاء حيث تصير الدية في عطياتهم وان كان قضى بها اول مرة في اموالهم لانه ليس فيه نقض القضاء الاول لانه قضى بها في اموالهم وعطياتهم اموالهم غيران الدية تقضى من ايسر الاموال اداء والاداء من العطاء ايسر اذا صار وامن اهل العطاء الا اذا لم يكن مال العطاء من جنس ما قضى به عليه بان كان القضاء بالابل والعطاء دراهم فحينئذ لا تتحول الى الدراهم ابدا لما فيه من ابطال القضاء الاول لكن يقضى ذلك من مال العطاء لانه ايسر

ترجمہ ..... اور یہ اس صورت کے خلاف ہے جب کہ کوئی قوم اہل دیہات میں سے ہو جن کے اوپر ان کے اموال میں تین سالوں کے اندر دیت کا فیصلہ کر دیا گیا پھر امام نے ان کو اہل عطاء میں سے کر دیا تو دیت ان کے عطیات میں واجب ہوگی اگر چہ پہلی مرتبہ دیت کا فیصلہ ان کے اموال میں کر دیا گیا تھا اس لئے کہ اس کے اندر پہلے فیصلہ کو توڑنا نہیں ہے اس لئے کہ دیت کا فیصلہ ان کے اموال میں کیا گیا تھا اور ان کے عطیات ان کے اموال ہیں مگر دیت ادا کیجاتی ہے ان اموال میں سے جن سے ادائیگی سہل ہو اور عطاء میں سے ادائیگی سہل ہے جب کہ وہ اہل عطاء میں سے ہو گئے ہیں مگر جب کہ مال عطاء اس حق کی جنس سے نہ ہو جس کا اہل عطاء پر فیصلہ کیا گیا ہے اس طریقہ پر کہ دیت کا فیصلہ اونٹوں سے ہو اور عطاء درہم ہوں پس اس وقت میں کبھی بھی دیت دراہم کی جانب متحول نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں پہلے فیصلہ کو باطل کرنا ہے اسکو (اونٹوں کو) عطاء کے مال سے ادا کیا جائے گا اس لئے کہ یہ آسان ہے۔

تشریح ..... ایک گاؤں کا خاندان ہے ان میں سے کسی نے خطاءً قتل کر دیا تو اس کے عاقلہ یعنی خاندان کے اوپر دیت کو واجب کر دیا گیا یعنی ان کے اموال میں جو قسط وار تین سالوں میں ادا کر دی جائے گی۔

مگر اس فیصلہ کے بعد ایسا ہوا کہ امام نے اس پورے خاندان کو اہل عطاء میں سے قرار دیدیا اور ان کو سالانہ عطیات ملنے کا فیصلہ صادر فرمادیا تو قاضی نے وجوب دیت کا جو فیصلہ ان کے اموال میں کیا تھا تو اب دیت ان عطایا میں واجب ہوگی اور انہی میں سے سالانہ ثلث دیت کو وصول کیا جائے گا اور بظاہر اگر چہ یہاں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حکم اول اور فیصلہ اول کو توڑنا ہے مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ قاضی نے وجوب دیت کا فیصلہ ان کے اموال میں کیا تھا اور عطیات بھی انہیں کے اموال ہیں اور یہ پہلے گذر ہی چکا ہے کہ دیت اس مال میں واجب کی جاتی ہے جس سے دیت کی ادائیگی سب سے آسان ہو اور ظاہر ہے کہ عطایا میں سے دیت ادا کرنا اصل اموال کے اندر سے ادا کرنے سے بہت آسان ہے اور چونکہ اب یہ اہل عطاء میں سے ہو گئے ہیں تو اصول کا لحاظ رکھا جائے گا۔

ہاں اگر قاضی نے دیت کا فیصلہ اونٹوں سے کیا ہو کہ سو اونٹ ادا کئے جائیں اور ان کو عطایا میں دراہم ملتے ہیں تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ قاضی اپنا فیصلہ بدل دے اور بجائے سو اونٹ کے دس ہزار درہم کا فیصلہ کر دے کیونکہ اس میں قضاء اول کا ابطال لازم آتا ہے اور

یہ باطل ہے۔

ہاں یہ صورت اختیار کی جائے کہ یہ لوگ عطایا میں سے دیت ادا کریں جس کی صورت یہ ہوگی۔ کہ وہ ان دراہم سے اونٹ خرید کر دیت ادا کردیں۔

آزاد کردہ غلام کی عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے

قال وعاقلة المعتق قبيلة مولاه لان النصرة بهم ويؤيد ذلك قوله عليه السلام مولى القوم منهم

ترجمہ ... قدوری نے فرمایا اور معتق کا عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے اسلئے کہ نصرت انہی کے ذریعہ سے ہے اور فرمان نبی ﷺ اس کا مؤید ہے کہ قوم کا آزاد کردہ غلام اسی قوم میں سے شمار ہوگا۔

تشریح ... مُعتق کا عاقلہ معتق اور معتق کا خاندان ہے اس لئے کہ یہ انہی سے مدد طلب کرے گا اور حدیث مذکور سے اس کی تائید ہوگئی۔

مولی الموالات کی عاقلہ مولی کا خاندان ہے

قال ومولى الموالاة يعقل عنه مولاه وقبيلته لانه ولاء يتنا صر به فاشبه ولاء العتاقة وفيه خلاف الشافعیؒ وقد مر في الولاء

ترجمہ ... قدوری نے فرمایا اور مولی الموالات اس کی جانب سے اس کا مولی ولاء دیت دے گا اور اس کا قبیلہ اس لئے کہ یہ ایسا ولاء ہے جس کی وجہ سے باہمی تناصر ہوتا ہے تو یہ ولاء عتاقہ کے مشابہ ہوگیا اور اس میں شافعیؒ کا اختلاف ہے اور یہ ولاء میں گذر چکا ہے۔

تشریح ... عقد موالات ہمارے نزدیک درست ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک باطل ہے لہذا ہمارے نزدیک اگر دو شخصوں میں عقد موالات قائم ہوا اور اس سے کوئی خطاء سرزد ہوئی تو اس کا مولی موالات اور مولی کا خاندان اس کی دیت ادا کرے گا کیونکہ جس طرح ولاء عتاقہ باہمی تناصر کا ذریعہ ہے اسی طرح ولاء موالات بھی باہمی تناصر کا ذریعہ ہے ہدایہ جلد ثالث میں کتاب الولاء گذر چکی ہے۔

کتنی دیت یا جرمانہ لازم ہونے کی صورت میں عاقلہ ذمہ دار ہوتی ہے اور جرمانہ کی کتنی مقدار کم یا زیادہ کہلاتی ہے

قال ولا تعقل العاقلة اقل من نصف عشر الدية وتتحمل نصف العشر فصاعدا والاصل فيه حديث ابن عباس رضی الله عنه موقوفا عليه مرفوعا الى رسول الله ﷺ لا تعقل العواقل عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما دون ارش الموضحة وارش الموضحة نصف عشر بدل النفس ولان التحمل للتحرز عن الاجحاف ولا اجحاف في القليل وانما هو في الكثير والتقدير الفاصل عرف بالسمع

ترجمہ ... قدوری نے فرمایا اور عاقلہ دیت کے نصف عشر سے کم کی دیت نہیں دیں گے اور عاقلہ نصف عشر یا زیادہ کا تحمل کریں گے اور اصل اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ان پر موقوف ہے اور رسول اللہ ﷺ تک مرفوع ہے کہ عواقل عمد کی دیت نہیں دیتے اور نہ غلام کی اور نہ صلح کی اور نہ اعتراف کی اور نہ موضحہ کے ارش سے کم کی اور موضحہ کا ارش نفس کے بدل کا نصف عشر ہے اور اس لئے کہ تحمل عاقلہ

اجحاف سے تحرز کے لئے ہے اور قلیل میں اجحاف نہیں ہے اور اجحاف کثیر میں ہے اور قلیل وکثیر کے درمیان حد فاصل کی تقدیر سمع سے معلوم ہوگئی ہے۔

تشریح..... عاقلہ پر دیت کا وجوب اس لئے ہوا ہے تاکہ قاتل پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوجائے اور پریشانی میں مبتلا ہونا اسی وقت ہوگا جبکہ دیت زیادہ ہو اور اگر قلیل ہو تو پریشانی میں مبتلا نہ ہوگا پھر قلیل وکثیر کے درمیان تحدید عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی بلکہ یہ بات نص سے معلوم ہوگئی اور نص نے بتا دیا ہے کہ نصف عشر سے کم یعنی اگر پوری دیت کے بیسویں حصہ سے بھی کم دیت واجب ہو تو اس کو عاقلہ ادا نہیں کرے گا بلکہ اس کو قاتل ادا کرے گا، ہاں اگر بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ مقدار دیت کی واجب ہو تو اس کو کثیر شمار کیا جائے گا اور دیت عاقلہ پر واجب ہوگی۔

یہاں ابن عباسؓ کی ایک حدیث ہے جو موقوعاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے اس میں پانچ چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱- قتل عمد کی ذمہ داری عاقلہ پر نہیں ہے کما مر

۲- اگر غلام نے قتل کیا ہو تو اس کی ذمہ داری آقا کے خاندان پر نہیں ہے بلکہ ولی جنایت کو یہ غلام ہی دیدیا جائے گا۔

۳- اگر قاتل نے عمداً قتل کیا ہو اور قاتل نے مال کی ادائیگی پر مصالحت کرلی ہو تو یہ مال عاقلہ پر واجب نہ ہوگا بلکہ قاتل کے مال میں واجب ہوگا۔

۴- اگر قاتل نے خود قتل کا اقرار کیا ہے اور عاقلہ اس کی تکذیب کریں تو عاقلہ پر دیت واجب نہ ہوگی۔

۵- موضحہ کے ارش سے کم جو مالی تاوان واجب ہوتا ہے اس کو عاقلہ نہیں دیں گے بلکہ اس کا وجوب قاتل کے مال میں ہوگا۔

اور ماقبل میں گذر چکا ہے کہ موضحہ میں نصف عشر یعنی بیسواں واجب ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سے کم کے عواقل متحمل نہ ہوں گے۔

کتنی مقدار قلیل ہے، جنایت کرنے والے کے مال میں کب فیصلہ کیا جائے گا

قال وما نقص من ذلك يكون في مال الجاني والقياس فيه التسوية بين القليل والكثير فيجب الكل على العاقلة كما ذهب اليه الشافعي او التسوية في ان لا يجب على العاقلة شئى الا انا تركناه بما رويناه وبما روى انه عليه السلام اوجب ارش الجنين على العاقلة وهو نصف عشر بدل الرجل على ما مر في الديات فما دونه يسلك به مسلك الاموال لانه يجب بالتحكيم كما يجب ضمان المال بالتقويم فلهذا كان في مال الجاني اخذاً بالقياس.

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا اور جو اس سے کم ہو وہ مجرم کے مال میں ہوگا اور قیاس اس میں قلیل وکثیر کے درمیان برابری تھا تو پوری دیت عاقلہ پر واجب ہوتی جیسے اس کی جانب شافعیؒ گئے ہیں یا برابری کرنا اس بارے میں کہ عاقلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا ہم نے اس کو چھوڑ دیا اس روایت کی وجہ سے جس کو ہم روایت کرچکے ہیں اور اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جنین کے ارش کو عاقلہ پر واجب کیا ہے اور وہ (ارش الجنین) مرد کی دیت کا نصف عشر ہے اس تفصیل کے مطابق جو کتاب الدیات میں گذر چکی ہے۔

پس جو اس سے کم ہو اس کو اموال کے درجہ میں رکھا جائے گا اس لئے کہ یہ (اس سے کم) حکم کے فیصلہ سے واجب ہوگا جیسے مال کا ضمان تقویم کی وجہ سے واجب ہوتا ہے پس اس وجہ سے وہ (نصف عشر سے کم) مجرم کے مال میں ہوگا قیاس پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح..... نصف عشر سے جو کم ہے وہ عاقلہ پر نہیں بلکہ قاتل کے مال میں واجب ہے۔

کیونکہ قیاس تو یہاں متعارض ہیں ایک قیاس چاہتا ہے کہ قلیل و کثیر کے درمیان فرق کئے بغیر سب دیت عاقلہ پر واجب ہو اور دوسرا قیاس چاہتا ہے کہ عاقلہ پر بالکل واجب نہ ہو بلکہ سب قاتل پر واجب ہو۔

اس لئے ہم نے قیاسوں کو چھوڑ کر نص پر عمل کیا ہے۔

اور نص مذکور سے صاف معلوم ہو گیا کہ نصف عشر سے کم کا ذمہ دار قاتل ہے۔

اور دوسری حدیث یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عاقلہ پر جنین کے ارش کو واجب کیا جو مرد کی دیت کا ۱/۲۰ ہے تو جو مقدار اس سے کم ہو گی اس کو اموال کے درجہ میں رکھا جائے گا کیونکہ جس طرح مال کا ضمان تقویم سے واجب ہوتا ہے اسی طرح نصف عشر سے کم تحکیم سے واجب ہوتا ہے لہٰذا اس کو مجرم کے مال میں واجب کر دیا جائے گا۔

عاقلہ کن امور کی جنایت کا تحمل نہیں کرتی

قال ولا تعقل العاقلة جناية العبد ولا مالزم بالصلح اوباعتراف الجاني لما رويناه ولانه لاتنا صر بالعبد والاقرار والصلح لا يلزمان العاقلة لقصور الولاية عنهم قال الا ان يصدقوه لانه ثبت بتصادقهم والامتناع كان لحقهم ولهم ولاية على انفسهم

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا اور عاقلہ غلام کی جنایت کی دیت ادا نہیں کریں گے اور نہ وہ مال جو صلح سے یا مجرم کے اعتراف سے لازم ہوا ہے اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم روایت کر چکے ہیں اور اس لئے کہ غلام کی وجہ سے تناصر نہیں ہوتا اور اقرار اور صلح عاقلہ پر لازم نہ ہوں گے ان کے اوپر ولایت کے قصور کی وجہ سے قدوریؒ نے فرمایا مگر یہ کہ عاقلہ اس کی تصدیق کر دے کہ وجوب ان کی تصدیق سے ثابت ہوا ہے اور وجوب کا ممتنع ہونا ان کے حق کی وجہ سے تھا اور عاقلہ کو اپنے نفس پر ولایت ہے۔

تشریح..... یہ وہی باتیں ہیں جو گذشتہ متن میں حدیث کے اندر گذری ہیں جو بالکل سہل ہے۔

قتل خطاء کی دیت کس صورت میں عاقلہ پر ہوتی ہے اور کس صورت میں قاتل پر ہوتی ہے

ومن اقر بقتل خطا ولم يرفعوا الى القاضي الابعد سنين قضى عليه بالدية في ماله في ثلاث سنين من يوم يقضى لان التاجيل من وقت القضاء في الثابت بالبينة ففي الثابت بالاقرار اولى

ترجمہ..... اور جس نے قتل خطاء کا اقرار کیا اور انہوں نے مسئلہ قتل کو قاضی کی جانب نہیں اٹھایا مگر چند سالوں کے بعد تو قاتل پر اس کے مال میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا تین سالوں کے اندر اس دن سے جس دن سے فیصلہ کیا جائے اس لئے کہ تاجیل قضاء کے وقت سے ہوتی ہے اس قتل کے اندر جو بینہ سے ثابت ہو پس جو قتل اقرار سے ثابت ہوا ہو اس میں بدرجہ اولیٰ۔

تشریح ... قتل خطاء میں دیت عاقلہ پرواجب ہوتی ہے جب کہ قتل کا ثبوت بینہ سے ہو اور اگر خود قاتل کے اقرار سے ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوتی ہے اور دونوں صورتوں میں دیت کی ادائیگی تین سالوں میں ہوگی اور مدت کا آغاز قاضی کے فیصلہ کے وقت سے ہوگا لہذا اگر کسی نے قتل کا اقرار کیا یعنی خطاء کا اور چند سالوں تک یہ مقدمہ قاضی کے پاس نہ پہنچ سکا اور کئی سال کے بعد اب یہ مقدمہ قاضی کے یہاں پہنچا ہے تو قاضی نے قاتل کے مال میں دیت کا فیصلہ کر دیا تو اس دیت کی ادائے گی تین سالوں میں ہوگی اور مدت کا آغاز اب فیصلہ کے وقت سے ہوگا نہ کہ قتل کے وقت سے۔

اقرار قاتل عاقلہ پر حجت نہیں اسی طرح قاتل اور ولی جنایت کا اتفاق بھی حجت نہیں

ولو تصادق القاتل وولي الجناية على ان قاضي بلد كذا قضى بالدية على عاقلته بالكوفة بالبينة و كذبهما العاقلة فلا شئي على العاقلة لان تصادقهما ليس بحجة عليهم ولم يكن عليه شئي في ماله لان الدية بتصادقهما تقررت على العاقلة بالقضاء وتصادقهما حجة في حقهما بخلاف الاول الا ان يكون له عطاء معهم فحينئذ يلزمه بقدر حصته لانه في حق حصته مقر على نفسه وفي حق العاقلة مقر عليهم.

ترجمہ ... اور اگر قاتل اور ولی جنایت دونوں نے اتفاق کر لیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے قاتل کے اس عاقلہ پر جو کوفہ میں ہے بینہ کے ذریعہ دیت کا فیصلہ کر دیا اور عاقلہ نے ان دونوں کی تکذیب کی تو عاقلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اس لئے کہ ان دونوں کا (قاتل اور ولی جنایت کا) اتفاق عاقلہ پر حجت نہیں ہے اور قاتل پر اس کے مال میں کچھ نہ ہوگا اس لئے کہ دیت ان دونوں کے اتفاق سے عاقلہ پر قضاء قاضی سے متقرر ہوتی ہے اور ان دونوں کا اتفاق ان دونوں کے حق میں حجت ہے، بخلاف اول کے مگر یہ کہ قاتل کے لئے عاقلہ کے ساتھ عطا ہو تو اس وقت قاتل پر اپنے حصہ کے بقدر لازم ہوگا اس لئے کہ وہ اپنے حصہ کے بقدر اپنے نفس پر اقرار کرنے والا ہے اور عاقلہ کے حق میں ان کے خلاف اقرار کرنے والا ہے۔

تشریح ... عاقلہ پر قاتل کا اقرار حجت نہیں ہے تو قاتل اور ولی جنایت کا اتفاق بھی عاقلہ پر حجت نہ ہوگا۔

لہذا اگر ان دونوں نے اتفاق کر لیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے قاتل کے عاقلہ پر گواہوں کے ساتھ وجوب دیت کا فیصلہ کیا ہے اور عاقلہ ان دونوں کی تکذیب کرتے ہیں تو عاقلہ پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ ان دونوں کا اتفاق عاقلہ پر حجت نہیں ہے ہاں اگر قاتل اہل عطا میں سے ہے تو چونکہ وہ عاقلہ میں سے ایک کے مثل ہے لہذا اس پر اپنے حصہ کے بقدر دیت لازم ہوگی کیونکہ انسان اپنے اقرار میں خود ماخوذ ہوتا ہے اور دوسرے پر اس کا اقرار حجت نہیں ہے۔

اور اگر قاتل اہل عطا میں سے نہ ہو تو قاتل پر بھی کچھ لازم نہیں ہے؟

بخلاف الاول ... یعنی جب قاتل نے خود خطاء کا اقرار کر لیا ہو تو دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی عاقلہ پر واجب نہ ہوگی۔

تو اب سوال پیدا ہوا کہ یہاں قاتل پر دیت واجب کیوں کی گئی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار والی صورت میں خود اس کا اقرار ہے کہ میں نے قتل کیا ہے تو وہ اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا اور صورت موجودہ میں ولی مقتول قاتل پر اور اس کے عاقلہ پر وجوب دیت کا مدعی ہے اور قاتل بھی اس سے اتفاق کرتا ہے مگر عاقلہ پر یہ دیت

واجب نہ ہوسکی تو چونکہ قاتل بھی عاقلہ میں سے ایک ہے تو اس پر بھی دیت واجب نہ ہوگی اور خالص اس کی طرف سے اقرار ہے نہیں۔
ہاں اگر یہ اہل عطاء میں سے ہو تو اس کو مقر کے درجہ میں اتار کر اس کے حصہ کے بقدر دیت واجب کردی جائے گی۔

آزاد نے غلام پر زیادتی کی پھر غلطی سے قتل کردیا تو قتل کا بدلہ کیا اور کس طرح ہوگا؟

قال واذا جنى الحر على العبد فقتله خطأً كان على عاقلته قيمته لانه بدل النفس على ماعرف من اصلنا وفي احد قولي الشافعي تجب في ماله لانه بدل المال عنده ولهذا يوجب قيمته بالغة ما بلغت

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا اور جب کہ آزاد نے غلام پر جنایت کی پس اس کو خطاً قتل کردیا تو قاتل کے عاقلہ پر غلام کی قیمت ہو گی اس لئے کہ قیمت نفس کا بدل ہے اس تفصیل کے مطابق جو ہماری اصل معروف ہے اور شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک پر قیمت قاتل کے مال میں واجب ہے اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک مال کا بدل ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کی قیمت کو واجب کرتے ہیں جو بھی ہو جائے۔

تشریح...... اگر کسی آزاد نے خطاءً کسی غلام کو قتل کردیا تو ہمارے نزدیک قاتل کے عاقلہ پر غلام کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ یہ قیمت نفس کا بدل ہے جو خطاءً قتل کی وجہ سے واجب ہورہی ہے لہٰذا یہ عاقلہ پر واجب ہوگی کیونکہ بدلِ نفس کا وجوب عاقلہ پر ہوتا ہے اور امام شافعیؒ اپنے ایک قول میں فرماتے ہیں کہ قیمت عاقلہ پر نہیں بلکہ قاتل کے مال میں واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ قیمت مالیت کا بدل ہے اور مالیت کا بدل مجرم پر واجب ہوا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ قیمت کو واجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قیمت آزاد کے برابر یا اس سے زیادہ ہوجائے تو اتنی قیمت دی جائے گی جو آزاد کی دیت سے دس دراہم کم ہو یعنی ۹۹۹۰ دراہم دیئے جائیں گے۔

آزاد کی مادون النفس جنایت کا تاوان عاقلہ پر نہیں

وما دون النفس من العبد لا تتحمله العاقلة لانه يسلك به مسلك الاموال عندنا على ماعرف وفي احد قوليه تتحمله العاقلة كما في الحر وقدمر من قبل

ترجمہ...... اور غلام کے مادون النفس کے اندر عاقلہ متحمل نہ ہوں گے اس لئے کہ ہمارے نزدیک گذشتہ تفصیل کے مطابق مادون النفس کے ساتھ اموال کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اس کا تحمل عاقلہ کریں گے جیسے آزاد میں اور یہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

تشریح...... اگر آزاد نے غلام کو قتل نہ کیا ہو بلکہ کوئی عضو وغیرہ خطاً کاٹا ہو تو چونکہ ماقبل میں گذر چکا ہے کہ غلام کا مادون النفس اموال کے درجہ میں ہے اور اموال کا متحمل عاقلہ کے ذمہ نہیں ہے اس لئے اس تاوان کا وجوب مجرم پر ہوگا۔

اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کا بھی تحمل عاقلہ کے ذمہ ہے جیسے اگر آزاد کے ساتھ کوئی ایسی جنایت کی جاتی جو مادون النفس ہے تو اس کا تحمل عاقلہ کے ذمہ تھا تو یہ بھی عاقلہ کے ذمہ ہوگا۔

پھر مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

اس پر صاحبِ نتائج الافکار کہتے ہیں کہ یہ حوالہ صحیح نہیں ہے یعنی یہ بحث ماقبل میں نہیں گذری ہے۔

قاتل کی عاقلہ نہ ہوں تو دیت بیت المال پر ہے

قال اصحابنا ان القاتل اذا لم یکن له عاقلة فالدية في بيت المال لان جماعة المسلمين هم اهل نصرته وليس بعضهم اخص من بعض بذلک ولهذا لومات كان ميراثه لبيت المال فكذا مايلزمه من الغرامة يلزم بيت المال وعن ابي حنيفة رواية شاذة ان الدية في ماله ووجههٗ ان الاصل ان تجب الدية على القاتل لانه بدل متلف والاتلاف منه الا ان العاقلة تتحملها تحقيقا للتخفيف على مامر فاذا لم يكن له عاقلة عاد الحكم الى الاصل

ترجمہ...... ہمارے احبابؒ نے فرمایا ہے کہ قاتل جب کہ اس کے لئے کوئی عاقلہ نہ ہو تو دیت بیت المال میں ہے اس لئے کہ جماعۃِ مسلمین وہی اس کے اہل نصرت ہیں اور نصرت کے سلسلہ میں بعض بعض کے مقابلہ میں اخص نہیں ہے اور اس وجہ سے اگر وہ (جس کا کوئی وارث نہ ہو) مرے تو اس کی میراث بیتُ المال کے لئے ہوگی تو ایسے ہی اس پر جو غرامت لازم ہو وہ بیتُ المال پر لازم ہوگی اور ابوحنیفہؒ سے روایت شاذہ کے ساتھ مروی ہے کہ دیت اس کے مال میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ دیت قاتل پر واجب ہو اس لئے کہ دیت مُتلف کا بدل ہے اور اتلاف قاتل کی جانب سے ہے مگر عاقلہ گذشتہ تفصیل کے مطابق تخفیف کو ثابت کرنے کی غرض سے دیت کا تحمل کرتے ہیں پس جب اس کے لئے عاقلہ نہ ہو تو حکم اصل کی جانب لوٹ آئے گا۔

تشریح...... مادون النفس سے آخری بحث تک مصنفؒ کچھ تفریعات و جزئیات پیش فرماتے ہیں، اور مذکورہ عبارت کا مطلب ترجمہ سے ظاہر ہے۔

ملاعنہ عورت کے بیٹے نے کسی کو قتل کر دیا تو دیت کون اور کس طرح ادا کرے گا

وابن الملاعنة تعقله عاقلة امه لان نسبه ثابت منها دون الاب فان عقلوا عنه ثم ادعاه الاب رجعت عاقلة الام بما ادت على عاقلة الاب في ثلث سنين من يوم يقضي القاضي لعاقلة الام على عاقلة الاب لانه تبين ان الدية واجبة عليهم لان عند الاكذاب ظهران النسب لم يزل كان ثابتا من الاب حيث بطل اللعان بالاكذاب ومتى ظهر من الاصل فقوم الام تحملوا ما كان واجبا على قوم الاب فيرجعون عليهم لانهم مضطرون في ذلک

ترجمہ...... اور ملاعِنہ کا بیٹا اس کی دیت اس کی ماں کا عاقلہ ادا کرے گا اس لئے کہ اس کا نسب ماں سے ثابت ہے نہ کہ باپ سے پس اگر انہوں نے (ماں کے عاقلہ نے) اس کی جانب سے دیت دیدی پھر باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو ماں کا عاقلہ اس دیت کے بارے میں جو اس نے ادا کی ہے باپ کے عاقلہ پر رجوع کرے گا تین سالوں کے اندر جس دن سے قاضی نے ماں کے عاقلہ کے لئے باپ کے عاقلہ پر فیصلہ کیا ہے اس لئے کہ یہ بات واضح ہوگئی کہ دیت ان پر (باپ کے عاقلہ پر) واجب ہے اس لئے کہ اکذاب کے وقت یہ بات ظاہر ہوگئی کہ نسب برابر باپ کی طرف سے ثابت ہے اس وجہ سے کہ اکذاب کی وجہ سے لعان باطل ہو گیا اور جب نسب اصل سے ثابت ہو گیا تو ماں کی قوم نے اس چیز کا تحمل کیا ہے جو کہ باپ کی قوم پر واجب تھا تو یہ ان پر رجوع کریں گے اس لئے کہ یہ اس میں مضطر تھے۔

تشریح...... جب کسی مرد و عورت نے لعان کیا اور قاضی نے بچہ کے نسب کی باپ سے نفی کر دی اور اس کے نسب کو ماں سے ثابت کر دیا تو اب اس کا نسب ماں سے ثابت ہوگا باپ سے نہ ہوگا اب وہ بچہ کوئی جنایت کرتا ہے تو اس کی دیت ماں کے عاقلہ پر واجب ہے لہٰذا انہوں نے قاضی

کے حکم کے مطابق دیت ادا کردی۔

اس کے بعد ملاعن نے اپنی تکذیب کردی اور اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو اب لعان باطل ہو گیا اور بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اگرچہ ظہور اس کا اب ہوا ہے مگر حقیقت میں اس کا نسب شروع ہی سے باپ سے ثابت ہے۔

لہٰذا ماں کے عاقلہ نے جو دیت ادا کی ہے اس کو وہ باپ کے عاقلہ سے واپس لیں گے کیونکہ آپ آمدیتیم برخواست،، مثل مشہور ہے، لیکن باپ کا عاقلہ اس دیت کو ماں کے عاقلہ کے لئے قاضی کے فیصلہ کے وقت سے تین سالوں میں ادا کرے گا۔

کوئی مکاتب اپنا اتنا مال چھوڑ کر مر جائے جس سے اس کا بدل کتابت ادا ہو سکتا اسی عرصے میں جب کہ بدل کتابت ادا نہیں کیا تھا کہ اس کے بیٹے نے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا پھر اس کی آزاد ماں نے اس بیٹے کی طرف سے دیت ادا کردی اس کے بعد باپ کی طرف سے بھی بدل کتابت ادا کر دیا

وكذلك ان مات المكاتب عن وفاء وله ولد حر فلم يود كتابته حتى جنى ابنه وعقل عنه قوم امه ثم اديت الكتابة لانه عند الاداء يتحول ولاؤه الى قوم ابيه من وقت حرية الاب وهو اخر من اجزاء حياته فتبين ان قوم الام عقلوا عنهم فيرجعون عليهم

ترجمہ...... ایسے ہی اگر مکاتب مر جائے اتنا مال چھوڑ کر جو بدلِ کتابت کے لئے کافی ہو اور اس کا ایک آزاد بچہ ہو پس ابھی تک اس کی کتابت ادا نہیں کی گئی یہاں تک کہ اس کے بیٹے نے کوئی جنایت کی اور اس کی ماں کی قوم نے اس کی دیت دیدی پھر کتابت ادا کی گئی اس لئے کہ اداءِ کتابت کے وقت مکاتب کے بیٹے کا ولاء اس بچہ کے باپ کی قوم کی جانب متحول ہو جائے گا باپ کی حریت کی وجہ سے اور وہ وقت باپ کی حیات کے اجزاء میں سے آخری جزء ہے پس یہ بات واضح ہوگئی کہ ماں کی قوم نے ان کی جانب سے دیت ادا کی ہے تو وہ ان پر رجوع کریں گے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی مکاتب نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو اب آزاد ہے پہلے وہ کسی کی باندی تھی مگر اس کے آقاء نے اس کو آزاد کر دیا ہے اب ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ آزاد ہے کما ہو ظاہر۔

ادھر مکاتب مرتا ہے اور اتنا مال چھوڑ کر مرتا ہے جو بدلِ کتابت کے لئے کافی ہو تو وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ آزاد ہوگا مگر ابھی بدلِ کتابت کو چھیڑا نہیں گیا تھا کہ اس مکاتب کے لڑکے نے کوئی جنایت کی اور ماں کے عاقلہ نے اس کی دیت ادا کردی پھر بدلِ کتابت کو ادا کیا گیا تو اب ظہور ہوا کہ مکاتب حریت کی حالت میں مرا ہے تو ماں کی قوم نے جو دیت ادا کی ہے اس کو باپ کے عاقلہ سے وصول کرلیں گے اس دلیل سابق کی وجہ سے جو ابـن المـلاعنه میں گذر چکی ہے، کیونکہ باپ کی حریت کی وجہ سے جو ولاء پہلے ماں کے معتق کو مل رہا تھا اب وہ باپ کی طرف منتقل ہو گیا اور جب باپ کی طرف ولاء منتقل ہو گیا تو اس کی جنایت کی دیت باپ کے عاقلہ پر واجب ہوگی۔

بچہ کوکسی نے قتل کرنے کا حکم دیا اور بچہ نے اس کو قتل کردیا دیت کس پر واجب ہوگی

وكذلك رجل امر صبيا بقتل رجل فقتله فضمنت عاقلة الصبي الدية رجعت بها على عاقلة الامر ان كان الامر ثبت بالبينة وفي مال الآمر ان كان ثبت باقراره في ثلث سنين من يوم يقضي بها القاضي على الامر اوعلى عاقلته لان الديات تجب مؤجلة بطريق التيسير.

ترجمہ — اور ایسے ہی کسی شخص نے بچہ کو کسی شخص کے قتل کا حکم کیا پس بچہ نے اس کو قتل کر دیا پس بچہ کے عاقلہ کو دیت کا ضامن بنایا گیا تو بچہ کا عاقلہ دیت کو آمر کے عاقلہ سے واپس لے گا اگر اس کا امر کرنا بینہ سے ثابت ہوا ہو اور آمر کے مال میں رجوع کریں گے اگر آمر اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو تین سالوں کے اندر جب سے قاضی نے آمر پر دیت کا فیصلہ کیا ہے یا امر عاقلہ پر اس لئے کہ دیات آسانی پیدا کرنے کی غرض سے مؤجل واجب ہوتی ہے۔

تشریح ..... کسی شخص نے کسی بچہ کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو قتل کردے اس نے قتل کر دیا تو بچہ کے عاقلہ پر دیت کا ضمان واجب ہوگا لیکن بچہ کے عاقلہ کو رجوع کا حق ہوگا اب رہی یہ بات کہ رجوع آمر پر کریں گے یا اسکے عاقلہ پر۔

تو اس کے لئے ایک اصول بیان فرمادیا کہ اگر آمر کا آمر ہونا خود آمر کے اقرار سے معلوم ہوا ہو تو آمر کے مال سے اپنی دی ہوئی دیت واپس لیں گے۔

اور اگر اس کا آمر ہونا بینہ سے معلوم ہوا ہو تو دیت کو آمر کے عاقلہ سے واپس لیا جائے گا۔

اور دیت کی واپسی خواہ آمر سے ہو یا اس کے عاقلہ سے بہر دوصورت اس کی ادائیگی تین سالوں میں ہوگی۔

اور اس مدت کا آغاز جب سے ہوگا جب سے قاضی نے یہ حکم کیا ہے کہ یہ مال آمر یا اس کے عاقلہ سے واپس لیا جائے۔

ایک اصول اور اس پر متفرع ہونے والے چند مسائل

قال رضي الله عنه ههنا عدة مسائل ذكرها محمد متفرقة والاصل الذي تخرج عليه ان يقال حال القاتل اذا تبدل حكما فانتقل ولاؤه الى ولاء بسبب امر حادث لم تنتقل جنايته عن الاولى قضي بها اولم يقض وان ظهرت حالة خفية مثل دعوة ولد الملاعنة حولت الجناية الى الاخرى وقع القضاء بها اولم يقع ولو لم يختلف حال الجاني ولكن العاقلة تبدلت كان الاعتبار في ذلك لوقت القضاء فان كان قضي بها على الاولى لم تنتقل الى الثانية وان لم يكن قضي بها على الاولى فانه يقضي بها على الثانية واذا كانت العاقلة واحدة فلحقها زيادة اونقصان اشتركوا في حكم الجناية قبل القضاء وبعده الافيما سبق اداؤه فمن احكم هذا الاصل متأملا يمكنه التخريج فيما ورد عليه من النظائر والاضداد والله اعلم بالصواب.

ترجمہ — حضرت مصنفؒ نے فرمایا کہ یہاں چند مسائل جن کو محمدؒ نے متفرق ذکر کیا ہے اور وہ اصل جس پر مسائل متفرع ہوتے ہیں یہ ہے کہ کہا جائے کہ جب حکما قاتل کی حالت بدل جائے پس اس کا ولاء دوسرے ولاء کی طرف منتقل ہو جائے امر حادث (عتق اب) کے سبب سے تو اس کی جنایت پہلے عاقلہ سے منتقل نہ ہوگی اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہو یا فیصلہ نہ کیا گیا ہو اور گر ایک پوشیدہ حالت ظاہر ہوئی ہو

جیسے مُلاعِنہ کے لڑکے کا دعویٰ کرنا تو جنایت دوسرے عاقلہ کی طرف متحول ہو جائے گی اس پر قضاء قاضی واقع ہو چکی ہو یا واقع نہ ہوئی ہو اور اگر جانی کا حال مختلف نہ ہوا ہو لیکن عاقلہ بدل جائے تو اس میں وقت قضاء کا اعتبار ہوگا پس اگر پہلے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا گیا ہو تو دیت ثانی عاقلہ کی طرف منتقل نہ ہوگی اور اگر دیت کا فیصلہ نہ کیا گیا ہو پہلے عاقلہ پر تو دیت کا فیصلہ دوسرے عاقلہ پر ہوگا اور جب کہ عاقلہ ایک ہو پس اس میں زیادتی یا کمی لاحق ہوئی تو یہ سب جنایت کے حکم میں شریک ہوں گے قضاء سے پہلے اور اس کے بعد مگر اس مقدار کے سلسلہ میں جس کی ادائے گی مقدم ہو چکی ہے پس جس نے تامل کے ساتھ اس اصل کو مضبوط کر دیا تو اس اصل پر جو نظائر و اضداد و پیش آویں ان کی تخریج اس کو ممکن ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح...... یہاں سے مصنفؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے یہاں کچھ جزئیات و مسائل متفرق طور پر بیان فرمائے ہیں۔

لیکن اگر یہاں کا قاعدہ کلیہ ذہن نشین کر لیا جائے تو یہ مسائل اور ان کے نظائر کو اس قاعدہ کلیہ کی روشنی میں سمجھنا آسان ہوگا تو مصنفؒ نے چار اصول بیان کئے ہیں۔

۱- اگر قاتل کی حالت میں تبدیلی آ جائے یعنی اس کا حکم بدل جائے جیسے جَرولاء کی صورت میں تو اس بچہ کا ولاء تو باپ کی طرف منتقل ہو جائے گا لیکن جنایت منتقل نہ ہوگی کیونکہ اصول یہی ہے کہ حکماً قاتل کے تبدل کی صورت میں جنایت پہلے عاقلہ پر برقرار رہتی ہے خواہ قاضی نے دیت کا فیصلہ ابھی کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

لہٰذا اگر کسی کا باپ غلام ہے اور اس کی ماں آزاد ہے اور اس نے کوئی جنایت کی تو ماں کا عاقلہ اس کی دیت دے گا پھر اگر باپ بھی آزاد کر دیا گیا تو ولاء باپ کی طرف منتقل ہو گیا لیکن جنایت منتقل نہ ہوگی۔

اور مکاتب والے مذکورہ مسئلہ میں جنایت کا انتقال اس لئے ہو گیا ہے کہ مکاتب صورتِ مذکورہ میں بوقتِ موت آزاد تھا یعنی جرم کے صدور سے پہلے ہی۔

۲- اگر مجرم کی مخفی اور پوشیدہ حالت منکشف ہو کر ظاہر ہو تو وہاں جنایت پہلے عاقلہ پر برقرار نہیں رہے گی بلکہ دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل ہو جائے گی خواہ قاضی نے دیت کا فیصلہ کر دیا ہو یا نہ کیا ہو۔

جیسے مُلاعِنہ کے لڑکے کے بارے میں ایک حالت خفیہ کا ظہور ہے تو جنایت ملاعن کی قوم کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

۳- اور اگر جانی کی حالت میں تبدیلی نہ ہو بلکہ تبدیلی کے اندر ہو تو اس میں وقت قضاء کا اعتبار ہے، اگر قاضی نے ابھی اول پر فیصلہ دیت کا نہ کیا ہو تو ثانی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور اگر اول پر کر دیا ہے تو بس کر دیا اب اوّل ہی پر دیت واجب ہوگی جیسے اہل کوفہ اور اہل بصرہ کا مسئلہ گذرا ہے۔

۴- اور اگر عاقلہ میں تبدیلی نہیں ہے بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا ہے یا نقصان ہو گیا ہے، اضافہ کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بچہ بالغ ہو گیا ہے۔

اور نقصان کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی مر جائے تو یہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ قضاء قاضی کے بعد اور قضاء قاضی سے پہلے بہر صورت حکم کے اندر سب شریک ہوں گے البتہ جو مقدار ادا کی جا چکی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے پس جو ادا کی جا چکی ہے تو کی جا چکی ہے

اس میں اب کوئی شریک نہ ہوگا۔

پھر مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ جزل پوائنٹ ہے جو اس میں غور کرے گا اور اس کو ذہن نشین رکھے گا تو وہ اس اصولِ کلی پر پیش آنے والے نظائر و اضداد کے حکم کی تخریج آسانی سے کرسکتا ہے۔

کتاب الوصایا

ترجمہ...... یہ کتاب وصیت کے بیان میں ہے

بابٌ فی صفة الوصیة ما یجوز من ذلک وما یستحب منه وما یکون رجوعا عنه

ترجمہ...... یہ کتاب وصیتوں کے بیان میں ہے۔ یہ باب ہے وصیت کی صفت اور جو عقد وصیت جائز اور مستحب ہے اور جو قول کہ وصیت سے رجوع ہوجاتا ہے (ان سب کے بیان میں)

تشریح...... مُوصی۔ وصیت کرنے والا، موصیٰ لہٗ وہ شخص جس کے واسطے وصیت کی جائے، موصیٰ بہ۔ وہ چیز جس کی وصیت کی جائے۔

پھر وصیت کے واسطے چند شرائط ہیں

۱- موصی کو یہ اہلیت ہو کہ وہ کسی پر تبرع و احسان کرسکتا ہو۔

۲- مُوصی مقروض نہ ہو۔

۳- بوقت وصیت موصیٰ لہٗ زندہ ہو اگرچہ وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا ہو یعنی جنین کے واسطے بھی وصیت جائز ہے بشرطیکہ وہ وصیت کے وقت یقیناً پیٹ میں موجود ہو یعنی وصیت سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہوجائے۔

۴- موصیٰ لہٗ موصی کا وارث نہ ہو۔

۵- موصیٰ لہٗ موصی کا قاتل نہ ہو۔

۶- موصیٰ بہ قابل تملیک ہو۔

۷- ترکہ کی تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ ہو۔ اور وصیت کا حکم یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ موصیٰ بہ کا بملک جدید مالک ہوجاتا ہے جیسے ہبہ کی صورت میں موہوب لہٗ مالک ہوجاتا ہے اور موصی موصیٰ لہٗ کا قائم مقام ہوجاتا ہے۔

تنبیہ-۱...... انسان کا آخری مرحلہ موت ہے اور وصیت موت کے وقت کا معاملہ ہے اس وجہ سے اس کو کتاب کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

اور کتاب الجنایات اور کتاب الدیات سے بھی اس کی مناسبت ہے۔ کیونکہ جنایات بسا اوقات موت کا ذریعہ ہوتی ہیں اس وجہ سے اس کو کتاب الجنایات اور کتاب الدیات کے بعد بیان کیا گیا۔

تنبیہ-۲...... وصیت اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے پھر موصٰی بہ کو وصیت کہنے لگے والوصیۃ فی الشریعة تملیکٌ مضافٌ الیٰ بعد الموتِ بطریق التبرّع۔

وصیت کی شرعی حیثیت

قال الوصية غير واجبة وهي مستحبة والقياس يابى جوازها لانه تمليك مضاف الى حال زوال مالكيته ولو اضيف الى حال قيامها بان قيل ملكتك غدا كان باطلا فهذا اولى الا انا استحسناه لحاجة الناس اليها فان الانسان مغرور باماله مقصر في عمله فاذا عرض له المرض وخاف البيات يحتاج الى تلافي بعض ما فرط منه من التفريط بماله على وجه لو مضى فيه يتحقق مقصده المالي ولو انهضه البرء يصرفه الى مطلبه الحالي وفي شرع الوصية ذلک فشرعناه ومثله في الاجارة بيناه

ترجمہ ..... قدوری نے فرمایا کہ وصیت واجب نہیں مستحب ہے اور قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے اس لئے کہ وصیت ایسی تملیک ہے جو اس کی مالکیت کے زوال کے وقت کی جانب مضاف ہے اور اگر اس تملیک کی اضافت مالکیت کے قیام کے وقت کی جانب کی جائے اس طریقہ پر کہ کہا جائے میں نے تجھ کو کل مالک بنادیا، تو یہ باطل ہے پس یہ بدرجہ اولی مگر ہم نے وصیت کو بناء پر استحسان جائز قرار دیا وصیت کی جانب لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اس لئے کہ انسان اپنی امید کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اپنے عمل میں کوتاہی کر دیتا ہے پس جب اس کو مرض عارض ہو گیا اور وہ ہلاکت سے ڈرا تو وہ اس کوتاہی کے تدارک کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی جانب سے مقدم ہو چکی ہیں اپنے مال کے ذریعہ اس طریقہ پر کہ اگر وہ اس مرض میں مر گیا تو اس کا اخروی مقصد متحقق ہو جائے گا اور اگر صحت نے اس کو اٹھا دیا تو وہ اس مال کو دنیوی مقصد میں صرف کرے گا اور وصیت کے مشروع کرنے میں یہ مقصد حاصل ہے تو اس کو ہم نے مشروع قرار دیا اور اسی کے مثل اجارہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ..... وصیت واجب نہیں البتہ بقول مصنفؒ مستحب ہے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت جائز ہی نہ ہو۔

اس لئے کہ مُوصی موصیٰ لہ کو ایسے وقت مالک بناتا ہے جب کہ مُوصی خود بھی مالک نہیں ہے، اور اگر کسی شخص کی ملکیت برقرار ہے مگر وہ ملکیت کی اضافت آئندہ زمانہ کی طرف کر دے اور یوں کہے کہ میں نے تجھے اس چیز کا کل آئندہ مالک بنا دیا تو یہ تملیک باطل ہے، حالانکہ مملک کی ملکیت آج بھی ہے اور کل بھی، اس کے باوجود اسکو باطل قرار دیا گیا ہے۔

تو جہاں مرنے کے بعد ملکیت ہی نہیں رہتی وہ بدرجہ اولیٰ باطل ہونی چاہئے۔

بہر حال قیاس کا تقاضہ تھا، لیکن قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا گیا ہے اور اس کو جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے، جیسے لوگوں کو اجارہ کی حاجت ہے اگر چہ قیاس اس کے عدم جواز کا تقاضہ کرتا ہے مگر بناء پر استحسان جیسے اجارہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اسی طرح وصیت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کو امیدوں نے گھیر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت سی کوتاہیاں کر دیتا ہے لیکن جب مرض میں پھنسا تو اب اس کو ندامت ہوئی تو شریعت نے اس کو اجازت دی کہ امیدوں کے چکر میں مال کے **متعلق** جو کوتاہیاں صادر ہوئی ہیں ان کی تلافی کر دے، اگر وہ اس مرض میں مر جائے تو اخروی مقصد پورا ہو جائے اور اگر نہ مرے تو دینوی مقاصد میں ابھی اس کو استعمال کر کے فائدہ اٹھائے۔

اور وصیت کے اندر بھی یہی ہوتا ہے اس وجہ سے وصیت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

دلیل قیاسی

وقد تبقى المالكية بعد الموت باعتبار الحاجة كما فى قدر التجهيز والدين وقد نطق به الكتاب وهو قول الله تعالى من بعد وصية يوصى بها او دين والسنة وهو قول النبى عليه السلام ان الله تعالى تصدق عليكم بثلث اموالكم فى اخرا عماركم زيادة لكم فى اعمالكم تضعونها حيث شئتم اوقال حيث اجبتم وعليه اجماع الامة ثم تصح للاجنبى فى الثلث من غير اجازة الورثة لمارويناوسنبين ما هو الافضل فيه ان شاء الله تعالى

ترجمہ...... اور ملکیت باقی رہتی ہے موت کے بعد حاجت کے اعتبار سے جیسے تجہیز اور قرض کی مقدار میں اور کتاب اللہ اس کے جواز کے متعلق ناطق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ،من بعد وصية يوصى بها او دين، اور اس کے جواز کے متعلق سنت ناطق ہے اور وہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے او پر تمہاری آخری عمروں میں تمہارے ثلث مال کا صدقہ کر دیا تمہارے اعمال کی زیادتی کی غرض سے جہاں تم چاہو اس کو خرچ کر دیا فرمایا، حَیْثُ اَجبتُم اور جواز وصیت کے او پر اجماع منعقد ہو چکا ہے پھر وصیت صحیح ہے اجنبی کے لئے ثلث کے اندر ورثہ کی اجازت کے بغیر اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم روایت کر چکے ہیں اور ہم عنقریب بیان کریں گے اس طریقہ کو جو وصیت کے سلسلہ میں افضل ہے اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔

تشریح...... اور قیاس کی دلیل میں جو یہ کہا گیا کہ موصی کی موت کے بعد اس کی حاجت و مالکیت باقی نہیں رہتی تو اس کا جواب دیا کہ جتنی میت کو ضرورت ہے وہاں تک میت کی مالکیت باقی رہتی ہے اسی وجہ سے تجہیز و تکفین اور اداءِ دین کو سب سے مقدم رکھا جاتا ہے کیونکہ اس میں میت کی ضرورت ہے (وبيناهُ فى درس السراجى)۔

اور قرآن وحدیث سے وصیت کا جواز ثابت ہے۔

فرمان باری ہے، فَان كَانَ لَهُ اِخوةٌ فَلاُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعدِ وصِيَّةٍ يُوصى بِهَا اَودَين یعنی اگر میت کے (دو یا اس سے زیادہ) بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ کے بعد وصیت یا بعد اداءِ قرض) یعنی جس قدر وارثوں کے حصے گزر چکے ہیں یہ سب میت کی وصیت اور اس کے قرض کو جدا کر لینے کے بعد وارثوں کو دئے جائیں گے اور وارثوں کا مال وہ بقیہ ہوگا جو مقدار وصیت وقرض کے نکال لینے کے بعد باقی رہے گا اور نصف اور ثلث وغیرہ اسی باقی کا مراد ہے نہ تمام مال کا۔

اسی طرح حدیث سے بھی وصیت کا جواز ثابت ہے جو حدیث متن میں مذکور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اموال کا ثلث تم پر صدقہ کر دیا جب کہ آپ کی زندگی کے آخری لمحات آئیں تا کہ اس مال کی بدولت تمہارے اعمال میں اضافہ ہو سکے اور تم اپنی دینی ضروریات میں جہاں چاہو اس کو خرچ کر سکو، یہاں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ،تضعُونها حيث شئتم اور ایک میں یہ الفاظ ہیں حیث اجبتم اور جواز وصیت پر امت کا جماع ہے۔

پھر ثلث مال میں جوازِ وصیت کے لئے ورثہ کی اجازت درکار نہیں ہے جب کہ وصیت کسی وارث کے لئے نہ ہو بلکہ کسی اجنبی کے واسطے ہو۔

تنبیہ-۱...... وصیت کی چار قسمیں ہیں:-

۱- واجب جیسے زکوٰۃ وکفارات کے حق میں۔

۲- مکروہ فساق وفجار کے لئے۔

۳- مباح مال دار کے لئے۔

۴- اوران کے علاوہ میں اگر کوئی عارضِ مُبطِل نہ ہوتو مستحب ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے شامی ص ۴۱۵، ج ۵۔

میت اپنے کتنے مال تک کسی کو وصیت کرسکتا ہے

قال ولا تجوز بما زاد على الثلث لقول النبى عليه السلام فى حديث سعد بن ابى وقاص رضى الله عنه الثلث والثلث كثير بعد ما نفى وصيته بالكل والنصف ولانه حق الورثة وهذا لانه انعقد سبب الزوال اليهم وهو استغناؤه عن المال فاوجب تعلق حقهم به الا ان الشرع لم يظهره فى حق الاجانب بقدر الثلث ليتدارك تقصيره على ما بيناه واظهره فى حق الورثة لان الظاهر انه لا يتصدق به عليهم تحرزا عما يتفق من الايثار على ما نبينه وقد جاء فى الحديث الحيف فى الوصية من اكبر الكبائر وفسروه بالزيادة على الثلث وبالوصية للوارث.

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور وصیت جائز نہیں ہے اس مقدار کے ساتھ جو ثلث پر زیادہ ہو نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے سعد بن ابی وقاص رضی عنہ اللہ کی حدیث میں پر تہائی تک اور تہائی زیادہ ہے، یہ اس کے بعد فرمایا تھا جب کہ آپ ﷺ ان کی کل اور نصف کی وصیت کی نفی فرما چکے تھے اور اس لئے کہ مال ورثہ کا حق ہے اور یہ اس لئے کہ ورثہ کی جانب زوال کا سبب منعقد ہو چکا ہے اور وہ سبب موصی کا مال سے مستغنی ہونا ہے یہ استغناء اس مال کے ساتھ ان کا حق متعلق ہونے کو ثابت کرے گا مگر شریعت نے تہائی مقدار میں اجانب کے حق میں اس استغناء کو ظاہر نہیں کیا تا کہ ہمارے مذکورہ بیان کے مطابق مُوصی کی کوتاہی کا تدارک ہو سکے اور ورثہ کے حق میں استغناء کو ظاہر کیا ہے اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ موصی ثلث کا ورثہ پر صدقہ نہیں کرے گا احتراز کرتے ہوئے اس ایثار سے جو اتفاقاً واقع ہو رہا ہے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کریں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ وصیت کے اندر ظلم اکبرالکبائر میں سے ہے اور علماء نے حیف کی تفسیرِ ثلث سے زیادہ اور وارث کے لئے وصیت سے کی ہے۔

تشریح ...... مریض موت کا حق تہائی مال تک ہے لہٰذا ایک تہائی تک وہ تصرف کرسکتا ہے اس سے زیادہ میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تفصیلی واقعہ موجود ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے پورے مال کی وصیت سے اور نصف کی وصیت سے منع فرمایا تھا بس ثلث کے اندر وصیت کرنے کی اجازت دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی یہ فرمایا تھا کہ ایسے ثلث بھی زیادہ ہے۔

پھر جب مالک (مریض موت) اس مرحلہ پر پہنچ گیا تو اب وہ مال سے مستغنی ہوگیا اور اس کا مال سے مستغنی ہونا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ اس مال کے ساتھ اس کے ورثہ کا حق متعلق ہو جائے لہذا اس مال کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوگیا اور ایسا سبب منعقد ہوگیا کہ

یہ مال ورثہ کی جانب منتقل ہو جائے۔

ورثہ کے حق کا اس مال کے ساتھ تعلق اس بات کو مقتضی ہے کہ تہائی کے اندر بھی اس کا تصرف نافذ نہ ہومگر اسی دلیل مذکور کی وجہ سے اس جانب کے حق میں تصرف وصیت کی اجازت دے دی گئی تا کہ اصل مالک کی جانب سے متحقق ہونے والی تقصیر دیت کا تدارک ہو سکے۔

لہذا ہم نے موصی کے استغناء کو مقدار ثلث میں اجانب کے حق میں ظاہر نہیں کیا۔

البتہ اگر ورثہ میں سے کسی کے لئے وصیت کرتا ہے تو پھر یہ استغناء ظاہر ہوگا اور اس کا یہ تصرف نافذ نہ ہوگا۔

ورنہ یہاں بعض ورثہ کی تاذّی لازم آئے گی کیونکہ جب مورث بعض ورثہ کو وصیت کرے گا اور بعض کو نہ کرے گا تو بعض کو بعض پر ترجیح دے گا جو بعض کی تاذّی اور تکلیف کا سبب بنے گا تو اس صورت میں اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ ایثار لازم آتا ہے لہذا اس کو سرے ہی سے ناجائز قرار دیا۔

اور حدیث کے اندر فرمایا گیا ہے کہ حیف اکبر الکبائر میں سے ہے یعنی بہت بڑا پاپ ہے۔

اور حیف کی تفسیر یہ ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے یا وارث کے لئے وصیت کرے۔

ایک تہائی سے زیادہ وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے

قال الا ان یجیزھا الورثة بعد موته وھم کبار لان الامتناع لحقھم وھم اسقطوه

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا مگر یہ کہ ورثہ اس کی (ثلث سے زیادہ کی) اجازت دے دیں موصی کے مرنے کے بعد حالانکہ وہ بڑے ہوں اس لئے کہ امتناع ان کے حق کی وجہ سے ہے اور انہوں نے اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے۔

تشریح...... یعنی ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر مریض نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی اور اس کے مرنے کے بعد ورثہ نے اس کی اجازت دیدی اور ورثہ بالغ ہوں تو پھر جائز ہے اس لئے کہ اس وصیت کا ممتنع ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے تھا اور جب انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا تو جائز ہے۔

ورثہ کی اجازت کا کب اعتبار ہوگا؟

ولا معتبر باجازتھم فی حال حیاته لانھا قبل ثبوت الحق اذا لحق یثبت عند الموت فکان لھم ان یردوه بعد وفاته بخلاف ما بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق فلیس لھم ان یرجعوا عنه لان الساقط متلاش

ترجمہ...... اور موصی کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ (اس کی زندگی میں اجازت) ثبوت حق سے پہلے ہے اس لئے کہ ورثہ کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے اور ورثہ کو حق ہوگا کہ وہ موصی کی وفات کے بعد اس اجازت کو رد کر دیں بخلاف ما بعد الموت کے اس لئے کہ یہ اجازت ثبوتِ حق کے بعد ہے تو ورثہ کو اس سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ ساقط معدوم ہے۔

تشریح...... اگر ورثہ نے مقدار ثلث سے زیادہ وصیت کی اجازت دے دی تو جائز ہے مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ورثہ کی

اجازت موصی کی موت کے بعد ہے تو اجازت درست ہے اور اب ورثہ کو اپنی اجازت سے پھرنے کا حق نہیں ہے اور اگر ورثہ کی اجازت موصی کی زندگی میں ہو تو ابھی اس اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ ورثہ کو بعد موتِ مُوصی اس اجازت سے پھرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ موتِ مُوصی سے پہلے ورثہ کا حق ثابت ہی نہیں ہوا تو اجازت بھی ان کی معتبر نہ ہوگی لیکن موت کے بعد ان کا حق ثابت ہو گیا تو جب انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا یعنی اجازت دے دی تو اب حق ساقط ہو گیا اور جو ساقط ہو گیا وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہو گیا۔

غایۃ البیان میں لان الساقط متلاش کا تعلق موصی کی حیات میں اجازت دینے سے کیا ہے یعنی اس وقت میں ورثہ کی اجازت ساقط ہے اور ساقط معدوم کے درجہ میں ہے اور جب وہ معدوم کے درجہ میں ہے تو اس اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہٰذا ورثہ کو اس کی تردید کا حق ہے۔

سوال مقدر کا جواب

غاية الامر انه يستند عند الاجازة لكن الاستناد يظهر في حق القائم وهذا قد مضى وتلاشى

ترجمہ...... غایۃ الامر یہ ہے کہ حق کا استناد بوقتِ اجازت ہوگا لیکن استناد تو امر موجود میں ظاہر ہوتا ہے حالانکہ یہ (قبل الموت کی اجازت) گزر گئی اور معدوم ہوگئی ہے۔

تشریح...... یہ حقیقت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال...... موت سے پہلے ورثہ نے جو اجازت دی تھی وہ بھی اپنے حق میں دی تھی، کیونکہ میت کے مال میں ورثہ کا جو حق ہے وہ مرضِ موت کے وقت سے ہے تو جب بطریقِ استناد بوقتِ اجازتِ ورثہ ان کا حق ثابت ہو گیا تو ان کی اجازت معتبر ہونی چاہئے جیسے غصب میں؟

جواب...... اگر چہ وارثوں کا حق میت کے ابتدائی مرض ہی سے اس مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے لیکن ایک تو ان کو تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ استناد کے لئے اس چیز کی بقاء کی ضرورت ہے جس کو بطریق استناد ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور وہ اجازت ہے حالانکہ جو اجازت قبل الموت دی گئی تھی اب وہ معدوم ہو چکی ہے لہٰذا بطریق استناد بھی اس اجازت کا ثبوت نہ ہو سکے گا۔

مذکورہ جواب کی مزید وضاحت

ولان الحقيقة تثبت عند الموت وقبله يثبت مجرد الحق فلو استند من كل وجه ينقلب حقيقة قبله والرضا ببطلان الحق لا يكون رضا ببطلان الحقيقة

ترجمہ...... اور اس لئے کہ ملکِ حقیقی موت کے وقت ثابت ہوتی ہے اور موت سے پہلے محض حق ثابت ہوتا ہے پس اگر ہر ہر اعتبار سے استناد ثابت ہو جائے تو حق حقیقت سے بدل جائے گا موت سے پہلے ہی اور بُطلانِ حق سے راضی ہونا بُطلانِ حقیقت سے راضی ہونا

نہیں ہے۔

تشریح ..... موت سے پہلے ورثہ کو صرف حق ملک ہے اور ملکِ حقیقی وہ مُوصی کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہے اور اگر آپ بطریق استناد اجازت کو قبل الموت ثابت کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ موتِ موصی سے پہلے ہی حق مِلک ملک حقیقی سے بدل جائے حالانکہ یہ باطل ہے اور ورثہ نے موت سے پہلے اجازت دے کر حق ملک کو باطل کیا ہے لیکن حق ملک کے بطلان سے ملک حقیقی کا بُطلان نہیں ہوتا۔

وارث کیلئے وصیت کی شرعی حیثیت

وكذلك ان كانت الوصية للوارث واجازت البقيه فحكمه ما ذكرنا وكل ما جاز باجازة الوارث يتملكه المجازله من قبل الموصى عندنا وعند الشافعي من قبل الوارث والصحيح قولنا لان السبب صدر من الموصى والاجازة رفع المانع وليس من شرطه القبض وصار كالمرتهن اذا اجاز بيع الراهن.

ترجمہ ..... اور ایسے ہی اگر وصیت وارث کے لئے ہو اور بقیہ ورثہ نے اجازت دے دی ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں اور وہ تصرف جو وارث کی اجازت سے جائز ہوا ہو تو مجازلہٗ ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے اس کا مالک ہوگا اور شافعیؒ کے نزدیک وارث کی جانب سے اور صحیح ہمارا قول ہے اس لئے کہ سبب مُوصی کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اجازت تو مانع کو اٹھا دینا ہے اور اس کی (ازالہ مانع کی) شرط قبضہ نہیں ہے اور ایسا ہو گیا جیسے مرتہن جب کہ وہ راہن کی بیع کی اجازت دیدے۔

تشریح ..... اگر بجائے تہائی سے زیادہ وصیت کرنے کے موصی نے ورثہ کے لئے وصیت کر دی تو بھی یہی حکم ہے یعنی باقی ورثہ کی اجازت موقوف ہے، اب اس میں سوال یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ جو مالک بنا ہے تو موصی کی طرف سے بنا ہے یا وارث کی، ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے مالک بنا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک وارث کی طرف سے۔

اس پر مصنفؒ نے فرمایا کہ ہمارا قول صحیح ہے اس لئے کہ سبب ملک تو موصی کی جانب سے صادر ہوا ہے کیونکہ وصیت اس نے کی ہے البتہ ان دونوں صورتوں میں اس سبب کے کارگر ہونے کے لئے مانع کو دور کر دینا شرط ہے اور مانع ورثہ کے حق کا اسقاط ہے اور حکم کی اضافت سبب کی جانب ہوئی شرط کی طرف نہیں (الا ان یمنع مانع)

سوال ..... امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب ورثہ کی طرف مانع کا ازالہ پایا گیا ہے تو ضروری ہے کہ ورثہ کا قبضہ بھی ہو حالانکہ ابھی اس مال پر ورثہ کا قبضہ نہیں ہے تو پھر ازالہ مانع اور رفع مانع کیسے درست ہو گیا؟

جواب ..... حضرت ازالۂ مانع کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے لہٰذا یہ اعتراض ہی بے بنیاد ہے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ ملکیت کا اثبات موصی کی طرف سے ہے۔

اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے راہن مرہون کو بیچ دے تو یہ بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے لیکن جب مرتہن نے بیع کی اجازت دیدی تو بیع کا ثبوت راہن کی طرف سے ہوگا نہ کہ مرتہن کی۔

قاتل کیلئے وصیت کرنا کیسا ہے

قال ولا تجوز للقاتل عامدا كان او خاطئاً بعد ان كان مباشراً لقوله عليه السلام لا وصية للقاتل ولانه استعجل ما اخره الله تعالى فيحرم الوصية كما يحرم الميراث وقال الشافعي تجوز للقاتل وعلى هذا الخلاف اذا اوصى لرجل ثم انه قتل الموصي تبطل الوصية عندنا وعنده لاتبطل والحجة عليه في الفصلين ما قلناه

ترجمہ ..... قدوری نے فرمایا اور قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں ہے خواہ عمداً قتل کرے یا خطاءً بعد اس کے کہ وہ مباشر ہو نبی علیہ السلام کے فرمان لا وصیۃ لـــو ارث کی وجہ سے اور اس لئے کہ قاتل نے جلدی لینا چاہا اس چیز کو جس کو شریعت نے مؤخر کیا ہے تو اس کو وصیت سے محروم کردیا جائے گا جیسے وہ میراث سے محروم کردیا جاتا ہے اور شافعیؒ نے فرمایا کہ قاتل کے لئے وصیت جائز ہے، اور اسی اختلاف پر ہے جب کہ کسی شخص کے لئے وصیت کی ہو پھر اس شخص نے موصی کو قتل کردیا ہو تو ہمارے نزدیک وصیت باطل ہو جاتی ہے اور شافعیؒ کے نزدیک وصیت باطل نہیں ہوتی، اور دونوں صورتوں میں شافعیؒ کے خلاف حجت وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ..... موانع ارث کا بیان تفصیل سے درس سراجی میں گزر چکا ہے۔

قتل عمداً ہو یا خطاءً وہ مانع ارث ہے اسی طرف جوازِ وصیت سے بھی مانع ہے کیونکہ اس میں صاف حدیث موجود ہے لا وصیۃَ للقاتل۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قاتل موصی کو قتل کر کے مالِ وصیت جلدی لینا چاہتا ہے حالانکہ شریعت نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ مال موصیٰ کی موت کے بعد ملے گا تو ایسے جلد باز کو بالکلیہ محروم کردیا جاتا ہے جیسے اسی نکتہ کے پیش نظر وارث کو میراث سے محروم کیا گیا ہے۔

اور اگر پہلے سے وصیت کر رکھی تھی اور اب موصی لہ نے موصی کو قتل کردیا تو اب بھی قاتل کے لئے وصیت باطل ہو جائے گی مگر یہ ہمارا مسلک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں وصیت جائز ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو حدیث پیش کی ہے یہ دونوں صورتوں میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔

ورثہ کی اجازت کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

ولو اجازتها الورثة جاز عند ابى حنيفة ومحمد وقال ابو يوسفؒ لا تجوز لان جنايته باقية والامتناع لاجلها ولهما ان الامتناع لحق الورثة لان نفع بطلانها يعود اليهم كنفع بطلان الميراث ولانهم لا يرضونها للقاتل كما لا يرضونها لاحدهم.

ترجمہ ..... اور اگر ورثہ نے وصیت کی اجازت دیدی تو طرفینؒ کے نزدیک جائز ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ قاتل کی جنایت باقی ہے اور وصیت کا ممتنع ہونا جنایت کی وجہ سے ہے۔

طرفینؒ کی دلیل ..... یہ ہے کہ وصیت کا ممتنع ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے اس لئے کہ وصیت کے بُطلان کا نفع ورثہ کی جانب لوٹتا ہے جیسے قاتل کی میراث کے بُطلان کا نفع (ورثہ کی جانب لوٹتا ہے) اور اس لئے کہ ورثہ قاتل کے لئے وصیت سے راضی نہ ہوں گے جیسے وہ

وصیت سے راضی نہ ہونگے اپنے میں سے ایک کیلئے۔

تشریح ...... ابھی ماقبل میں گزرا ہے کہ قاتل وصیت سے بھی محروم ہوتا ہے اور میراث سے بھی، لیکن اگر موصی نے قاتل کے لئے وصیت کردی اور ورثہ نے اس کی اجازت دیدی تو اب کیا حکم ہے؟

تو اس میں حضرات طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ اجازت دیدیں تب بھی وصیت جائز نہ ہوگی اور حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ اب وصیت جائز ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ ورثہ کے اجازت دینے سے قاتل کا وہ جرم ختم نہ ہوگا جس کی وجہ سے وہ وصیت سے محروم کیا گیا تھا اور جب وہ جرم ختم نہیں ہوگا تو قاتل کا جرمان بھی بدستور برقرار رہے گا۔

حضرات طرفینؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ قاتل کو میراث سے محروم کرنے کا اصل راز حق ورثہ ہے اس لئے کہ بطلان وصیت کا نفع ورثہ کو ہوتا ہے جیسے اگر قاتل کو میراث سے محروم کر دیا جائے تو اس کا نفع بھی ورثہ کو ہوتا ہے۔ اور ورثہ جیسے اپنے میں سے کسی ایک کے لئے وصیت سے راضی نہیں ہوتے اسی طرح وہ قاتل کے لئے بھی وصیت سے راضی نہ ہوں گے لیکن اگر وہ اپنے میں سے کسی وارث کے لئے وصیت سے راضی ہو جائیں اور اس وصیت کی اجازت دیدیں تو وصیت جائز ہو جاتی ہے اسی طرح اگر ورثہ قاتل کے لئے بھی اجازت دیدیں تو وصیت جائز ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسفؒ کا یہ فرمانا کہ قاتل کا وصیت سے محروم ہونا عقوبت کے طریقہ پر ہے یہ غیر مسلّم ہے کیونکہ اس میں عامد اور خاطی دونوں برابر ہیں حالانکہ خاطی مستحق عقوبت نہیں ہوتا۔

وارث کیلئے وصیت کے عدم جواز پر دلیل نقلی

قال ولا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام ان الله تعالى اعطى كل ذى حق حقه الا لا وصية للوارث ولانه يتاذى البعض بايثار البعض ففى تجويزه قطعية الرحم ولانه حيف بالحديث الذى رويناه ويعتبر كونه وارثا اوغير وارث وقت الموت لا وقت الوصية لانه تمليك مضاف الى ما بعد الموت وحكمه يثبت بعد الموت والهبة من المريض للوارث فى هذا نظير الوصية لانها وصية حكما حتى تنفذ من الثلث واقرار المريض للوارث على عكسه لانه تصرف فى الحال فيعتبر ذلك وقت الاقرار

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور موصی کے وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دیدیا آگاہ ہو جاؤ کہ وارث کیلئے وصیت نہیں ہے اور اس لئے کہ بعض کو تکلیف ہوگی بعض کو ترجیح دینے کی وجہ سے تو اس کے جائز قرار دینے میں قطع رحمی ہے اور اس لئے کہ یہ (وارث کے لئے وصیت کرنا) حیف وظلم ہے اس حدیث کی وجہ سے جو کہ ہم روایت کر چکے ہیں اور اس کے وارث ہونے یا غیر وارث ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوگا نہ کہ وصیت کے وقت اس لئے کہ وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی جانب مضاف ہے اور وصیت کا حکم موت کے بعد ثابت ہوتا ہے اور مریض کی جانب سے وارث کے لئے ہبہ کرنا اس سلسلہ میں (کہ اس کے وارث ہونے کا بوقت موت اعتبار ہے) وصیت کے مثل ہے اس لئے کہ ہبہ حکم موت کے اعتبار سے وصیت ہے

یہاں تک کہ ہبہ تہائی سے نافذ ہوتا ہے اور وارث کے لئے مریض کا اقرار اس کے برعکس ہے اس لئے کہ یہ فی الحال تصرف ہے تو یہ اقرار کے وقت معتبر ہوگا۔

تشریح ..... جس طرح قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں اسی طرح وارث کیلئے بھی وصیت جائز نہیں ہے، اولاً تو اس لئے کہ حدیث میں وارث کے لئے وصیت سے منع فرمادیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق خود دیدیا یعنی میراث کے ذریعہ تو پھر وارث کے لئے وصیت کے کیا معنی ہوں گے۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایسا کرنے میں چونکہ بعض ورثہ کو دوسرے بعض پر ترجیح دینا ہے جو اقارب سے قطع تعلق کا ذریعہ بنے گا۔

نیز وارث کے لئے وصیت کرنے کو حدیث میں حیف بھی ارشاد فرمایا گیا ہے پھر وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار وصیت کے وقت نہیں ہے بلکہ بوقتِ موت ہے۔

لہٰذا اگر کسی مریض نے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی اور بعد وصیت مریض کے لڑکا پیدا ہو گیا تو اب بھائی وارث نہیں رہا لہٰذا وصیت جائز ہے اگرچہ بوقتِ وصیت یہ وارث تھا۔

اور وقتِ موت کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے کہ وصیت کے معنی ہی وہ تملیک ہے جو مابعد الموت کی جانب مضاف ہو تو وارث ہونے کا اعتبار بھی اسی وقت کیا جائے گا اور وصیت کا حکم بھی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے لہٰذا وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار بھی بوقتِ موت ہوگا نہ کہ بوقتِ وصیت۔

اگر مریض مرض الموت میں ہبہ کرے تو اس کا ہبہ بھی وصیت کے درجہ میں ہے لہٰذا وارث کے لئے ہبہ بھی معتبر نہ ہوگا اور یہاں بھی وارث ہونے کا اعتبار بوقتِ موت ہوگا نہ کہ بوقتِ وصیت کیونکہ حکماً ہبہ وصیت کے درجہ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح وصیت تہائی کے اندر نافذ ہوتی ہے اسی طرح ہبہ بھی تہائی کے اندر نافذ ہوتا ہے۔

اور اگر مریض وارث کے لئے اقرار کرے تو یہ اقرار غیر معتبر ہے لیکن یہاں وارث ہونے کا اعتبار بوقتِ اقرار ہے نہ کہ بوقتِ موت لہٰذا یہاں وقتِ اقرار کا اعتبار ہوگا۔

بعض ورثا قاتل وارث کیلئے وصیت کی اجازت دیں اور بعض اجازت نہ دیں تو کیا حکم ہوگا؟

قال الا ان یجزیھا الورثۃ ویروی ھذا الاستثناء فیما رویناہ ولان الامتناع لحقھم فتجوز باجازتھم ولو اجاز بعض ورد بعض تجوز علی المجیز بقدر حصتہ لولایتہ علیہ وبطل فی حق الراد .

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا مگر یہ کہ اس وصیت کو ورثا جائز قرار دیدیں اور یہ استثناء اس حدیث میں مروی ہے جس کو ہم نے روایت کیا ہے اور اس لئے کہ وصیت کا ممتنع ہونا ورثا کے حق کی وجہ سے ہے تو وصیت ان کی اجازت سے جائز ہے اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے رد کیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے بقدر جائز ہے اپنے اوپر مجیز کی ولایت کی وجہ سے اور رد کرنے والے کے حق میں وصیت باطل ہے۔

تشریح..... وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے لیکن اگر ورثا اجازت دیدیں تو پھر جائز ہے اس لئے کہ امتناع انہی کے حق کی وجہ سے تھا

تو جب انھوں نے اجازت دیدی تو جائز ہوگئی۔

اور یہ استثناء حدیث کے اندر بھی موجود ہے کیونکہ حدیث میں ہے، لاَ تجوز الوصیة لوارثٍ الاَّ ان یشاء الورثۃ.

اور اگر بعض ورثا نے اجازت دیدی اور بعض نے اجازت نہیں دی بلکہ اس کو رد کردیا تو رَد کرنے والے کے حق میں وصیت باطل ہو گئی اور اجازت دینے والے کے حق میں اپنے حصہ کے بقدر درست ہے کیونکہ مُجیز کو اپنے اوپر ولایت ہے۔

مسلمان کا ذمی کیلئے اور ذمی کا مسلمان کیلئے وصیت کرنا جائز ہے

قال ویجوز ان یوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم فالاول لقوله تعالی لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الایة والثانی لانهم بعقد الذمة ساووا المسلمین فی المعاملات ولهذا جاز التبرع من الجانبین فی حالة الحیوة فکذا بعد الممات وفی الجامع الصغیر الوصیة لاهل الحرب باطلة لقوله تعالی انما ینهاکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین الایة

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا اور جائز ہے کہ مسلمان کافر کے لئے اور کافر مسلمان کے لئے وصیت کرے پس اوّل اللہ تعالیٰ کے فرمان لاَ یَنھاکمُ اللہ الخ کی وجہ سے اور ثانی اس لئے کہ کفار عقد ذمّہ کی وجہ سے معاملات کے اندر مسلمانوں کے برابر ہوگئے اس لئے حالت حیات میں جانبین سے تبرع جائز ہے پس ایسے ہی مرنے کے بعد اور جامع صغیر میں ہے کہ اہل حرب کے لئے وصیت باطل ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان انما ینھاکم اللہ الخ کی وجہ سے۔

تشریح...... مسلمان ذمّی کے لئے اور ذمّی مسلمان کے لئے وصیت کرے تو جائز ہے کیونکہ وصیت ایک تبرّع ہے اور اہل ذمہ بھی تبرع واحسان کے اہل ہیں البتہ وہ کافر حربی جو دارالحرب میں ہے اس کے لئے وصیت باطل ہے ہاں اگر وہ مستامن ہو تو اس کا حکم بھی ذمّی کے مثل ہے، لہٰذا مصنفؒ نے جواز کے لئے پہلی آیت اور بُطلان کے لئے دوسری آیت پیش کی ہے۔

پہلی آیت، لاَ یَنھاکُمُ اللہ عَنِ الَّذِینَ لَم یُقَاتِلُوکُم فِی الدِّینِ وَلَم یُخرِجُوکُم مِنْ دِیَارِکُم اَن تَبَرُّوھُمْ وَتُقسِطُوا الیھم، اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ دین کے بارے میں تم سے لڑتے ہیں اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔

تو اس آیت سے ذمیوں کے لئے زندگی میں تبرّع واحسان کا جواز ثابت ہوا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ان کے لئے وصیت بھی جائز ہے۔

دوسری آیت ''اِنَّمَا یَنھاکُمُ اللہُ عَنِ الَّذِینَ قَاتَلُوکُم فِی الدِّینِ وَاَخرَجُوکُم مِنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوْا عَلٰی اِخرَاجِکُم اَنْ تَوَلَّوْھُمْ'' اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں شریک ہوئے، اس آیت سے جیسے یہ معلوم ہوا کہ حربیوں سے دوستی کرنا ممنوع ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے لئے وصیت کرنا باطل ہے تو اس کے لئے وصیت کیسے جائز ہوسکتی ہے۔

موصی کی زندگی میں موصیٰ لہٗ نے وصیت قبول کر لی یا رد کر دی تو مرنے کے بعد دوبارہ اقرار یا انکار کر سکتا ہے

قال وقبول الوصية بعد الموت فان قبلها الموصى له في حال حياته او ردها فذلك باطل لان اوان ثبوت حكمه بعد الموت لتعلقه به فلا يعتبر قبله كما لا يعتبر قبل العقد

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور وصیت کا قبول کرنا موت کے بعد ہے پس اگر موصیٰ لہٗ نے موصی کی زندگی میں وصیت کو قبول کیا تو یہ باطل ہے اس لئے کہ وصیت کا حکم ثابت ہونے کا وقت موت کے بعد ہے وصیت کے متعلق ہونے کی وجہ سے موت کے ساتھ تو قبول ور دّ موت سے پہلے معتبر نہ ہوگا جیسے عقد سے پہلے معتبر نہیں ہوتا۔

تشریح ...... میراث کے اندر یہ شرط نہیں کہ وارث قبول بھی کرے کیونکہ میراث میں اسباب ہی نہیں کہ اس کو قبول کرنے کی حاجت پیش آئے گی بلکہ ارث تو بطریق خلافت ہے اور ہبہ میں جیسے ملکِ جدید حاصل ہوتی ہے اسی طرح وصیت کے اندر بھی ملکِ جدید حاصل ہوتی ہے تو وصیت کے اندر جوازِ وصیت کے لئے اگر چہ موصیٰ لہٗ کا قبول کرنا شرط نہیں ہے لیکن موصیٰ بہٖ کا مالک ہو جانے کے لئے قبولِ موصیٰ لہٗ شرط ہے البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جو بلا قبول موصیٰ لہٗ استحساناً جائز ہیں جیسے بعد وصیت موصی کا انتقال ہو جائے پھر بلا قبول ورد کے موصیٰ لہٗ کا بھی انتقال ہو جائے تو استحساناً موصیٰ بہٖ موصیٰ لہٗ کے ورثہ کا ہوگا۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موصیٰ لہٗ کے مملوک ہونے کے لئے موصیٰ لہٗ کی جانب سے قبول ہونا چاہئے۔

مگر یہ قبول موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے موصی کی زندگی میں جو قبول ور دّ موصیٰ لہٗ نے کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ جیسے اس قبول کا اعتبار نہیں ہے جو عقد وصیت سے پہلے ہوا ایسے ہی اس قبول کا اعتبار نہیں ہے جو موصی کی حیات میں ہو جس کی وجہ واضح ہے کہ حکم وصیت کا ثبوت بعد موت ہوتا ہے لہٰذا قبول بھی اسی وقت معتبر ہوگا۔

انسان کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مال میں کس حد تک، کس طرح اور کن لوگوں کو وصیت کرنے کا حق حاصل ہے اور اپنے قریبی رشتے داروں کے حق میں کیا افضل ہے

قال ويستحب ان يوصي الانسان بدون الثلث سواء كانت الورثة اغنياء او فقراء لان في التنقيص صلة القريب بترك ماله عليهم بخلاف استكمال الثلث لانه استيفاء تمام حقه فلا صلة ولا منة ثم الوصيه باقل من الثلث اولى ام تركها قالوا ان كانت الورثة فقراء ولا يستغنون بمايرثون فالترك اولى لمافيه من الصدقة على القريب وقد قال عليه السلام افضل الصدقة على ذى الرحم الكاشح ولان فيه رعاية حق الفقراء والقرابة جميعا

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور مستحب ہے یہ کہ انسان ثلث سے کم کی وصیت کرے خواہ ورثہ مالدار ہوں یا فقراء اس لئے کہ ثلث

سے کم کرنے میں قریبی رشتہ دار پر صلہ رحمی کرنا ہے ان پر اپنے مال کو چھوڑنے کے ساتھ بخلاف ثلث کو مکمل کر لینے کے اس لئے کہ یہ تو اپنا حق پورا وصول کر لینا ہے تو یہ نہ صلہ ہے اور نہ کوئی احسان ہے پھر تہائی سے کم وصیت کرنا اولیٰ ہے یا وصیت کا ترک (اولیٰ) ہے مشائخ نے فرمایا کہ اگر ورثہ تنگدست ہوں اور مقدار میراث سے وہ تونگر نہ ہوں تو وصیت کا ترک اولیٰ ہے کیونکہ اس میں قریب پر صلہ ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ ایسے ذی رحم پر ہے جس سے وہ خوش نہ ہو اور اس لئے کہ اس میں فقراء اور قرابت دونوں کی رعایت ہے۔

تشریح...... شریعت نے انسان کو اس کے آخری لحات میں اپنے تہائی مال میں تصرف کا اختیار دیا ہے لہٰذا تہائی میں اس کے لئے وصیت کرنا جائز ہے لیکن اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ورثہ خواہ مالدار ہوں یا غریب پوری تہائی کی وصیت نہ کرے بلکہ کم کی وصیت کرے اس لئے کہ کم کی وصیت کرنے کی صورت میں جو اس نے اپنا مال اپنے ورثہ کے لئے چھوڑا ہے تو اس میں اپنے اعزہ و اقربہ کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ ہے جو محمود فعل ہے اور اگر اس نے پورے تہائی کی وصیت کر دی تو اس نے اپنا حق وصول کر لیا تو یہ کوئی صلہ اور احسان اور حسن سلوک نہیں ہے، بہرحال ثلث سے کم کی وصیت کرے۔

پھر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثلث سے کم کی وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اس کو چھوڑ دینا اولیٰ ہے تو فقہاء نے اس کی کچھ تفصیل کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ غریب ہوں اور میراث کی جو مقدار انھیں ملے گی اس سے وہ تونگر اور غنی نہیں ہونگے تو ایسی صورت میں وصیت نہ کرنا افضل و اولیٰ ہے کیونکہ اس صورت میں قریب پر صلہ کا ثواب ملے گا اور اس صورت میں فقراء اور قرابت دونوں حقوں کی رعایت ہے۔

اور مسند احمد میں روایت ہے" افضلُ الصد قة علی ذی الرحم الکاشح یعنی اپنے ذی رحم پر صدقہ کرنا افضل ہے جس سے آدمی خوش نہیں ہے کیونکہ اس میں نفس کی مخالفت ہے۔

ورثہ مالدار ہوں تو وصیت کرنا افضل ہے یا ترک وصیت؟

وان کانو اغنیاء اویستغنون بنصیبهم فالو صیة اولی لانه یکون صدقة علی الاجنبی والترک هبة من القریب والاولی اولی لانه یبتغی بها وجه الله تعالی وقیل فی هذا الوجه یخیر لا شتمال کل منهما علی فضیلة وهو الصدقة او الصلة فیخیرین بین الخیرین.

ترجمہ...... اور اگر ورثہ مالدار ہوں یا وہ اپنے حصہ سے مالدار ہو جائیں گے تو وصیت اولیٰ ہے اس لئے کہ وصیت اجنبی پر صدقہ ہوگا اور ترکِ وصیت قریب پر ہبہ ہوگا اور اول (صدقہ) اولیٰ اور افضل ہے (ہبہ سے) اس لئے کہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کو تلاش کیا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس صورت میں موصی کو اختیار ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے ایک فضیلت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اور وہ صدقہ یا صلہ ہے تو موصی کو دونوں نیکیوں کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔

تشریح...... اگر ورثہ تنگدست اور غریب ہوں تو اس کا حکم تو گزر چکا ہے اور اگر مالدار ہوں یا میراث کے اس حصہ سے جو ان کو ملے گا وہ مالدار ہو جائیں تو پھر وصیت کرنا افضل ہے کیونکہ وصیت کرنے کی صورت میں یہ صدقہ ہوگا اور ترکِ وصیت کی صورت میں یہ اپنے قریبی

رشتہ دار پر ہبہ ہوگا اور اجنبی پر صدقہ کرنا اپنے قریبی پر ہدیہ سے افضل ہے اس لئے کہ صدقہ کا منشاء اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور اس صورت میں بعض فقہاء نے یوں فرمایا ہے کہ موصی کو اختیار ہے خواہ صدقہ کو اختیار کرے یا ہبہ کو کیونکہ اپنی جگہ دونوں نیک کام ہیں تو جس کو چاہے اختیار کر لے۔

موصیٰ لہ موصیٰ بہ کا کب مالک بنے گا؟

قال والموصى به يملك بالقبول خلافاً لزفرؒ وهو احد قولي الشافعي وهو يقول الوصية اخت الميراث اذ كل منهما خلافة لما انه انتقال ثم الارث يثبت من غير قبول فكذلك الوصية ولنا ان الوصية اثبات ملك جديد ولهذا لا يرد الموصى له بالعيب ولا يرد عليه بالعيب ولا يملك احداثبات الملك لغيره الا بقبوله اما الوراثة خلافة حتى يثبت فيها هذه الاحكام فيثبت جبرا من الشرع من غير قبول

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور موصی بہ قبول کی وجہ سے ملکیت میں آتی ہے بخلاف زفرؒ کے اور یہی شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی بہن ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک خلافت ہے اس لئے کہ یہ انتقال ہے پھر ارث بغیر قبول کے ثابت ہوتا ہے پس ایسے ہی وصیت، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ملکِ جدید کا اثبات ہے اسی وجہ سے موصی لہ پر واپس کی جا سکتی ہے اور اپنے غیر کیلئے اس کے قبول کے بغیر اثبات ملک کا مالک نہیں ہے، بہر حال وراثت خلافت ہے یہاں تک کہ وراثت میں یہ احکام جاری ہوں گے تو (وارث کے لئے) بغیر قبول کے شریعت کی جانب سے جبراً ملک ثابت ہوگی۔

تشریح ..... اس مسئلہ کی کچھ تفصیل ابھی پہلے گزر چکی ہے جہاں فرمایا گیا تھا کہ قبول وصیت بعد الموت معتبر ہے۔
بہر حال ہمارے نزدیک جب تک موصی لہ قبول نہ کرے تب تک وہ موصی بہ کا مالک نہ ہوگا اس میں امام زفرؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا اختلاف ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بغیر قبول کے موصیٰ لہ موصی بہ کا مالک ہو جائے گا۔

ان حضرات کی دلیل ..... یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں بغیر قبول وارث کے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح بغیر قبول کے وصیت کے اندر بھی ملکیت ثابت ہوگی اس لئے کہ میراث اور وصیت دونوں کے اندر میت کی طرف سے خلافت ہے کیونکہ دونوں میں مورث کی طرف سے ملکیت منتقل ہو کر وارث یا موصی لہ کی طرف آتی ہے۔

ہماری دلیل ..... یہ ہے کہ میراث تو خلافت ہے اس میں ملکِ جدید کا اثبات نہیں ہے اور وصیت میں ملکِ جدید کا اثبات ہے اور میراث میں جدید ملک کے اثبات کے بغیر وارث مورث کی جگہ آ جاتا ہے وصیت میں ملک جدید کا اثبات ہے اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اگر مریض موصی نے کوئی چیز خرید کر مثلاً زید کے لئے وصیت کر دی پھر زید نے اس چیز کو عیب دار پایا تو زید کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس عیب کی وجہ سے اس چیز کو موصی کے بائع پر واپس کر دے، اور اگر کسی مریض نے اپنے پورے مال کی وصیت کر دی مثلاً زید کیلئے پھر مریض نے ترکہ میں سے کسی چیز کو فروخت کر دیا اور مشتری نے اس چیز میں عیب پایا تو مشتری کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس کو موصی لہ پر واپس کر دے اور اگر وصیت میں موصی لہ کے لئے ثبوتِ ملک بطریق خلافت ہوتا دونوں صورتوں کے اندر رد کا اختیار ہوتا۔

خلاصۂ کلام ...... وصیت میں ملک جدید کا اثبات ہے اور کوئی شخص کسی کی ملکیت اس وقت تک ثابت نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ قبول نہ کرے اور رہا مسئلہ وراثت کا تو وہ خلافت کے طریقہ پر ہے اسی وجہ سے وراثت میں احکام رد جاری ہوں گے، یعنی وارث کو حق ہوگا کہ اگر اس چیز میں عیب پائے جس کو مورث نے خریدا تھا تو اس کو بائع پر واپس کردے اور اسی طرح مشتری کو حق ہوگا کہ جب وہ اس چیز میں عیب پائے جس کو اس نے مورث سے خریدا تھا تو اس کو وارث پر واپس کردے اور جو چیز بطریق خلافت ثابت ہوتی ہے تو اس کا مدار قبول پر نہیں ہوتا بلکہ وہ تو بغیر قبول کے شریعت کی طرف سے جبراً ثابت ہو جاتی ہے۔

موصی کے بعد موصیٰ لہ وصیت قبول کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو کیا حکم ہوگا؟

قال الافی مسألة واحدة وهو ان يموت الموصی ثم يموت الموصی له قبل القبول فيدخل الموصی به فی ملک ورثته استحسانا والقياس ان تبطل الوصية لمابينا ان الملک موقوف علی القبول فصار كموت المشتری قبل قبوله بعد ايجاب البائع وجه الاستحسان ان الوصية من جانب الموصی قد تمت بموته تماما لا يلحقه الفسخ من جهته وانما توقفت لحق الموصی له فاذا مات دخل فی ملکه كما فی البيع المشروط فيه الخيار للمشتری اذا مات قبل الاجازة

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ موصی مر جائے پھر قبول سے پہلے موصیٰ لہ مر جائے تو موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے ورثہ کی ملکیت میں استحساناً داخل ہو جائے گا اور قیاس یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ملک قبول پر موقوف ہے تو ایسا ہو گیا جیسے مشتری کا مر جانا بائع کے ایجاب کے بعد اپنے قبول کرنے سے پہلے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ وصیت موصی کی جانب اس کے مرنے کی وجہ سے ایسی تام ہو چکی ہے کہ موصی کی طرف سے اس کو فسخ لاحق نہیں ہو سکتا اور وصیت موصیٰ لہ کے حق کی وجہ سے موقوف ہوتی ہے، پس جب موصیٰ لہ مر گیا تو موصیٰ بہ اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا جیسے اس بیع میں جس میں مشتری کے لئے خیار کی شرط کی گئی ہو جب کہ مشتری اجازت سے پہلے مر جائے۔

تشریح ...... موصیٰ بہ اس وقت موصیٰ لہ کی ملکیت میں داخل ہوگا جب کہ موصیٰ لہٗ کی جانب سے قبول پایا جائے مگر یہ ایک مسئلہ استحساناً اس اصول سے مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ اولاً موصی مر جائے اور ابھی تک موصیٰ لہٗ نے قبول نہیں کیا تھا کہ وہ بھی مر گیا تو یہاں استحساناً یہ حکم دیا گیا ہے کہ موصیٰ لہٗ کے ورثہ موصیٰ بہ کے وارث ہوں گے۔ اگر چہ یہاں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے کیونکہ موصیٰ لہٗ کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا تو اس کی صورت تو ایسی ہوگئی جیسے بائع نے ایجاب کیا اور مشتری نے ابھی تک قبول نہیں کیا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا تو ایجاب باطل ہو گیا اسی طرح یہاں وصیت باطل ہونی چاہیئے تھی مگر ہم نے قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا ہے۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ موصی کی طرف سے تو وصیت تام و مکمل ہے لہٰذا اس کی جانب سے فسخِ وصیت نہ ہوگا البتہ ابھی وصیت جو موقوف ہے یہ موصیٰ لہٗ کے حق کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ چاہے رَد کر دے اور چاہے تو اجازت دیدے لیکن جب قبول سے پہلے ہی موصیٰ لہٗ مر گیا تو موصیٰ بہ خود بخود اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا۔

اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے مشتری نے اپنے لئے خیار شرط لیا ہو اور ابھی تک مشتری نے اجازت نہیں دی تھی کہ تین دن کے

اندر اندر ہی وہ مر گیا تو بیع تام ہو جاتی ہے اور مبیع مشتری کے ورثا کے لئے ہوتی ہے ایسے ہی یہاں بھی ہے۔

ایک شخص جتنے مال کا مالک ہے اتنے ہی کا مقروض بھی ہے اس کی لئے وصیت کرنا ناجائز ہے

قال ومن اوصى وعليه دين يحيط بماله لم تجز الوصية لان الدين مقدم على الوصية لانه اهم الحاجتين فانه فرض والوصية تبرع وابدا يبدأ بالاهم الا ان تبرئه الغرماء لانه لم يبق الدين فتنفذ الوصية على الحد المشروع لحاجته اليها

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے وصیت کی اور اس پر اتنا قرض ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہے اس لئے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اس لئے کہ قرض دونوں حاجتوں میں زیادہ اہم ہے اس لئے کہ اداءِ قرض فرض اور وصیت تبرع ہے اور ہمیشہ اہم سے ابتداء کی جاتی ہے پھر اس سے جو اس کے بعد اہم ہو مگر یہ کہ قرضخواہ اس کو بری کر دیں اس لئے کہ قرض باقی نہیں رہا تو وصیت اس حد تک نافذ ہو جائے گی جو مشروع ہے وصیت کی جانب موصی کی حاجت کی وجہ سے۔

تشریح ..... اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو جو اس کے مال کو محیط ہے تو اس کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس لئے کہ دَین وصیت پر مقدم ہے اوائل سراجی میں اس کی بحث گزر چکی ہے، پھر دَین اور وصیت میں زیادہ اہم حاجت اداءِ دَین ہے کیونکہ اداءِ دین فرض ہے اور وصیت تو محض ایک تبرع ہے اور ہمیشہ کا مسلم اصول ہے تو پہلے اہم سے ابتدا ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ اور جب اہم قرض ہے تو ابتدا اسی سے ہوگی اس کے بعد وصیت کا نمبر ہے، البتہ اگر قرض خواہوں نے مقروض کو قرض سے بری کر دیا ہو تو اب اس کی وصیت مذکورہ جائز ہو جائے گی کیونکہ قرض ختم ہونے کی وجہ سے مانع زائل ہو چکا ہے لہٰذا جس صورت میں جتنی وصیت جائز ہے وہ اب سب جائز ہو جائیں گی کیونکہ موصی وصیت کا محتاج ہے جس کی وجہ کتاب الوصایا کے شروع میں گزر چکی ہے۔

تنبیہ-۱..... جس کا نہ کوئی وارث ہو اور نہ اس پر قرض ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے صدقہ کرنے کے بعد جو مال باقی بچے اس تمام کی وصیت کر جائے (شامی ص ۴۱۸، ج ۵)

تنبیہ-۲..... اگر حربی مستامن اپنے سارے مال کی وصیت کر دے تو جائز ہے کیونکہ ورثہ ندارد ہیں (قندیر) (شامی ۴۱۸، ج ۵)

بچے کی وصیت کا حکم اور امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر اور دو دلیلیں

قال ولا تصح وصية الصبي وقال الشافعي تصح اذا كان في وجوه الخير لان عمر رضي الله عنه اجاز وصية يفاع او يافع وهو الذي راهق الحلم ولانه نظر له بصرفه الى نفسه في نيل الزلفى ولو لم تنفذ يبقى على غيره

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور بچہ کی وصیت صحیح نہیں ہے اور شافعیؒ نے فرمایا کہ صحیح ہے جب کہ نیک راہ میں ہو اس لئے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یفاع یا یافع کی وصیت کو جائز قرار دیا اور یفاع وہ بچہ ہے جو قریب البلوغ ہو گیا ہو اور اس لئے کہ یہ بچہ کے لئے شفقت ہے اس کے صرف کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کی جانب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اگر وصیت نافذ نہ ہو تو مال اس کے غیر پر باقی رہے گا۔

تشریح...... بچہ اگر وصیت کرے تو صحیح ہے یا نہیں اس میں ہمارا اور شافعیؒ کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر بچہ وجوہ خیر میں وصیت کرے تو جائز ہے

اس پر امام شافعیؒ نے دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں

۱- حضرت عمرؓ نے اپنے بچہ کی وصیت کی اجازت دی تھی جو قریبُ البلوغ تھا جس کا نام عمرو بن سلیم تھا اور یفاع کہتے ہیں اس بچہ کو جو مراہق ہو۔

۲- بچہ کی وصیت صحیح ہونے میں اس کے لئے شفقت ہے کیونکہ اگر اس کی وصیت نافذ نہ ہو تو اس کا مال غیر استعمال کریں گے اور اگر وصیت نافذ ہو جائے تو گویا اس نے اپنا مال خود استعمال کیا کیونکہ اس کو نیک راہ میں صرف کرنے کا ثواب ملے گا جس کی وجہ سے اس کو عند اللہ تقرب حاصل ہوگا۔

دلیل احناف

ولنا انه تبرع والصبي ليس من اهله ولان قوله غير ملزم وفي تصحيح وصية قول بالزام قوله والاثر محمول على انه كان قريب العهد بالحلم مجازا وكانت وصيته في تجهيزه وامر دفنه وذلك جائز عندنا وهو يحرز الثواب بالترك على ورثته كمابيناه

ترجمہ...... اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے اور اس لئے کہ بچہ کا قول غیر مُلزم ہے اور اس کی وصیت کو صحیح قرار دینے میں اس کے قول کے مُلزم ہونے کا قائل ہونا ہے اور اثر محمول ہے اس پر کہ وہ بچہ بلوغ کے سلسلہ میں قریبُ العہد تھا بطور مجاز کے یا اس کی وصیت اپنی تجہیز اور اپنے دفن کے معاملہ میں تھی اور یہ ہمارے نزدیک جائز ہے اور بچہ ثواب جمع کرے گا مال کو اپنے ورثہ پر چھوڑنے کی وجہ سے جیسا کہ ہم اس کو بیان کر چکے ہیں۔

تشریح...... یہ ہماری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے حالانکہ وصیت تبرع ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بچہ کا قول ایسا نہیں ہوتا جو اس پر کوئی چیز لازم کردے اور اگر اس کی وصیت کو حقیر مان لیا جائے تو اس کے قول کا ملزم ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

رہا اثر عمرؓ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بچہ ابھی بالغ ہوا تھا تو مجاز کے چوبیس علاقوں میں سے علاقہ ٔ ما کان علیہ کہ وجہ سے مجازاً اس کو یفاع کہہ دیا گیا ورنہ حقیقت میں وہ بالغ تھا یا اس کی تاویل یہ کی جائے کہ اس کی وصیت امر کفن دفن کے سلسلہ میں تھی اور یہ وصیت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے اور رہی بات ثواب کی تو زیادہ ثواب مال کو اپنے ورثہ کے پاس چھوڑنے میں ہے لہٰذا وصیت باطل ہوگی۔

تنبیہ-۱...... مجاز کے علاقوں کو ہم تفصیل سے الکلام المنظم میں بیان کر چکے ہیں، اور امام شافعیؒ کو اس کا تفصیلی جواب ہم درس حسامی میں دے چکے ہیں، اور اس جواب مذکور کی خامیاں دیکھنے کے لئے شامی ص ۴۲۰، ج ۵ ملاحظہ فرمائی جائے نیز بچہ کی وصیت امر دفن و کفن میں کہاں جائز ہے اور کہاں نہیں اس کی تفصیل شامی میں موجود ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب

والمعتبر في النفع والضرر النظر الى اوضاع التصرفات لا الى مايتفق بحكم الحال اعتبره بالطلاق فانه لا يملكه ولا وصية وان كان يتفق نافعا في بعض الاحوال وكذا اوصى ثم مات بعد الادراك بعدم الاهلية وقت المباشرة وكذا اذا قال اذا ادركت فثلث مالي لفلان وصية لقصور اهليته فلا يملكه تنجيزا وتعليقا كما في الطلاق والعتاق بخلاف العبد والمكاتب لان اهليتهما مستتمة والمانع حق المولى فتصح اضافته الى حال سقوطه

ترجمہ...... اور نفع اور ضرر میں معتبر تصرفات کی اوضاع دیکھنا ہے نہ کہ اس کو جس کا فی الحال اتفاق ہو جائے اس کو طلاق پر قیاس کیجئے کہ بچہ اور اس کا وصی طلاق کے مالک نہیں ہیں اگر چہ بعض احوال میں طلاق کے نافع ہونے کا اتفاق ہو سکتا ہے اور ایسے ہی جب کہ بچہ نے وصیت کی پھر بلوغ کے بعد مرگیا (تو اسکی وصیت صحیح نہ ہوگی) مباشرت کے وقت اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے اور ایسے ہی جب کہ اس نے کہا کہ جب میں بالغ ہوجاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لئے وصیت ہے اس کی اہلیت کے قاصر ہونے کی وجہ سے تو بچہ وصیت کا مالک نہ ہوگا نہ تنجیزاً اور نہ تعلیقاً جیسے طلاق اور عتاق میں بخلاف غلام اور مکاتب کے اس لئے کہ ان دونوں کی اہلیت پوری ہے اور مانع آقا کا حق ہے تو وصیت کی اضافت حق مولیٰ کے سقوط کی حالت کی جانب صحیح ہے۔

تشریح...... امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ بچہ کا نفع جوازِ وصیت میں ہے تو اس کا جواب دیا کہ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وصیت میں بچہ کا نفع ہے پھر بھی ایک اصول یاد رکھئے کہ نفع اور نقصان کے بارے جنس فعل کو دیکھا جائے گا کہ یہ ضارّ ہے یا نافع کی جگہ اتفاق سے کوئی نفع حاصل ہو جائے تو اتفاقیات کو نہیں دیکھا جائے گا جیسے طلاق بجنسہٖ ضارّ ہے اگر چہ ایسا بھی اتفاق ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ طلاق نافع بن جائے مثلاً زوجہ کو طلاق دے کر اس کی مالدار بہن سے نکاح کرے مگر یہ امر اتفاق ہے اس پر بنیاد نہیں رکھی جائے گی بلکہ امورِ کلیہ پر بنیاد رکھی جاتی ہے کیونکہ طلاق فی نفسہٖ اپنی وضع کے اعتبار سے مضر ہے لہٰذا بچہ اور اس کا وصی طلاق کے مالک نہ ہوں گے۔

اگر بچہ نے وصیت کی اور پھر بعد بلوغ مرا تو چونکہ وصیت کرنے کے وقت وہ وصیت کا اہل نہیں تھا لہٰذا اس کی یہ وصیت بھی صحیح نہ ہوگی۔

اور جب بچہ کو وصیت کی اہلیت نہیں ہے تو نہ تنجیزاً ہوگی اور نہ تعلیقاً، لہٰذا اگر بچہ یوں کہے کہ جب میں بالغ ہوجاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لئے وصیت ہے تو اس کی یہ وصیت بھی باطل ہوگی۔ جیسے طلاق اور عتاق میں بھی یہی حکم ہے کہ بچہ ان دونوں کا نہ تنجیزاً مالک ہے نہ تعلیقاً۔

اور اگر غلام یا مکاتب نے تعلیقاً وصیت کی کہ جب میں آزاد ہوجاؤں تو میرا اتنا مال فلاں کے لئے وصیت ہے تو یہ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ بوقت مباشرت ان دونوں کے اندر اہلیت ہے اور جوازِ وصیت سے آقا کا حق مانع ہے اور جس وقت کی جانب وہ وصیت کی اضافت کر رہا ہے اس وقت آقا کا حق ساقط ہے اس وجہ سے ان کی وصیت جائز ہوگی۔

مکاتب کی وصیت کے بارے میں اقوال فقہاء

قال ولا تصح وصية المكاتب وان ترك وفاء لان ماله لا يقبل التبرع وقيل على قول ابى حنيفة لا تصح وعندهما تصح رداً لها الى مكاتب يقول كل مملوك املكه فيما استقبل فهو حرثم عتق فملك والخلاف فيها معروف وعرف في موضعه

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے اگر چہ وفاء چھوڑا ہو اس لئے کہ اس کا مال تبرع کو قبول نہیں کرتا اور کہا گیا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق صحیح نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے وصیت کو لوٹاتے ہوئے ایسے مکاتب کی جانب جو کہتا ہے کہ ہر مملوک جس کا میں مالک ہو جاؤں آئندہ زمانہ میں پس وہ آزاد ہے پھر مکاتب آزاد کیا گیا پھر وہ مالک ہوا اور اس میں اختلاف معروف ہے جس کو اس کے مقام پر پہچان کیا گیا ہے۔

تشریح ..... مکاتب کی تعلیقاً وصیت تو جائز ہے کما مر، لیکن تنجیزاً اس کی وصیت جائز نہیں ہے اگر وہ بدل کتابت کے برابر بھی مال چھوڑ کر مرے تب بھی اس کی وصیت صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ مکاتب کا مال تبرع کو قبول ہی نہیں کرتا یہی تو وجہ ہے کہ اس کا عتق اور ہبہ صحیح نہیں ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ مکاتب کی وصیت امام ابوحنیفہؒ کے قول مطابق صحیح نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے، صاحبینؒ نے اس کو اس مسئلہ پر قیاس کیا ہے جب کہ کوئی مکاتب کہے کہ میں آئندہ زمانہ میں جس مملوک کا مالک ہو جاؤں تو وہ آزاد ہے پھر یہ مکاتب آزاد ہو گیا اور مالک بنا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

حالانکہ صاحبینؒ نے قیاس میں جو جزئیہ پیش کیا ہے اس میں بھی اختلاف ہے جس کی تفصیل جامع کبیر کی کتاب الایمان میں ہے۔
اور مکاتب کی وصیت کی مزید تفصیلات کے لئے مجمع الانہار اور شامی ملاحظہ فرمائیں۔

حمل کیلئے وصیت کرنا جو چھ ماہ سے کم میں پیدا ہو جائے جائز ہے، بخلاف ہبہ کے یعنی اس صورت میں ہبہ درست نہیں

قال وتجوز الوصية للحمل وبالحمل اذا وضع لا قل من ستة اشهر من وقت الوصية اما الاول فلان الوصية استخلاف من وجه لانه يجعله خليفة في بعض ماله والجنين صلح خليفة في الارث فكذا في الوصية اذاهي اختته الا انه يرتد بالرد لما فيه من معنى التمليك بخلاف الهبة لانها تمليك محض ولا ولاية لاحد عليه ليملكه شيئا واما الثاني فلانه بعرض الوجود اذ الكلام فيما اذا علم وجوده وقت الوصية وبابها اوسع لحاجة الميت وعجزه وهذا تصح في غير الموجود كالثمرة فلان تصح في الموجود الاولى

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور حمل کے لئے اور حمل کی وصیت جائز ہے جب کہ وہ وصیت کے وقت سے چھ مہینے کم میں پیدا ہو جائے بہر حال پس اس لئے کہ وصیت ایک اعتبار سے استخلاف ہے اپنے بعض مال کے اندر اور جنین میراث میں خلیفہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے پس ایسے ہی وصیت کے اندر اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے مگر وصیت رد کرنے سے رد ہو جاتی ہے اس وجہ سے کہ اس میں تملیک

کے معنی ہیں بخلاف ہبہ کے اس لئے کہ ہبہ محض تملیک ہے اور جنین پر کسی کو ولایت نہیں ہے جو اس کو کسی چیز کا مالک بنا دے، بہر حال ثانی پس اس لئے کہ جنین وجود کے پیش آنے کے مقام پر ہے اس لئے کہ گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ وصیت کے وقت اس کا وجود معلوم ہو جائے اور میت کی حاجت اور اس کی عاجزی کی وجہ سے وصیت کا باب بہت وسیع ہے اسی وجہ سے غیر موجود میں وصیت صحیح ہے جیسے پھلوں میں پس موجود میں بدرجۂ اولی وصیت صحیح ہوگی۔

تشریح...... اگر کوئی بچہ پیٹ میں ہے اور اس کے کسی مورث کا انتقال ہو جائے تو حمل کو بھی میراث ملے گی، اور میراث اور وصیت گویا کہ دونوں بہنیں ہیں لہٰذا حمل کے لئے وصیت کی جائے تو جائز ہے اور اسی طرح اگر حمل ہی کی وصیت کر دی جائے تو وہ بھی جائز ہے مثلاً کہے کہ میری باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ فلاں شخص کو دے دینا تو یہ بھی صحیح ہے اور وصیت جائز ہے۔ لیکن یہ وصیت حمل کیلئے یا حمل کی اس وقت جائز ہے جب کہ حمل پیٹ میں موجود ہو جس کی علامت یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے۔

پھر مصنفؒ نے ان دونوں کی الگ الگ دلیل بیان فرمائی۔

حمل کے لئے وصیت جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وصیت فی الحال مالک بنانا نہیں ہے بلکہ میراث کی طرح اس میں بھی استخلاف ہے تو جیسے میراث جائز ہے اسی طرح وصیت بھی جائز ہے کیونکہ وصیت و میراث آپس میں ایک دوسرے کی نظیریں ہیں۔

بس اتنا فرق ہے کہ وصیت رد کرنے سے رد ہو جائے گی اور میراث رد نہیں ہوگی کیونکہ وصیت میں من جانب موصی تملیک کا پہلو ہے اور جہاں تملیک کا پہلو ہو وہاں رجوع جائز ہے اور میراث میں تملیک نہیں ہے بلکہ محض استخلاف ہے۔

حمل کے لئے وصیت تو جائز ہے لیکن حمل کے لئے ہبہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ ہبہ خالص تملیک ہے جس میں استخلاف نہیں ہے اور چونکہ حمل ابھی پیدا نہیں ہوا تو اس پر ابھی کسی کو ولایت حاصل نہیں ہو سکی جو اس کو کسی چیز کا مالک بنا سکے اس لئے ہبہ نا جائز ہے۔

اور رہی حمل کی وصیت تو وہ بھی جائز ہے اس لئے کہ ہماری گفتگو ایسے جنین حمل کے بارے میں ہے جس کا بوقت وصیت موجود ہونا معلوم ہو اور جب یہاں اس کا موجود ہونا معلوم ہو چکا ہے تو وہ جنین چند ایام کے بعد موجود ہو ہی جائے گا۔

اور میت کی حاجت و عجز کے پیش نظر باب وصیت وسیع ہے اور وسعت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے باغ میں جو پھل آئے گا یہ فلاں کے لئے وصیت ہے تو یہ وصیت جائز ہے حالانکہ پھل ابھی موجود نہیں تو جو چیز موجود ہے اس کی وصیت بدرجۂ اولی جائز ہے۔

حاملہ باندی کی دوسرے کیلئے وصیت کرنا اور حمل کا استثنٰی کرنا

قال ومن اوصى بجارية الا حملها صحت الوصية والاستثناء لان اسم الجارية لايتناول الحمل لفظا ولكنه يستحق بالاطلاق تبعا فاذا افرد الام بالوصية صح افرادها ولانه يصح افراد الحمل بالوصية فجاز استثناءه وهذا هو الاصل ان ما يصح افراده بالعقد يصح استثناءه منه اذلا فرق بينهما وما لا يصح افراده بالعقد لا يصح استثناءه منه وقد مر فى البيوع

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے وصیت کی باندی کی مگر اس کے حمل کی تو وصیت اور استثناء صحیح ہے اس لئے کہ لفظ جاریہ لفظی اعتبار سے حمل کو شامل نہیں ہے لیکن لفظ جاریہ کے مطلق بولنے کی وجہ سے تبعاً حمل کا استحقاق ثابت ہو جاتا ہے پس جب موصی نے تنہا ماں کی وصیت کی تو ماں کا افراد صحیح ہے اور اس لئے کہ حمل کی وصیت کا افراد صحیح ہے تو اس کا استثناء جائز ہے اور یہی قاعدہ کلیہ ہے کہ عقد میں جس چیز کا افراد صحیح ہے تو عقد سے اس کا استثناء صحیح ہے اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور عقد میں جس کا افراد صحیح نہیں ہے تو عقد سے اس کا استثناء صحیح نہیں ہے اور یہ قاعدہ کلیہ کتاب البیوع میں گزر چکا ہے۔

تشریح...... اگر موصی نے باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کا استثناء کر دیا تو باندی کی وصیت صحیح ہے اور استثناء بھی صحیح ہے لہٰذا حمل وصیت میں داخل نہ ہوگا کیونکہ لفظی اعتبار سے لفظ جاریہ حمل کو شامل نہیں ہے لیکن اگر مطلق جاریہ بولا اور حمل کا استثناء نہیں کیا تو تابع ہونے کی وجہ سے حمل بھی باندی کے تحت داخل ہوگا اور وصیت درست ہوگی۔

تو جب موصی نے تنہا ماں کی وصیت کی تو وصیت درست ہے اور اگر تنہا حمل کی وصیت کرے تو وہ بھی جائز ہے لہٰذا اس کا استثناء بھی صحیح ہے۔

کیونکہ قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ تنہا جس چیز کا عقد ہو سکتا ہے تو اس کا عقد سے استثناء بھی ہو سکتا ہے اور تنہا جس کا عقد نہیں ہو سکتا اس کا استثناء بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

وصیت سے رجوع کرنے کا حکم

قال ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة لانه تبرع لم یتم فجاز الرجوع عنه کالهبة وقد حققناه فی کتاب الهبة ولان القبول یتوقف علی الموت والایجاب یصح ابطاله قبل القبول کما فی البیع

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور موصی کے لئے وصیت سے رجوع جائز ہے اس لئے کہ وصیت ایک تبرع ہے جو تام نہیں ہوا تو ہبہ کے مثل اس سے رجوع جائز ہے اور ہم اس کو کتاب الہبہ میں بیان کر چکے ہیں اور اس لئے کہ قبول موت پر موقوف ہے اور قبول سے پہلے ایجاب کا ابطال صحیح ہے جیسے بیع میں۔

تشریح...... اگر موصی وصیت سے رجوع کرے تو جائز ہے کیونکہ وصیت تبرع ہے اور تبرع جب تک تام نہ ہو تو اس سے رجوع جائز ہے جیسے ہبہ کی تمامیت سے پہلے اس سے رجوع جائز ہے جس کا تفصیلی بیان کتاب الہبہ میں گزر چکا ہے اور اس لئے کہ قبول وہ معتبر ہے جو موصی کی موت کے بعد ہو (کما مر) اور اصول یہ ہے کہ اگر ایجاب کے بعد قبول نہ آیا ہو تو قبول سے پہلے پہلے ایجاب کا ابطال جائز ہے جیسے بیع کے اندر بھی یہی حکم ہے۔

وصیت سے رجوع کے دو طریقے

قال واذا صرح بالرجوع او فعل ما یدل علی الرجوع کان رجوعا اما الصریح فظاهر وکذا الدلالة لانها تعمل علی الصریح فقام مقام قوله قد ابطلت وصار کالبیع بشرط الخیار فانه یبطل الخیار فیه بالدلالة

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جب موصی نے رجوع کر لیا یا کوئی ایسا کام کیا جو رجوع پر دلالت کرے تو رجوع ہو جائے گا بہرحال

صریح تو ظاہر ہے اور ایسے ہی دلالت اس لئے کہ دلالت صریح جیسا کام کرتی ہے تو وہ اس کے قول قد ابطلتُ کے قائم مقام ہو گیا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے بیع بشرط الخیار کہ اس میں دلالت کی وجہ سے خیار باطل ہو جائیگا۔

تشریح..... ماقبل میں معلوم ہو گیا کہ موصی کے لئے وصیت سے رجوع جائز ہے پھر فرما رہے ہیں رجوع کے دو طریقے ہوتے ہیں،

۱- صراحۃً رجوع کر لیا جائے۔

۲- کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو رجوع پر دلالت کرے۔

تو دونوں صورتوں میں رجوع درست ہے کیونکہ دلالت بھی صراحۃً رجوع کے درجہ میں ہے اور دلالت اس کے قد ابطلتُ کے درجہ میں ہے۔ جیسے اگر مشتری نے اپنے لئے خیار شرط لیا ہو تو ایسا کام کرنے سے خیار باطل ہو جائے گا جو ابطالِ خیار پر دلالت کرے۔

وصیت سے رجوع کی ایک اور صورت

ثم كل فعل لو فعله الانسان في ملك الغير ينقطع به حق المالك فاذا فعله الموصى كان رجوعا وقد عددنا هذه الافاعيل في كتاب الغصب

ترجمہ..... پھر ہر وہ کام جس کو انسان غیر کی ملک میں کرے جس سے مالک کا حق منقطع ہو جائے پس جب اس کام کو موصی نے کر دیا تو یہ رجوع بن جائیگا اور ان افعال کو ہم نے کتاب الغصب میں بیان کر دیا ہے۔

تشریح..... یہاں سے مصنفؒ چند قواعد و اصول پیش فرما رہے ہیں یہ پہلا اصول ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے کی ملکیت میں ایسا کام کر دیا جس سے مالک کا حق منقطع ہو جائے جیسے مثلاً گیہوں تھے غاصب نے ان کو پیس دیا تو اب آٹے کے ساتھ غاصب کا حق متعلق ہو گیا اور مغصوب منہ کو اس کا ضمان ادا کیا جائے گا تو مصنفؒ نے بتایا کہ اگر موصی نے بعد وصیت موصی بہ میں ایسا تصرف کر دیا تو یہ تصرف رجوع کی دلیل ہوگا اور کتاب الغصب میں ان افعال کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے۔

موصی نے موصی بہ میں ایسا اضافہ اور زیادتی کی جو موصی بہ سے جدا نہ ہو سکتی ہو تو یہ بھی وصیت سے رجوع کی دلیل ہے

و كل فعل يوجب زيادة في الموصى به ولا يمكن تسليم العين الابها فهو رجوع اذا فعله مثل السويق يلته بالسمن والداربيني فيها الموصى والقطن يحشوبه والبطانة يبطن بهاو الظهارة يظهر بها لانه لا يمكنه تسليمه بدون الزيادة ولا يمكن نقضها لانه حصل في ملك الوصي من جهته بخلاف تجصيص الدار الموصى بها وهدم بنائها لانه تصرف في التابع

ترجمہ..... اور ہر ایسا فعل جو موصی بہ میں زیادتی کو ثابت کرے اور عین کی تسلیم اس زیادتی کے بغیر ممکن نہ ہو تو جب موصی نے یہ کام انجام دیا ہو تو یہ رجوع ہے جیسے ستو جس کو گھی میں ملا دیا ہو اور گھر جس میں موصی نے عمارت بنا دی ہو اور روئی جس کو موصی نے بھر لیا ہو اور استر کا کپڑا جس کا موصی نے استر بنا لیا ہو اور ابر جس کا موصی نے ابرا بنا لیا ہو۔ اس لئے کہ اس زیادتی کے بغیر موصی کو اس کی تسلیم ممکن نہیں

ہے۔ اور زیادتی کا توڑنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ زیادتی موصی کی جانب سے موصی کی ملکیت میں حاصل ہوئی ہے بخلاف وصیت کئے ہوئے گھر چونا کرنے کے اور اس کی عمارت کو گرانے کے اس لئے کہ یہ تابع میں تصرف ہے۔

تشریح...... اور اگر موصی نے موصی بہ میں کچھ اضافہ کر دیا ہو کہ وہ زیادتی موصی بہ سے الگ نہ کی جاسکے اور اگر کی جائے تو اس میں نقصان ہو تو ایسا کام کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ موصی نے رجوع کر لیا ہے جس کی امثلہ مصنفؒ نے بہت سی بیان کی ہیں جو کتاب میں مذکور ہیں البتہ اگر موصی نے اس گھر میں جس کی اس نے وصیت کی ہے چونا کرا دیا ہو یا ہو یا اس کو گرا دیا ہو تو یہ دونوں فعل رجوع کی دلیل نہیں ہیں، اسلئے کہ اصل موجود ہے اور یہ چیزیں تابع ہیں اور موصی کا تصرف اصل میں نہیں بلکہ تابع کے اندر ہے۔

ہر ایسا تصرف جس سے موصی کی ملک زائل ہو جائے یہ بھی رجوع کی دلیل ہے

وكل تصرف اوجب زوال ملك الموصى فهو رجوع كما اذا باع العين الموصى به ثم اشتراه اووهبه ثم رجع فيه لان الوصية لاتنفذ الافى ملكه فاذا ازاله كان رجوعا وذبح الشاة الموصى بها رجوع لانه للصرف الى حاجته عادة فصار هذه المعنى اصلا ايضا وغسل الثوب الموصى به لا يكون رجوعا لان من اراد ان يعطى ثوبه غيره يغسله عادة فكان تقريرا

ترجمہ...... اور ہر ایسا تصرف جو موصی کی ملکیت کے زوال کو ثابت کرے تو وہ رجوع ہے جیسے جب کہ اس نے فروخت کر دیا اس چیز کو جس کی وصیت کی گئی ہے پھر اس نے اس کو خرید لیا یا اس کو ہبہ کر دیا پھر اس میں رجوع کر لیا، اس لئے کہ وصیت نافذ نہیں ہوتی مگر اپنی ملک میں پس جب اس نے اس کو زائل کر دیا تو وہ رجوع ہو گیا اور وصیت کی ہوئی بکری کو ذبح کرنا رجوع ہو گا اسلئے کہ عادۃً ایسا کرنا اپنی حاجت میں پھیرنے کے مترادف ہے، البتہ موصی بہ کپڑوں کو دھونا رجوع نہ ہو گا اس لئے کہ جس نے ارادہ کیا کہ اپنے کپڑے کو اپنے غیر کو دے تو وہ عادۃً اس کو دھوتا ہے تو یہ وصیت کی تقریر ہے۔

تشریح...... اور اگر موصی نے کوئی ایسا تصرف اس میں کر دیا جو موصی کی ملک زائل ہونے کا سبب ہو تو وہ بھی رجوع کی دلیل ہو گی۔

جیسے اگر موصی نے موصی بہ کو فروخت کر دیا اگر چہ بعد میں اس کو خرید لیا ہو تب بھی یہ فروخت کرنا دلیل رجوع ہے یا موصی نے اس کو ہبہ کر دیا ہو اگر چہ بعد میں رجوع بھی کر لیا ہو تب بھی ہبہ کرنا دلیل رجوع ہے کیونکہ وصیت تو اپنی ملک میں نافذ ہوتی ہے اور جب اس نے ان تصرفات سے اپنی ملک کو زائل کر دیا تو یہ رجوع کی دلیل ہے۔

اور اگر موصی نے وصیت کی ہوئی بکری کو ذبح کر دیا تو یہ بھی دلیل رجوع ہے اس لئے کہ عادت یہی ہے کہ ذابح اپنے لئے ذبح کرتا ہے۔

تو یہ بھی ایک قاعدہ کلیہ ہو گیا کہ جب موصی اپنی حاجت میں استعمال کے لئے موصی بہ میں کوئی تصرف کرے گا تو وہ دلیل رجوع ہے۔

اور اگر موصی بہ کپڑا ہو اور موصی نے اس کو دھو دیا ہو تو یہ دھونا رجوع نہ ہو گا کیونکہ عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ جو اپنا کپڑا دوسرے کو دیتا ہے تو دھو کر ہی دیتا ہے اس لئے اس کو دلیل رجوع شمار نہیں کیا گیا بلکہ یہ وصیت کا اثبات اور تقریر ہے۔

موصی وصیت سے انکار کردے اسے رجوع عن الوصیۃ گردانا جائے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

قال ومن جحد الوصية لم يكن رجوعا كذا ذكره محمد وقال ابو يوسف يكون رجوعا لان الرجوع نفي في الحال والجحود نفي في الماضي والحال فاولى ان يكون رجوعا

ترجمہ قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے وصیت سے انکار کیا تو یہ انکار رجوع نہ ہوگا محمدؒ نے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ رجوع ہو جائے گا اس لئے کہ رجوع فی الحال نفی ہے اور جحود ماضی اور حال میں نفی ہے پس بدرجہ اولی یہ بات ہوگی کہ جحود رجوع ہو جائے۔

تشریح ماقبل میں گزر چکا ہے کہ وصیت سے رجوع جائز ہے اور کچھ ایسے افعال مذکور ہوئے جو رجوع کی دلیل ہیں، اب یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر موصی سرے سے وصیت ہی کا انکار کردے تو کیا حکم ہے تو مصنفؒ نے یہاں دو قول پیش کئے ہیں ایک امام محمدؒ کا اور دوسرا امام ابو یوسفؒ کا تو امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ انکار رجوع نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ یہ رجوع ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجوع کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں ماضی کے اندر وصیت کا اثبات ہے اور فی الحال اس کی نفی مقصود ہے اور رجوع جائز ہے اور انکار وصیت کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں بھی انکار ہے اور حال میں بھی انکار ہے تو جب فی الحال کے انکار سے رجوع ہو جاتا ہے تو ماضی اور حال دونوں کی نفی سے بدرجہ اولی رجوع ہو جائے گا۔

تنبیہ-۱ امام محمدؒ نے جامع کبیر میں فرمایا ہے کہ انکار رجوع نہیں ہے اور مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ انکار رجوع ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جو مبسوط میں مذکور ہے وہ اس حالت پر محمول ہے جب کہ رجوع موصی لہ کے سامنے ہو اور جو جامع کبیر میں مذکور ہے وہ اس حالت پر محمول ہے جب کہ رجوع موصی لہ کی غیبت میں ہو اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جو جامع کبیر میں مذکور ہے وہ امام محمدؒ کا قول ہے اور جو مبسوط میں مذکور ہے وہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے صاحب ہدایہ کا خیال بھی یہی ہے اور یہی صحیح ہے، زیلعی ص ۱۸۷ ج ۶۔

امام محمدؒ کی دو دلیلیں

ولمحمد ان الجحود نفي في الماضي والانتفاء في الحال ضرورة ذلك واذا كان ثابتا في الحال كان الجحود لغوا اولان الرجوع اثبات في الماضي ونفي في الحال والجحود نفي في الماضي والحال فلا يكون رجوعا حقيقة ولهذا لا يكون جحود النكاح فرقة

ترجمہ اور محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ انکار کرنا ماضی میں نفی کرنا ہے اور حال میں منتفی ہونا اس کی ضرورت کی وجہ سے اور جب کہ کذب فی الحال ثابت ہے تو انکار کرنا لغو ہوگا اور اس لئے کہ ماضی میں اثبات اور حال میں نفی کرنا ہے اور انکار کرنا ماضی اور حال میں نفی کرنا ہے، تو حقیقتاً رجوع نہ ہوگا اور اسی وجہ سے نکاح کا انکار فرقت نہ ہوگا۔

تشریح یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جحود وانکار کا مقصد یہ ہے کہ ماضی میں وصیت کی نفی کردی جائے اور

جب ماضی میں نفی کر دی گئی اور کوئی تغیر پایا نہیں گیا تو اس کو فی الحال بھی منفی شمار کر لیا جائے اس کو مصنفؒ نے فرمایا کہ فی الحال کا انتفاء ماضی کے اندر نفی کی ضرورت کے تقاضہ کے پیش نظر ہوا ہے اور چونکہ اس مسئلہ میں فرض ایسے کیا گیا ہے کہ موصی وصیت کر چکا ہے لیکن اب وہ اس کا انکار کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ موصی کاذب ہے۔ اور جب اس کا کاذب ہونا ثابت ہوا تو اس کے انکار کی وجہ سے ماضی کے اندر نفی ثابت نہ ہوگی بلکہ باطل ہوگی اور جب ماضی کی نفی باطل ہوگئی تو حال کی نفی بدرجۂ اولیٰ باطل ہوگی لہٰذا موصی کا انکار لغو ہوگا۔

دوسری دلیل...... امام محمدؒ کی یہ ہے کہ رجوع کی حقیقت اور ہے اور جحود کی اور ہے رجوع کے اندر ماضی میں اثبات ہے اور حال میں نفی ہے اور جحود میں دونوں جگہ نفی ہی نفی ہے تو جب ان دونوں کی حقیقت جداگانہ ہے تو جحود سے حقیقتاً رجوع کیسے ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ نکاح سے انکار کرنا فرقت وطلاق شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ دونوں کی حقیقت جداگانہ ہے کیونکہ جحود کا مقصد ماضی میں نکاح کی نفی کرنا ہے اور طلاق کا مقصد ماضی میں اثبات اور فی الحال نفی ہے تو جیسے ان دونوں میں تقابل کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی جگہ بطور استعارہ کے استعمال نہیں کیا جائے گا اسی طرح انکار اور رجوع کے اندر تقابل ہے لہٰذا ان میں سے کوئی دوسرے کی جگہ استعمال نہیں کیا جائے گا۔

موصی وصیت کے بعد یہ الفاظ کہے کہ میری ہر وصیت حرام اور سود ہے تو ان الفاظ سے رجوع شمار نہ ہوگا، اسی طرح موصی نے کہا میں نے وصیت کو مؤخر کر دیا تو بھی رجوع شمار نہ ہوگا

ولو قال كل وصية اوصيت بها لفلان فهو حرام وربوا لا يكون رجوعا لان الوصف يستدعي بقا الاصل بخلاف ما اذا قال فهي باطلة لانه الذاهب المتلاشي ولو قال اخرتها لا يكون رجوعا لان التاخير ليس للسقوط كتاخير الدين بخلاف ما اذا قال تركت لانه اسقاط

ترجمہ...... اور اگر موصی نے کہا کہ ہر وہ وصیت جس کی میں نے فلاں کے لئے وصیت کی ہے پس وہ حرام اور ربوا ہے تو یہ رجوع نہ ہوگا اس لئے کہ وصف اصل کی بقاء کو مقتضاء ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی نے کہا پس وہ باطل ہے اس لئے کہ باطل وہ ہے جو ختم ہو جائے اور معدوم ہو جائے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے وصیت کو مؤخر کر دیا تو یہ رجوع نہ ہوگا اس لئے کہ تاخیر سقوط کے لئے نہیں ہے جیسے قرض کو مؤخر کرنا بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی نے کہا ترکتُ اس لئے کہ ترک اسقاط ہے۔

تشریح...... اگر موصی نے وصیت کے بعد یہ الفاظ استعمال کئے کہ میری کی ہوئی ہر وصیت حرام اور سود ہے تو یہ رجوع نہ ہوگا اس لئے کہ جب کوئی چیز کسی وصف سے متصف ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز بذاتِ خود موجود ہے لہٰذا اس کا حرام ہونا اور سود ہونا وصیت کا وصف ہے تو جب اس کا وصف باقی ہے تو وصیت بدرجۂ اولیٰ باقی ہے اور جب وصیت باقی ہے تو اس کو رجوع قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ اگر موصی نے یوں کہا ہو کہ میری کی ہوئی تمام وصیتیں باطل ہیں تو یہ وصیت سے رجوع ہوگا اس لئے کہ باطل اس چیز کو کہتے ہیں جو معدوم ہوگئی ہو اور ختم ہوگئی ہو اور معدوم ہو جانا دلیل رجوع ہے۔

اور اگر موصی نے یوں کہا کہ میں نے وصیت کو مؤخر کر دیا تو اس سے رجوع نہ ہوگا اس لئے کہ تاخیر کا مقصد اسقاط نہیں ہے۔ جیسے مقروض کو اداءِ قرض میں مہلت دینا اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرض ہی ختم ہوگیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ تاخیر سے اسقاط نہ ہو

گا، البتہ اگر موصی نے یوں کہا ہو کہ میں نے وصیت کو چھوڑ دیا تو یہ رجوع ہو جائے گا اس لئے کہ ترک (چھوڑنا) اسقاط ہی ہے لہٰذا رجوع ثابت ہوگا۔

موصی نے کہا کہ وہ غلام جس کی میں نے خالد کو وصیت کی وہ زید کے لئے ہے یہ بھی رجوع کی دلیل ہے، اسی طرح اگر کہا کہ یہ غلام فلاں وارث کا ہے تو یہ بھی اول سے رجوع ہے

ولو قال العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان کان رجوعا لان اللفظ یدل علی قطع الشرکة بخلاف ما اذا اوصی به لرجل ثم اوصی به الاخر لان المحل یحتمل الشرکة واللفظ صالح لها وکذا اذا قال فهو لفلان وارثی یکون رجوعا عن الاول لما بینا ویکون وصیة للوارث وقد ذکرنا حکمه ولو کان فلان الاخر میتا حین اوصی فالوصیة الاولی علی حالها لان الوصیة الاولی انما تبطل ضرورة کونها للثانی ولم یتحقق فبقی للاول ولو کان فلان حین قال ذلک حیاثم مات قبل موت الموصی فهی للورثة لبطلان الوصیتین الاولی بالرجوع والثانیة بالموت والله اعلم

ترجمہ...... اور اگر موصی نے کہا کہ وہ غلام جس کی میں نے فلاں کو وصیت کی ہے پس وہ غلام فلاں کے لئے ہے تو یہ رجوع ہوگا اس لئے کہ لفظ شرکت کے ختم کرنے پر دلالت کرتا ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ اس نے غلام کی کسی شخص کیلئے وصیت کی ہو پھر اس کی دوسرے کے لئے وصیت کی ہو اس لئے کہ محل شرکت کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ شرکت کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایسے ہی جب کہ اس نے کہا کہ وہ غلام میرے فلاں وارث کا ہے تو یہ اول سے رجوع ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور وہ وارث کے لئے وصیت ہو جائے گا اور ہم اس کے حکم کو ذکر کر چکے ہیں اور اگر وہ دوسرا فلاں بوقتِ وصیت میت ہو تو پہلی وصیت اپنے حال پر ہے اس لئے کہ پہلی وصیت باطل ہوتی ہے وصیت ثانی کے لئے ہونے کی ضرورت کی وجہ سے اور یہ (دوسرے کیلئے وصیت) متحقق نہ ہو سکی تھی وصیت اول کیلئے باقی رہی اور اگر وہ فلاں جب کہ موصی نے یہ بات کہی تھی زندہ ہو پھر وہ (موصٰی لہٗ ثانی) موصی کی موت سے پہلے مر گیا تو وصیت موصی کے ورثہ کے لئے ہوگی دونوں وصیتوں کے باطل ہونے کی وجہ سے اوّل رجوع کی وجہ اور ثانی موت کی وجہ سے (باطل ہونے کی وجہ سے) واللہ اعلم۔

تشریح...... اگر موصی نے اولاً خالد کو ایک غلام کی وصیت کی ہو اور پھر موصی نے کہا کہ میں نے خالد کو جو وصیت کی تھی وہ وصیت میں زید کے لئے کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ رجوع ہے اور موصی کا مقصد یہ ہے کہ اس کو خالد سے ہٹا کر زید کے لئے وصیت کر دوں۔

سوال...... خالد اور زید کے درمیان اس کو مشترک قرار دیدو؟

جواب...... کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو مشترک کو ثابت کر سکے بلکہ موصی کا کلام صراحۃً یہ ثابت کر رہا ہے کہ شرکت نہیں ہے بلکہ وہ غلام خاص طریقہ پر زید کے لئے ہے۔

اور اگر اولاً اس غلام کی وصیت موصی نے خالد کے لئے کی اور پھر اسی کی وصیت زید کے لئے کر دی تو یہاں غلام کو اول ثانی کے درمیان آدھا آدھا قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ اس کلام میں کوئی لفظ ایسا مستعمل نہیں ہے جو قطع شرکت پر دلالت کرے اور لفظ وصیت

شرکت کا احتمال رکھتا ہے یعنی وصیت میں شرکت کی صلاحیت ہے۔

اور اگر موصی نے یوں کہا ہو کہ میں نے فلاں کو جو وصیت کر رکھی ہے پس وہ سامان میرے فلاں وارث کے لئے وصیت ہے تو یہ بھی رجوع ہو جائے گا یعنی موصی نے پہلی وصیت سے رجوع کر لیا اور اب اس کو وارث کے لئے وصیت قرار دیا جائے گا اور وارث کے لئے وصیت کا کیا حکم ہے اس کا تفصیلی بیان ماقبل میں گزر چکا ہے۔

لیکن جب موصی نے دوسرے موصٰی لہٗ کو وصیت کی اس وقت موصٰی لہٗ ثانی زندہ نہیں ہے بلکہ وصیت سے پہلے ہی مر چکا ہے تو پہلی وصیت باطل نہ ہوگی بلکہ وصیت برقرار رہے گی اس لئے کہ پہلی وصیت صرف اس وقت ٹوٹتی ہے جب کہ وصیت دوسرے کے لئے صحیح ہو جائے اور یہاں وصیت دوسرے کے لئے صحیح نہیں ہوتی تو پہلی وصیت صحیح اور درست ہے۔

اور اگر موصی کے یہ کہنے کے وقت موصٰی لہٗ ثانی زندہ ہے لیکن وہ موصی کی موت سے پہلے ہی مر گیا تو اب وصیت دونوں کے حق میں باطل ہے اور یہ مالِ وصیت موصی کے ورثہ کا ہوگا۔

پہلی وصیت کے باطل ہونے کی وجہ موصی کا اس سے رجوع ہے اور وصیت ثانیہ کے باطل ہونے کی وجہ موصٰی لہٗ ثانی کا موصی کی موت سے پہلے مر جانا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

بـــابُ الـــو صيّة بثـلـــث الـمـــال

ترجمہ...... یہ باب ہے مال کے ثلث کی وصیت کرنے کا

تشریح...... کتابُ الوصایا کے مسائل عامّہ کا محور ثلثِ مال ہے اس لئے کتابُ الوصایا کے مقدمات کو بیان کرنے کے بعد ان مسائل کو بیان کیا گیا جو اس باب سے تعلق رکھتے ہیں۔

دو علیحدہ شخصوں کیلئے ایک ایک ثلث کی وصیت کرنا ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے

قال ومن اوصى لرجل بثلث ماله ولاخر بثلث ماله ولم تجز الورثة فالثلث بينهما لانه يضيق الثلث عن حقهما اذ لا تزاد عليه عند عدم الاجازة على ما تقدم وقد تساويا فى سبب الاستحقاق فيستويان فى الاستحقاق والمحل يقبل الشركه فيكون بينهما

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے کسی شخص کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے اپنے ثلث مال کی اور ورثا نے اجازت نہ دی تو ثلث ان دونوں کے درمیان ہوگا اس لئے کہ ثلث ان دونوں کے حق سے تنگ ہے اسلئے کہ ورثا کی اجازت نہ ہونے کے وقت وصیت ثلث سے بڑھائی نہیں جاسکتی اس تفصیل کے مطابق جو مقدم ہو چکی ہے اور یہ دونوں استحقاق کے سبب میں مساوی ہیں تو استحقاق کے اندر دونوں مساوی ہوں گے اور محل شرکت کو قبول کرتا ہے تو ثلث ان دونوں کے درمیان ہوگا۔

تشریح...... ماقبل میں تفصیلات گزر چکی ہیں کہ ایک تہائی سے زیادہ مال کی اگر وصیت کی تو ورثہ کی اجازت سے اس کا نفاذ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں اب دیکھئے کہ زید نے اپنے ثلث مال کی وصیت خالد کے لئے کر دی اور بکر کے لئے بھی ثلث مال کی وصیت کر دی تو ان دونوں

وصیتوں کا مال ثلثان ہو گیا اور محل نفاذ وصیت فقط ثلث ہے اور ورثا نے ثلث سے زیادہ میں اجازت نہیں دی ایک ثلث خالد اور بکر کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔ اس لئے کہ ایک ثلث میں اتنی وسعت وگنجائش تو ہے نہیں کہ اس میں سے ہر ایک کو پورا پورا ثلث مل جائے کیونکہ جب ورثہ کی اجازت نہ ہو تو وصیت ثلث پر زیادہ نہیں کی جاسکتی اور سبب استحقاق میں دونوں برابر ومساوی ہیں تو پھر استحقاق کے اندر بھی دونوں مساوی ہوں گے اور ثلث کے اندر بھی یہ صلاحیت ہے کہ اس میں شرکت ہو سکتی ہے لہٰذا ثلث کو ان دونوں کے درمیان مشترک قرار دیا جائے گا۔

ایک شخص کے لئے ثلث اور دوسرے کے لئے سدس کی وصیت کرنے کا حکم

وان اوصى لاحدهما بالثلث ولاخر بالسدس فالثلث بينهما اثلاثا لان كل واحد منهما يدلى بسبب صحيح وضاق الثلث عن حقيهما فيقسمانه على قدر حقيهما كما في اصحاب الديوان فيجعل الاقل سهما والاكثر سهمين فصار ثلثة اسهم سهم لصاحب الاقل وسهمان لصاحب الاكثر

ترجمہ ...... اور اگر ان دونوں میں سے ایک کے لئے ثلث کی اور دوسرے کے لئے سدس کی وصیت کی تو ثلث ان دونوں کے درمیان تین حصہ ہو کر تقسیم ہوگا اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سبب صحیح کی وجہ سے استحقاق رکھتا ہے اور ثلث ان دونوں کے حق سے تنگ ہو گیا تو وہ ثلث کو اپنے حق کے بقدر تقسیم کریں گے جیسے اصحاب الدیون میں تو اقل کو ایک سہم اور اکثر کو دو سہم قرار دیا جائے گا تو تین سہم ہو گئے ایک سہم صاحب اقل کیلئے اور دو سہم صاحب اکثر کے لئے۔

تشریح ...... اگر موصی نے خالد کے لئے ثلث مال کی وصیت کی اور بکر کے لئے سدس کی جس کا مال نصف ہو گیا اور نصف بغیر ورثائی اجازت ان کو نہیں دیا جا سکتا تو صرف ثلث ہی ان دونوں کو دیا جائے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ خالد کو ثلث میں سے ($\frac{2}{3}$) اور بکر کو ($\frac{1}{3}$) ملیں گے کیونکہ دونوں کا استحقاق وصیت کے ذریعہ سے ہوا ہے اور یہ سبب صحیح ہے اور ثلث میں اتنی وسعت نہیں ہے جو ان دونوں کے حق کو پورا کر سکے لہٰذا جیسے اصحاب دیون ترکہ کو اپنے اپنے حق کے تناسب سے تقسیم کرتے ہیں اسی طرح یہ دونوں موصی لہ بھی کریں گے (اصحاب الدیون کی تفصیل ہم درس سراجی میں بیان کر چکے ہیں) لہٰذا ان کے حق میں یہی تناسب ہے کہ خالد کا حق ($\frac{2}{3}$) ہے اور بکر کا ($\frac{1}{3}$) ہے لہٰذا ثلث کو بھی تین حصوں پر تقسیم کر کے اسی تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا کہ خالد کے لئے دو حصے ہوں گے اور بکر کے لئے ایک حصہ ہوگا۔

ایک کیلئے کل مال اور دوسرے کیلئے ثلث (ایک تہائی) کی وصیت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

وان اوصى لاحدهما بجميع ماله ولاخر بثلث ماله ولم تجز الورثة فالثلث بينهما على اربعة اسهم عندهما وقال ابو حنيفة الثلث بينهما نصفان ولا يضرب ابو حنيفة للموصى له ما زاد على الثلث الا في المحاباة والسعاية والدراهم المرسلة

ترجمہ ...... اور اگر موصی نے ان دونوں میں سے ایک کے لئے اپنے پورے مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے اپنے ثلث مال کی اور ورثا نے اس کی اجازت نہیں دی تو صاحبینؒ کے نزدیک ثلث ان دونوں کے درمیان چار حصوں پر ہوگا، اور ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ثلث

ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور ابوحنیفہؒ موصی لہٗ کے حق میں ثلث سے زیادہ میں تناسب کا لحاظ نہیں کرتے مگر محابات میں اور سعایہ میں اور دراہم مرسلہ میں۔

تشریح ..... زید نے خالد کے لئے اپنے پورے مال کی وصیت کردی اور بکر کے لئے ثلث مال کی تو اب دو صورتیں ہیں:-

۱- ورثا نے تمام وصیت کی اجازت دیدی۔

۲- ورثا نے اجازت نہیں دی۔

تو اگر پہلی صورت ہو تو اس میں بھی ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے اور دوسری صورت میں بھی اختلاف ہے۔

پہلی صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک خالد کے لئے ($\frac{5}{6}$) ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک خالد کے لئے ($\frac{3}{4}$) اور بکر کے لئے ($\frac{1}{4}$) ہوگا مگر مصنفؒ نے اس پہلی صورت کو بیان نہیں فرمایا بلکہ صرف دوسری صورت کو بیان فرمایا ہے، اس میں بھی حضراتِ صاحبینؒ یہی فرماتے ہیں کہ ثلث کے چار حصے کئے جائیں گے پھر ان میں سے تین خالد کو اور ایک بکر کو دیا جائے گا اور امام صاحبؒ کے نزدیک صورت مذکورہ میں دونوں ثلث کے اندر برابر کے شریک ہوں گے کیونکہ ثلث سے زیادہ کی وصیت جبکہ ورثہ اجازت نہ دیں باطل ہے اور باطل کا کچھ اعتبار نہیں تو وصیت ثلث تک باقی رہی اور ثلث ہی کی بکر کے لئے بھی ہے تو یہ صورت اس صورت کے مثل ہوگئی جس میں دونوں کے لئے ثلث ثلث کی وصیت تھی اور وہاں یہی حکم تھا اس طرح یہاں بھی آدھا آدھا تقسیم کرنے کا حکم ہوگا۔

پھر ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ خالد و بکر کے حقوق کا تناسب دیکھا تو جاتا ہے مگر ثلثِ مال تک دیکھا جاتا ہے اور اگر وصیت ثلث سے بڑھ جائے تو پھر حقوق کا تناسب نہیں دیکھا جائے گا بلکہ دونوں کو برابر برابر ثلث میں شریک کردیا جائے گا اور صورتِ مذکورہ میں وصیت ثلث مال سے بڑھی ہوئی ہے (جیسا کہ ظاہر ہے) لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق تناسب کا لحاظ نہ ہوگا بلکہ دونوں کو مساوی شمار کیا جائے گا۔

البتہ اس قاعدہ کلیہ سے تین مسائل مستثنیٰ ہیں،

۱- محابات فی البیع ۲- غلام کی کمائی ۳- دراہم مرسلہ

اب ان تینوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۱- محابات فی البیع ..... زید کے دو غلام ہیں ان میں سے ایک کی قیمت مثلاً گیارہ سو روپے ہے اور دوسرے کی چھ سو روپے ہے، اب اول والے کی وصیت زید نے خالد کے لئے اور دوسرے کی بکر کے لئے کی اور یوں کہا کہ یہ غلام خالد کو فروخت کردینا سو روپے میں اور یہ دوسرا بکر کو فروخت کردینا سو روپے میں، لہٰذا کیا گیا اور زید نے ان دونوں غلاموں کے علاوہ اتنا مال چھوڑا ہے جو ان کا دو ثلث یا زیادہ ہے تو یہ وصیت پوری نافذ ہوگی، اور اگر زید نے ان دونوں کے علاوہ کوئی نہ چھوڑا ہے تو وصیت صرف تہائی میں نافذ ہوگی اور وہ تہائی دونوں موصی لہٗ کو ان کے حق کے تناسب سے ملے گی تو گویا زید نے خالد کے لئے ہزار روپے اور بکر کے لئے پانچ سو روپے وصیت کئے ہیں جن کا ثلث (۵۰۰) ہے تو خالد کے لئے (۵۰۰) کا ($\frac{2}{3}$) اور بکر کو ($\frac{1}{3}$) ملے گا اور باقی قیمت موصی کے ورثا کو دیں گے، بہرحال امام صاحبؒ کے نزدیک اگر یہ صورت مستثنیٰ نہ ہوتی تو خالد بکر دونوں کے لئے (۵۰۰) میں سے آدھا آدھا ہوتا اور باقی قیمت موصی کے ورثا کو دیتے مگر یہاں انھوں نے اپنے اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور حق کے تناسب

کے لحاظ سے ثلث کو تقسیم کیا ہے۔

۲- سعایہ...... سعایہ کی صورت یہ ہے، کہ زید نے اپنے دو غلاموں کے عتق کی وصیت کی اور زید کا کوئی مال ان دونوں غلاموں کے علاوہ نہیں ہے اور ان میں سے ایک کی قیمت دو ہزار ہے اور دوسرے کی ایک ہزار ہے تو یہ وصیت ثلث کے اندر نافذ ہوگی اور دو ثلث کے اندر ان پر قیمت واجب ہوگی جو یہ کما کر ورثا کو دیں گے لیکن اس ثلث کے اندر دونوں کی قیمت کے تناسب سے بٹوارہ ہوگا، اور ان دونوں کی قیمت کا مجموعہ تین ہزار ہے، جس کا ثلث ہزار ہے تو جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے اس کی قیمت میں سے ۶۶۶ روپے ساقط ہو جائیں گے اور باقی وہ کما کر ورثا کو دے گا اور جس غلام کی قیمت ہزار روپے ہے اس کی قیمت میں سے ۳۳۳ روپے ساقط ہو جائیں گے اور وہ اپنی بقیہ قیمت کما کر ورثا کو دے گا۔

۳- دراہم مرسلہ...... کا مطلب یہ ہے کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ ثلث اس کا اور نصف اس کا وغیرہ، بلکہ وہ مطلقاً یوں کہتا ہے کہ دو سو روپیوں کی وصیت خالد کے لئے ہے اور بکر کیلئے سو کی اور اس کے پاس صرف یہی مال ہے تو یہ وصیت صرف ثلث یعنی سو میں نافذ ہو گی جن میں سے اول کو ۶۶ روپے اور دوسرے کو ۳۳ روپے ملیں گے۔

صاحبینؒ کی دلیل

لهما في الخلافية ان الموصى قصد شيأين الاستحقاق والتفضيل وامتنع الاستحقاق لحق الورثة ولا مانع من التفضيل فيثبت كما في المحاباة واختيها

ترجمہ...... اختلافی مسئلہ میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے استحقاق کا اور تفضیل کا اور حق ورثا کی وجہ سے استحقاق تو ممتنع ہو گیا اور تفضیل سے کوئی چیز مانع نہیں ہے تو تفضیل ثابت ہو جائے گی جیسے اور اس کی دونوں نظیروں میں۔

تشریح...... یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں موصی کا ارادہ دو چیزوں کا ہے

۱- یہ کہ وہ تمام مال کا مستحق ایک کو کرنا چاہتا ہے مگر اس کا یہ ارادہ حق ورثا کی وجہ سے پورا نہیں ہوسکتا۔

۲- دوسرا اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ خالد کو بکر پر ترجیح دینا چاہتا ہے،

تو اس تفضیل و ترجیح سے کوئی مانع موجود نہیں ہے لہٰذا تفصیل ثابت ہو جائے گی جیسے محابات وغیرہ میں تفضیل ثابت ہوئی ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل

وله ان الوصية وقعت بغير المشروع عند عدم الاجازة من الورثة اذلا نفاذ لها بحال فبطل اصلا والتفضيل يثبت في ضمن الاستحقاق فبطل ببطلانه كالمحاباة الثابتة في ضمن البيع بخلاف مواضع الاجماع لان لها نفاذا في الجملة بدون اجازة الورثة بان كان في المال سعة فيعتبر في التفاضل لكونه مشروعا في الجملة بخلاف ما نحن فيه

ترجمہ...... اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت (مذکورہ) غیر مشروع واقع ہوئی ہے ورثا کی اجازت کے نہ ہونے کے وقت اس لئے کہ کسی

حال میں اس وصیت کا نفاذ نہیں ہے تو یہ اصلاً ہی باطل ہوگئی (یعنی وہ مقدار جو مشروع نہیں ہے وہ باطل ہوگئی) اور تفضیل استحقاق کے حق میں ثابت ہوتی ہے تو استحقاق کے بطلان کی وجہ سے تفضیل باطل ہو جائے گی جیسے وہ محابات جو بیع کے ضمن میں ثابت ہو بخلاف مواضعِ اجماع کے (یعنی محابات وغیرہ) اس لئے کہ ان کے لئے (مواضعِ اجماع کیلئے) بغیر ورثا کی اجازت کے فی الجملہ نفاذ ہے اس طریقہ پر کہ مال میں وسعت ہو تو وصیت تفاضل کے حق میں معتبر ہوگی اس کے فی الجملہ مشروع ہونے کی وجہ سے بخلاف اس مسئلہ کے جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

تشریح ...... یہ امام صاحبؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب ورثا نے اجازت نہیں دی تو تہائی سے زیادہ کی وصیت غیر مشروع ہے کیونکہ بغیر ورثا کی اجازت کے ثلث سے زیادہ میں اس کو نافذ کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے لہٰذا ثلث سے زیادہ میں وصیت بالکل باطل ہوگئی اور جب زیادتی باطل ہوگئی تو دونوں میں مساوات رہ گئی اسی کو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تفضیل باطل ہوگئی کیونکہ تفضیل استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے اور جب استحقاق باطل ٹھہرا تو تفضیل بھی باطل ہوگئی اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے کہ متضمن کے بطلان سے متضمَّن کا بطلان لازم آتا ہے جیسے اگر بیع کے اندر محابات ہو اور بیع فاسد ہو جائے تو محابات بھی فاسد ہو جائے گی اور اگر بیع صحیح ہو تو محابات بھی صحیح ہوگی رہا صاحبینؒ کا مسئلہ مذکورہ تو ان مذکورہ تین مسائل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ وجہ مناسبت (علت مشترکہ) مفقود ہے کیونکہ مسائل مذکورہ میں یہ گنجائش ہے کہ ورثا کی اجازت کے بغیر پوری وصیت نافذ ہو جائے جب کہ مال میں اتنی وسعت ہو کہ موصی بہ کے علاوہ اس کا دوگنا مال موجود ہو اور مسئلہ مذکورہ میں ورثہ کی اجازت کے بغیر پورے مال میں نفاذِ وصیت کی کوئی صورت نہیں ہے ورنہ خلاف مشروع لازم آئے گا (کما ہو ظاہر) اس وجہ سے مسئلہ مذکورہ میں اور مسائل ثلاثہ میں فرق کرنا پڑا کہ ان تینوں کے اندر مال کی وسعت کی صورت میں پورا موصی بہ موصی لہٗ کو مل سکتا ہے اور مسئلہ مذکورہ میں نہیں مل سکتا اس لئے کہ اس میں تفاضل کا اعتبار نہیں کیا گیا اور مسائل ثلاثہ میں تفاضل کا اعتبار کر کے مقدارِ ثلث سے زیادہ ہونے کی صورت میں بھی حق کے تناسب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

سوال مقدر کا جواب

وهذا بخلاف ما اذا اوصى بعين من تركته وقيمته تزيد على الثلث فانه يضرب بالثلث وان احتمل ان يزيد المال فيخرج من الثلث لان هناک الحق تعلق بعين التركة بدليل انه لو هلک واستفاد مالا اخر تبطل الوصية وفي الالف المرسلة لو هلکت التركة تنفذ فيما يستفاد فلم يكن متعلقا بعين ما تعلق به حق الورثة

ترجمہ ...... اور یہ اس صورت کے خلاف ہے جب کہ موصی نے اپنے ترکہ میں سے کسی معین چیز (مثلاً گھوڑا) کی وصیت کی اور اس کی قیمت ثلث سے زیادہ ہے پس بیشک موصی لہٗ تہائی کے حساب سے مستحق ہوگا اگرچہ مال بڑھنے کا احتمال ہے پس عین ثلث سے خارج ہو جائے گا اس لئے کہ یہاں موصی لہٗ کا حق عین ترکہ سے متعلق ہوا ہے اس دلیل سے کہ اگر عین ہلاک ہو جائے اور موصی نے دوسرا مال حاصل کیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور مطلق ہزار میں اگر ترکہ ہلاک ہو جائے تو مالِ مستفاد میں وصیت نافذ ہوگی تو حق موصی لہٗ بعینہٖ اس چیز کے ساتھ متعلق نہ ہوا جس کے ساتھ ورثا کا حق متعلق ہے۔

تشریح ...... یہاں سے مصنفؒ ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال ... آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر موصی بہ کے علاوہ اور مال نکل سکے تو چونکہ اس صورت میں پورے موصی بہ میں وصیت کا نفاذ ہو جائے گا اور ہم آپ کو ایسی مثال دکھا سکتے ہیں کہ وہاں پر معنی موجود ہیں اس کے باوجود بھی وہاں ثلث سے زیادہ حق کا تناسب ملحوظ نہیں ہے جو مسائل ثلاثہ میں ہے مثلاً زید نے اپنے گھوڑے کی وصیت خالد کے لئے کی یعنی پورے کی اور بکر کے لئے ثلث کی اور اس گھوڑے کے علاوہ زید نے کوئی اور مال نہیں چھوڑا، تو یہاں حق کے تناسب کا لحاظ ہونا چاہئے حالانکہ یہاں بھی آپ نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں ثلث کے اندر آدھے کے شریک ہونگے حالانکہ مسائل ثلاثہ والی وجہ یہاں بھی موجود ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ اس گھوڑے کے علاوہ اور مال حاصل ہو جائے تو پھر پورے گھوڑے کے اندر وصیت جاری ہوگی؟

جواب ... آپ کا سوال معقول ہے اور وہ وجہ یہاں پر موجود ہے اس کے باوجود بھی دراہم مرسلہ والا حکم اس کو نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس گھوڑے اور دراہم مرسلہ میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ گھوڑے والی صورت میں موصی لہٗ کا حق اس معین گھوڑے کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ اگر یہ گھوڑا ہلاک ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اگر چہ موصی کو گھوڑے کے ہلاک ہونے کے بعد اور مال بھی حاصل ہو گیا ہو تب بھی وصیت باطل ہوگی اس کا حق بعینہ اس گھوڑے میں تھا اور جب وہ ہلاک ہو گیا تو اس کا حق بھی باطل ہو گیا۔

اور دراہم مرسلہ کی صورت میں اس کا حق کسی معین دراہم کے ساتھ نہیں لہٰذا اگر بعد وصیت ترکہ ہلاک ہو جائے اور پھر دوسرا مال مستفاد ہو تو موصی لہٗ کا حق برقرار ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کے اندر تہائی تک موصی لہٗ کا حق ہے اور بعینہ اس گھوڑے کے اندر تہائی کے علاوہ میں ورثا کا حق ہے اور دراہم مرسلہ کی صورت میں بعینہ جس مال کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہے اس کے ساتھ موصی لہٗ کا حق متعلق نہیں ہے، بہر حال ان دونوں میں فرق مذکور کی وجہ سے دونوں کے حکم میں فرق کیا گیا ہے۔

موصی کا اپنے ترکہ سے بیٹے کے حصۂ مال سے کسی شخص کیلئے وصیت کرنے کا حکم

قال واذا اوصى بنصيب ابنه فالوصية باطلة ولو اوصى بمثل نصيب ابنه جاز لان الاول وصية بمال الغير لان نصيب الابن مايصيبه بعد الموت والثاني وصية بمثل نصيب الابن ومثل الشئى غيرهٗ وان كان يتقدربه فيجوز وقال زفرؒ تجوز في الاول ايضا فنظر الى الحال والكل ماله فيه وجوابه ما قلنا

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جب موصی نے اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے اور اگر اپنے بیٹے کے حصہ کے مثل کی وصیت کی تو جائز ہے اس لئے کہ اول غیر کے مال کی وصیت ہے اس لئے کہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو اس کو موت کے بعد ملے گا اور ثانی بیٹے کے حصہ کے مثل کی وصیت ہے اور شئی کا مثل اس کا غیر ہوتا ہے اگر چہ اس مثل کا اندازہ شئی کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ صورت جائز ہے اور زفرؒ نے فرمایا کہ اول میں بھی جائز ہے تو زفرؒ نے فی الحال کا لحاظ کیا ہے اور فی الحال تمام مال موصی کا مال ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ...... اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کا حصہ فلاں کیلئے وصیت ہے تو یہ وصیت جائز نہ ہوگی کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹے کی ملکیت ہوگا تو موصی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ دوسرے کے مال کی وصیت کرے اور اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کا جتنا

حصہ ہے اتنے کی میں نے فلاں کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے کیونکہ یہاں موصی نے دوسروں کے مال کی وصیت نہیں بلکہ موصی بہ کو مال غیر سے ناپا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ قاعدہ مشہور ہے کہ شئی کا مثل اس شئی کا غیر ہوا کرتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ موصی نے دوسروں کے حق کی وصیت نہیں کی بلکہ بیٹے کے حق سے موصی بہ کو ناپا ہے اور موصی بہ کا اندازہ لگایا ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح دوسری صورت میں وصیت جائز ہے اسی طرح پہلی صورت میں بھی جائز ہے اور امام زفرؒ کی نظر اس بات پر ہے کہ فی الحال یہ مال بیٹے کا مال نہیں ہوا بلکہ یہ تو ابھی تمام موصی کا مال ہے لہٰذا غیر کے مال کی وصیت نہ ہوئی۔

مگر اس کا جواب وہی ہے جو ہم ماقبل میں پیش کر چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ وہ فی الحال بیٹے کا مال نہیں ہے لیکن موصی کی موت کے بعد جب موصی لہ کے مالک بننے کا نمبر آئے گا اس وقت وہ بیٹے کا مال ہوگا تو موصی کو یہ حق کہاں ہے کہ وہ غیروں کے مال کی وصیت کردے لہٰذا یہ وصیت باطل ہوگی۔

لفظ سہم (حصہ) اور جزء سے کسی کیلئے وصیت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء، صاحبینؒ کی دلیل

قال ومن اوصى بسهم من ماله فله اخس سهام الورثة الا ان ينقص عن السدس فيتم له السدس ولا يزاد عليه وهذا عندابي حنيفة وقالا له مثل نصيب احد الورثة ولايزاد على الثلث الا ان تجيز الورثة لا ان السهم يراد به احد سهام الورثة عرفالا سيما في الوصية والاقل متيقن به فيصرف اليه الا اذا زاد على الثلث فير دعليه لانه لا مزيد عليه عدم اجازة الورثة۔

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کی تو موصی لہ کیلئے ورثہ کے سہام میں سے اخس ہے (گھٹیا) مگر یہ کہ اخس سدس سے کم ہو جائے تو اس کیلئے سدس کو پورا کر دیا جائے گا اور سدس سے بڑھایا نہ جائے گا اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ موصی لہ کیلئے ورثا میں سے ایک کے حصہ کے مثل ہوگا اور ثلث پر بڑھایا نہیں جائے گا مگر یہ کہ ورثا اجازت دے دیں۔ اسلئے کہ سہم اس سے عرف کے اندر ورثہ کے سہام میں سے ایک مراد لیا جاتا ہے۔ خصوصاً وصیت میں اور اقل یقینی ہے تو اقل کی جانب پھیرا جائے گا۔ مگر جبکہ اقل ثلث سے بڑھ جائے تو زیادتی کو ورثا پر پھیر دیا جائے گا۔ اسلئے کہ ورثا کی اجازت نہ ہونے کے وقت ثلث پر زیادتی نہیں ہوتی۔

تشریح ..... اگر موصی نے وصیت ان الفاظ میں کی کہ میرے مال کا ایک سہم (حصہ) فلاں کے لئے ہے، یا میرے مال کا ایک جز فلاں کیلئے ہے تو سہم اور جز دونوں ہم معنیٰ ہیں اور دونوں کے اندر جہالت وصیت کیلئے مُضر نہیں تو وصیت تو جائز و درست ہوگی مگر یہ ابہام اس میں رہ گیا کہ کس کو کتنا ملے گا تو یہ فیصلہ موصی کی وضاحت پر موقوف ہے اور اگر موصی وضاحت نہ کر سکا یہاں تک کہ موصی کا انتقال ہو گیا تو اب اس کے ورثا موصی کے قائم مقام ہو گئے لہٰذا ورثا اس کی وضاحت کریں گے کہ سہم اور جز سے کیا مراد ہے۔

ورثا جو بھی وضاحت کر دیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اسی پر عمل کیا جائے گا یہ ہے اصل مسئلہ مگر اہل کوفہ کی اصلاح میں سہم بمعنی سدس مستعمل ہوتا تھا اس وجہ سے امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک سہم بولنے کی صورت میں اختلاف ہو گیا جو کتاب میں مذکور ہے۔ یعنی صاحبینؒ فرماتے ہیں کہا اگر سہم بولا تو موصی کے ورثا کے سہام کو دیکھا جائیگا، ان میں سے جو سہم سب سے کم ہوا تنا ہی حصہ موصی لہ کو دے

دیا جائے گا لیکن اگر اتفاق سے کوئی جگہ ایسی آجائے کہ جس میں کم ثلث سے بڑھ جائے تو وہاں ورثہ کی اجازت کے بغیر ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

مثلاً موصی نے ایک لڑکی چھوڑی جس کے لئے نصف ہے اور کوئی دوسرا وارث نہیں ہے تو یہاں نصف سے کم کوئی حصہ نہیں ہے مگر ورثا کی اجازت کے بغیر موصیٰ لہٗ کو نصف نہیں دے سکتے اس لئے فقط ثلث دیا جائے گا اور اگر ورثا مختلف ہوں تو ان میں سے جس وارث کا حصہ سب سے کم ہوگا اتنا ہی موصیٰ لہٗ کو دیا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صورت مذکورہ میں موصیٰ لہٗ کو سدس دیا جائے گا نہ اس سے کم کریں گے اور نہ زیادہ کریں گے اور یہی سدس نسبی ذوی الفروض کے سہام میں اخسّ السہام ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل...... اس پر صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ سہم سے مراد ورثا میں سے کسی ایک کا حصہ ہے اور چونکہ وصیت میراث کی بہن ہے لہذا وصیت کے اندر بھی سہم سے یہی مراد ہونی چاہئے اور چونکہ حصے مختلف ہیں کہیں نصف ہے اور ربع اور ثمن اور کہیں ثلثان اور ثلث اور ثمن ہے اور ایسے مواقع پر اقل متیقن ہوتا ہے لہذا سہم سے اقل السہام مراد لیا جائے گا اور اگر کسی جگہ اقل السہام سے بڑھ جائے وہاں ثلث سے زیادہ موصیٰ لہٗ کو نہیں دیا جائے گا بلکہ ثلث سے زیادہ ورثا کو دیا جائے گا۔ اسلئے کہ جب ورثا کی اجازت نہ ہو تو موصیٰ لہٗ کو ثلث سے زیادہ نہیں دے سکتے، یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے اور آگے امام صاحبؒ کی دلیل آرہی ہے۔

تنبیہ-۱...... اصل مسئلہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے مگر یہاں قدوریؒ کی عبارت میں تشویش ہے جس پر صاحب نتائج الافکار نے تفصیل سے کلام کیا ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل

ولـه ان السهم هو السدس هو المروى عن ابن مسعود رضى الله عنه وقد رفعه الى النبى عليه السلام فيما يروى ولانـه يـذكـر ويـراد به السدس فان اياسا قال السهم فى اللغة عبارة عن السدس ويذكر ويراد به سهم من سهام الورثة فيعطى ماذكرنا قالوا هذا كان فى عرفهم وفى عرفنا السهم كالجزء.

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سہم وہ سدس ہے۔ ابن مسعودؓ سے یہی مروی ہے اور انہوں نے اس کو اپنی روایت میں مرفوعاً (بھی) روایت کیا ہے اور اس لئے کہ سہم ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے سدس مراد لیا جاتا ہے اس لئے کہ ایاسؒ نے فرمایا ہے کہ سہم سے مراد لغت میں سدس ہے اور سہم ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے ورثا کے سہام میں سے ایک سہم مراد لیا جاتا ہے تو موصیٰ لہٗ کو وہی دیا جائے گا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ اہل کوفہ کے عرف میں تھا اور ہمارے عرف میں سہم جز کے مثل ہے۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سہم سے مراد سدس ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً ایک روایت مروی ہے جس میں یہی فرمایا گیا ہے کہ سہم سدس ہے اور قاضی بصرہ ایاس بن معاویہؒ نے بھی فرمایا ہے کہ لغت میں سہم سے مراد سدس ہے اور سہم بول کر اقل سہام الورثا بھی مراد ہوتا ہے۔ اور نسبی ذوی الفروض کا سب سے کم حصہ سدس ہے لہذا موصیٰ لہٗ کو سدس دیا جائے گا نہ اس سے کم کیا جائے گا اور نہ زیادہ۔

اس پر مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ ساری تفصیلات اہل کوفہ کے عرف کے مطابق ہیں ورنہ ہمارے عرف میں سہم جز کے معنیٰ میں مستعمل ہے اور جز کے بارے میں جو حکم ہے وہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں اور آگے بھی اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔

جزءِ مجہول کی وصیت کرنے کی صورت میں تفصیل کرنے کا حق ورثا کو ہوگا

قال ولو اوصى بجزء من ماله قيل للورثة اعطوه ما شئتم لانه مجهول يتناول القليل والكثير غيران الجهالة لاتمنع صحة الوصية والورثة قائمون مقام الموصي فاليهم البيان

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا اور اگر اپنے مال میں سے ایک جز کی وصیت کی تو ورثا سے کہا جائے گا کہ موصی لہ کو جو تم چاہو دے دو اس لئے کہ جز مجہول ہے جو قلیل وکثیر کو شامل ہے علاوہ اس بات کے کہ جہالت وصیت کی صحت کو مانع نہیں ہے اور ورثا موصی کے قائم مقام ہیں تو بیان ورثا کی جانب ہے۔

تشریح..... اس کی تشریح ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ سہم اور جز دونوں کا حکم ایک ہے۔

موصی کہے کہ میرا سدس مال فلاں کیلئے وصیت پھر اسی مجلس یا دوسری مجلس میں کہا ثلث مال اس کیلئے ہے کا حکم

قال ومن قال سدس مالي لفلان ثم قال في ذلك المجلس اوفي مجلس اخرله ثلث مالي واجازت الورثة فله ثلث المال ويدخل السدس فيه ومن قال سدس مالي لفلان ثم قال في ذلك المجلس اوفي غيره سدس مالي لفلان فله سدس واحد لان السدس ذكر معرفا بالاضافة الى المال والمعرفة اذا اعيدت يراد بالثاني عين الاول هو المعهود في اللغة

ترجمہ..... اور جس نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کیلئے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ فلاں کیلئے میرا ثلث مال ہے اور ورثا نے اجازت دیدی تو اس کیلئے ثلث مال ہے اور سدس اس ثلث میں داخل ہو جائے گا اور جس نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کیلئے ہے پھر اسی مجلس میں یا اس کے غیر میں کہا کہ میرا سدس فلاں کیلئے ہے تو اس کیلئے ایک سدس ہے اس لئے کہ سدس معرفہ ذکر کیا گیا ہے مال کی جانب اضافت کرنے کی وجہ سے اور معرفہ کا جب اعادہ کیا جاتا ہے تو ثانی سے عینِ اوّل مراد لیا جاتا ہے، لغت میں یہی معہود ہے۔

تشریح..... موصی نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کیلئے وصیت ہے اور پھر اسی مجلس میں یا اس کے علاوہ دوسری مجلس میں کہتا ہے کہ اس کے لئے میرا ثلث مال وصیت ہے تو ان دونوں کا مجموعہ نصف ہوتا ہے اور ورثا بھی اس کے نفاذ پر راضی ہیں اور نصف کے نفاذ کی اجازت دیتے ہیں، پھر بھی موصی لہ کو فقط ثلث ملے گا اور پہلا سدس بھی اسی میں مدغم ہو جائے گا اور اگر اس نے اوّلاً کہا کہ میرا سدس مال فلاں کیلئے وصیت ہے اور پھر اسی مجلس میں یا دوسری میں پھر کہتا ہے کہ میرا سدس مال فلاں کیلئے وصیت ہے تو قاعدہ میں اس کو ثلث ہو جانا چاہئے، اس لئے کہ سدسان مل کر ثلث بن جاتا ہے، مگر اس کو صرف سدس ہی ملے گا۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ مقرر ہے کہ جب معرفہ کے بعد پھر دوبارہ معرفہ آئے تو ثانی اور اوّل معرفہ دونوں سے مراد ایک ہوتا ہے اور یہاں سدس معرفہ ہے اس لئے کہ اس کی اضافت مال کی جانب ہے اور

وہ یا متکلم کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے جس کی وجہ سے سدس بھی معرفہ ہوگیا تو معرفہ کے بعد دوسرا معرفہ بیان کیا گیا ہے تو ثانی سدس سے عین اول مراد ہوگا اور صرف موصی لہٗ کو ایک سدس دیا جائے گا۔

دراہم سے ایک تہائی یا بکریوں سے ایک تہائی کی وصیت کی اور اتفاقاً دو تہائی ضائع ہو جائے تو وصیت کا حکم، اقوال فقہاء، مذہب احناف، امام زفرؒ کی دلیل

قال ومن اوصی بثلث دراهمه او بثلث غنمه فهلك ثلثا ذلك وبقي ثلثه وهو يخرج من ثلث ما بقي من ماله فله جميع ما بقي وقال زفر له ثلث ما بقي لان كل واحد منهما مشترك بينهم والمال المشترك يتوى ماتوى منه على الشركة ويبقى مابقي عليها وصار كما اذا كانت التركة اجناسا مختلفة

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے وصیت کی اپنے دراہم میں سے ثلث کی یا اپنی بکریوں میں سے ثلث کی پس اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے اور اس کا ایک ثلث باقی رہ گیا اور (جو ثلث باقی رہ گیا ہے) اس کے ماقبی مال کے ثلث سے نکل جاتا ہے تو اس کے لئے تمام باقی ہے اور زفرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کیلئے باقی کا ثلث ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک ان سب کے درمیان مشترک ہے اور مال مشترک ہلاک ہوتا ہے اس میں سے جو ہلاک ہوتا ہے شرکت پر اور باقی رہتا ہے جو باقی رہتا ہے شرکت پر اور ایسا ہو گیا جیسے جب کہ ترکہ مختلف اجناس ہوں۔

تشریح...... زید کے پاس کچھ دراہم یا کچھ بکریاں اور اس کے پاس دراہم اور بکریوں کے علاوہ اور بھی مال ہے جو بکریوں یا دراہم کے ثلث سے دوگنا ہے۔ جب زید وصیت کرتا ہے کہ میرے دراہم کا ایک تہائی فلاں کیلئے وصیت ہے یا کہتا ہے کہ میری بکریوں کا ایک ثلث وصیت ہے تو وصیت صحیح ہے، مگر اب یہ واقعہ پیش آیا کہ دراہم اور بکریوں میں سے دو ثلث ہلاک ہو گیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا ہے اس ثلث کے علاوہ موصی کے پاس اتنا مال موجود ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ثلثان یا اس سے زیادہ ہے، تو اب موصی لہٗ کو کتنا دیا جائے گا؟ تو اس میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے دراہم میں سے اور بکریوں میں سے جو ثلث باقی ہے وہ پورا ثلث موصی لہٗ کو دیا جائے گا، اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جو ثلث باقی ہے اس کا ثلث موصی لہٗ کو ملے گا۔ مثلاً کل ۹۰۰ ر دراہم تھے، ان میں ثلث یعنی ۳۰۰ ر باقی رہے اور ۶۰۰ ر ہلاک ہو گئے تو امام زفرؒ کے نزدیک ماقبی ۳۰۰ ر کا ثلث یعنی ۱۰۰ ر موصی لہٗ کو دیا جائے گا اور ہمارے نزدیک ۳۰۰ ر ماقبی موصی لہٗ کو دیئے جائیں گے۔

امام زفرؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ سارا مال یعنی دراہم اور بکریاں موصی لہٗ اور ورثہ کے درمیان مشترک ہیں تو جو مقدار ہلاک ہو گئی وہ بھی مشترک ہے اور جو باقی ہے وہ بھی مشترک اور اصول یہ ہے کہ جو مال مشترک ہوتا ہے اس کی ہلاکت بھی شرکت پر ہوتی ہے اور جو باقی بچتا ہے اس کی بقا بھی شرکت پر باقی رہتی ہے۔

لہذا صورت مذکورہ میں جب یہ مال مشترک ہوا تو ہالک اور باقی دونوں مشترک ہوگا اور اگر ترکہ اجناس مختلفہ ہوں اور وہاں موصی یہ طریقہ اختیار کرتا تو وہاں سب کے نزدیک یہی حکم ہے کہ ماقبی کا ثلث موصی لہٗ کو دیا جائے گا۔

مثلاً زید کے پاس کچھ بکریوں کا گلہ ہے اور کچھ اونٹوں کا اور کچھ بیلوں کا اور زید نے ان میں سے ہر ایک کے ثلث کی وصیت کی اور

اتفاق سے ہر ایک کے دوثلث ہلاک ہو گئے اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا تو وہاں بالاتفاق موصی لہٗ کو ہر جنس کے ماقبی ثلث کا ثلث دیا جائے گا لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔

امام زفرؒ کی دلیل کا جواب

ولنا ان فی الجنس الواحد یمکن جمع حق احدھم فی الواحد ولھذا یجری فیه الجبر علی القسمة وفیه جمع والوصیة مقدمة فجمعناها فی الواحد الباقی وصارت الدراھم کالدرھم بخلاف الاجناس المختلفة لانه لا یمکن الجمع فیھا جبرا فکذا تقدیما

ترجمہ...... اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس واحد میں ان میں سے ہر ایک کے حق کو ایک میں جمع کرنا ممکن ہے اس لئے جنس واحد میں تقسیم پر جبر جاری ہوتا ہے اور تقسیم میں جمع کرنا ہے اور وصیت مقدم ہے تو ہم نے اس کو ایک باقی میں جمع کر دیا اور دراہم درہم کے مثل ہو گیا بخلاف اجناس مختلفہ کے اس لئے کہ اجناس مختلفہ میں تقسیم پر جبر کے اعتبار سے جمع کرنا ممکن نہیں ہے پس ایسے ہی باعتبار تقدیم کے۔

تشریح...... یہ ہماری طرف سے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جنس واحد کو اجناس مختلفہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ کتاب القسمۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جنس واحد میں قسمت کی درخواست پر قاضی باقی شرکاء پر جبر کرے گا اور اجناس مختلفہ کی صورت میں قاضی جبر نہیں کرے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنس واحد میں ایک چیز کے چند شرکاء کو جمع کیا جا سکتا ہے یعنی اس کے اندر موصی لہٗ کا بھی حق ہو اور ورثا کا بھی حق ہو لہٰذا جب اجتماع ہو گیا یعنی جنس واحد کی صورت میں ۹۰۰ر دراہم میں تو موصی لہٗ کا حق مقدم ہو گا اسلئے کہ وصیت میراث سے مقدم ہوتی ہے تو اس میں موصی لہٗ کا حق اصالۃً ہے اور ورثا کا حق تبعاً ہے اور پھر اصول کلی یہ ہے کہ جب کوئی مال اصل اور تابع پر مشتمل ہو اور اس میں سے کچھ ہلاک ہو جائے تو ہلاکت کو تابع کی جانب پھیرا جاتا ہے اصل کی طرف نہیں جیسے مال مضاربت میں ایسا ہی ہوتا ہے لہٰذا یہاں ہلاکت کو اس ثلثان کی طرف پھیرا جائے گا جو ورثا کا حق تھا اور اصل ثلث باقی ہے لہٰذا وہ موصی لہٗ کو دیا جائے گا۔

اور اگر اجناس مختلفہ ہوں تو وہاں نہ جبر ہو سکتا ہے اور نہ سب کو شی واحد میں جمع کیا جا سکتا ہے اور جب یہ ساری چیزیں نہ ہوں گی تو وصیت کی میراث پر تقدیم بھی ثابت نہ ہو سکے گی اور نہ اصل اور تبع والا مسئلہ جاری ہو سکے گا یہ دلیل کا ماحصل ہو گیا۔

اور اگر موصی دراہم کے بجائے درہم کہتا مثلاً یوں کہتا کہ میں نے فلاں کو ایک درہم ہبہ کیا اور کل مثلاً تین دراہم تھے ان میں سے دو ہلاک ہو گئے اور ایک باقی رہ گیا تو یہ ایک موصی لہٗ کو دیا جائے گا یعنی یہاں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں ایک ثلث موصی لہٗ کو دیا جائے گا۔ باقی بات واضح ہے۔

موصی اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کرے اور اتفاقاً کپڑوں سے دوثلث ختم ہو جائے اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے تو موصی لہٗ کو مابقی کا ثلث ملے گا یا پورا مابقی

قال ولو اوصی بثلث ثیابه فھلک ثلثاھا وبقی ثلثھا وھو یخرج من ثلث ما بقی من ماله لم یستحق الاثلث ما بقی من الثیاب قالوا ھذا اذا کانت الثیاب من اجناس مختلفة ولو کانت من جنس واحد فھو بمنزلة الدراھم

وكذلك المكيل والموزون بمنزلتها لانه يجرى فيه الجمع جبرا بالقسمة

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور اگر اپنے تہائی کپڑوں کی وصیت کی پس ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو گئے اور ان کا ثلث باقی رہ گیا اور یہ (ثلث باقی) اس کے ماقبی مال کے ثلث سے خارج ہو جاتا ہے تو موصی لہٗ مستحق نہ ہوگا مگر مابقی کپڑوں کے ثلث کا۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ کپڑے مختلف جنس کے ہوں اور اگر کپڑے ایک جنس کے ہوں تو کپڑے دراہم کے درجہ میں ہیں اور ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیز دراہم کے درجہ میں ہے اسلئے کہ اس میں (کیلی اور وزنی چیز میں) جمع کرنا جاری ہو جاتا ہے تقسیم کے اندر جبر کے اعتبار سے۔

تشریح ...... اگر موصی نے اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی ہو اور اتفاق سے ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو جائیں اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے تو موصی لہٗ کو مابقی کا ثلث ملے گا یا پورا مابقی ملے گا۔؟

تو اس میں تفصیل ہے اگر کپڑے مختلف الجنس ہوں تو مابقی کپڑوں کا ثلث ملے گا اور اگر ایک جنس کے ہوں تو پورا مابقی ملے گا اسلئے کہ اتحادِ جنس کی صورت میں کپڑے دراہم کے مثل ہو گئے اور اسی طرح ہر کیلی اور وزنی چیز بھی دراہم کے درجہ میں ہے کیونکہ جس طرح دراہم میں تقسیم پر جبر جائز ہے اسی طرح کیلی اور وزنی اشیاء میں تقسیم پر جبر جائز ہے اور جیسے دراہم وغیرہ میں جمع کرنا ممکن ہے اسی طرح کیلی اور وزنی چیز میں جمع کرنا ممکن ہے۔

موصی تین غلاموں میں ایک ثلث کی وصیت کرے اور پھر دو غلام مر گئے اور ایک باقی رہ گیا تو موصی لہ کو اس ایک غلام کا ثلث ملے گا اور چند مختلف گھروں میں بھی یہی حکم ہے

ولو اوصى بثلث ثلثة من رقيقه فمات اثنان لم يكن له الاثلث الباقى وكذا الدور المختلفة وقيل هذا على قول ابى حنيفة وحده لانه لا يرى الجبر على القسمة فيها وقيل هو قول الكل لان عندهما للقاضى ان يجتهد ويجمع وبدون ذلك يتعذر الجمع والاول اشبه للفقه المذكور

ترجمہ ...... اور اگر اس نے وصیت کی اپنے تین غلاموں میں سے ثلث کی پس دو مر گئے تو نہیں ہوگا موصی لہٗ کیلئے مگر مابقی کا ثلث اور ایسے ہی مختلف گھر اور کہا گیا ہے کہ یہ ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے اسلئے کہ وہ ان میں (دور مختلفہ اور غلاموں میں) قسمت پر جبر کو جائز نہیں قرار دیتے اور کہا گیا ہے کہ یہ سب کا قول ہے اس لئے کہ صاحبینؒ کے نزدیک قاضی کو حق ہے کہ وہ ایسا اجتہاد کرے اور جمع کرے اور قاضی کے اجتہاد کے بغیر جمع کرنا متعذر ہے اور اول (یعنی اس میں اختلاف کا ہونا) فقہ مذکور کے زیادہ مشابہ ہے۔

تشریح ...... اگر زید نے اپنے تین غلاموں میں سے ثلث کی وصیت کی اور پھر دو غلام مر گئے اور ایک باقی رہ گیا تو موصی لہٗ کو اس ایک غلام کا ثلث دیا جائے گا اور چند مختلف گھر ہوں تو اس میں بھی یہی حکم ہے۔

پھر یہی یہ بات کہ اس میں اختلاف ہے یا نہیں تو اس میں مشائخ کے دو قول ہیں۔

۱- یہ فقط امام صاحب کا قول ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مذکورہ اشیاء میں تقسیم پر جبر جائز نہیں تو اس کا وہ حکم ہوگا جو اختلاف جنس کی صورت میں ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ان میں تقسیم پر جبر جائز ہے تو یہ دراہم کے درجہ میں ہوں گے۔

۲- اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب کا اجماعی قول ہے تو اس صورت میں صاحبینؒ پر اعتراض وارد ہوتا ہے مگران کی جانب سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ قاضی کے اجتہاد کے بغیر شرکاء میں سے کسی ایک کا حق مکانِ واحد یا غلام واحد میں جمع نہیں ہو سکتا اور جب دو غلام یا دو مکان تلف ہو گئے تو اس میں قاضی کا اجتہاد ابھی تک نہیں ہوا پس باقی مالِ شرکت رہا تو موصیٰ لہٗ کو باقی کا صرف تہائی ملے گا اور یہی امام صاحبؒ کا قول ہے۔ مگر مصنفؒ نے قولِ اول کو ترجیح دی ہے۔

موصی اپنے مال سے ایک ہزار درہم خالد کیلئے وصیت کرے اور کچھ نقد مال بھی موجود ہو اور اس کا دوسروں کے پاس قرض بھی موجود ہو تو وصیت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟

قال ومن اوصٰی لرجل بالف درهم وله مال عين ودين فان خرج الالف من ثلث العين دفع الى الموصى له لانه امكن ايفاء كل ذی حق حقه من غير بخس فيصار اليه وان لم يخرج دفع اليه ثلث العين وكل ما خرج شئی من الدين اخذ ثلثه حتى يستوفى الالف لان الموصى له شريک الوارث وفی تخصيصه بالعين بخس فی حق الورثة لان للعين فضلا على الدين ولان الدين ليس بمال فی مطلق الحال وانما يصير ما لا عند الاستيفاء فانما يعتدل النظر بما ذكرناه

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے کسی شخص کیلئے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کیلئے نقد مال ہے اور قرض ہے پس اگر ہزار نکل جائیں نقد کے ثلث سے تو ہزار موصیٰ لہٗ کو دیئے جائیں گے اسلئے کہ ہر حق والے کو اس کا حق دینا ممکن ہے بغیر کسی کمی کے تو اس کی جانب رجوع کیا جائے گا اور اگر ہزار ثلث سے نہ نکلیں تو موصیٰ لہٗ کو نقد مال کا ثلث دیا جائے گا اور جو مقدار قرض کی وصول ہوتی رہے گی اس میں سے ثلث لیتا رہے گا یہاں تک کہ وہ (موصیٰ لہٗ) ہزار کو وصول کرے اسلئے کہ موصیٰ لہٗ وارث کا شریک ہے اور موصیٰ لہٗ کو خاص کر دینے میں نقد مال کے ساتھ ورثہ کے حق میں کمی کرنا ہے اسلئے کہ نقد مال کو قرض پر فضیلت ہے اور اسلئے کہ قرض مطلق حال میں مال نہیں ہے وہ وصول کر لینے کے وقت مال بنتا ہے تو (موصیٰ لہٗ اور ورثا کے درمیان) نظر کا اعتدال اس صورت میں ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

تشریح ...... زید نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ہزار روپے بکر کو دیئے جائیں تو وصیت درست ہے۔

لیکن زید نے کچھ مال تو نقد چھوڑا ہے اور کچھ مال وہ ہے جو لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو جو ہزار روپے دیئے جائیں گے یہ نقد میں سے دیئے جائیں گے یا قرض میں سے تو اس کا جواب دیا کہ اگر نقد مال اتنا ہو کہ جس کا ثلث ہزار ہوتا ہو مثلاً تین ہزار یا اس سے زیادہ نقد مال موجود ہے تو بکر کو ہزار روپے اس نقد مال سے دیدیئے جائیں گے۔

اور اگر نقد مال اتنا نہیں ہے بلکہ کم ہے مثلاً کل ہزار روپے نقد ہیں اور باقی مال لوگوں پر قرض ہے۔

تو بکر کو ہزار کا ثلث تو نقد میں سے دیا جائے گا اور باقی حصہ اس کو قرض میں سے ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جتنا قرض وصول ہوتا جائے اس کی تہائی بکر کو دیدی جائے یہاں تک کہ اس کا حق پورا ہو جائے یعنی ہزار روپے پورے ہو جائیں۔

یہ طریقہ اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ اور ورثا ترکہ میں دونوں شریک ہیں اس کے باوجود اگر نقد مال فقط موصیٰ لہٗ کو دے دیا

جائے تو ورثہ کے حق میں کمی کرنا لازم آتا ہے اور کمی اسلئے لازم آئے گی کہ موصی لہ کو نقد مال مل گیا اور ورثا کو وہ ملا جو لوگوں پر قرض ہے حالانکہ نقد مال قرض سے عمدہ اور افضل ہوتا ہے کیونکہ قرض فی الحال مال نہیں بلکہ وصولیابی کے بعد مال ہوگا، تو موصی لہ اور ورثا کے درمیان اعتدال اس صورت میں برقرار رہے گا جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔

کسی نے اپنے ثلث مال کی زید اور عمرو کیلئے وصیت کی بعد میں معلوم ہوا کہ عمرو مر چکا ہے تو ثلث عمرو ہی کیلئے ہوگا

قال ومن اوصى لزيد وعمرو بثلث ماله فاذا عمرو ميت فالثلث كله لزيد لان الميت ليس باهل للوصية فلا يزاحم الحي الذي هو من اهلها كما اذا اوصى لزيد وجدار

ترجمہ ... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے وصیت کی زید اور عمرو کیلئے اپنے مال کے ثلث کی پس عمرو میت ہے پس ثلث کل کا کل زید کیلئے ہوگا، اسلئے کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے تو میت اس زید کا مزاحم نہ ہوگا جو کہ وصیت کا اہل ہے جیسا کہ جبکہ اس نے وصیت کی وہ زید اور دیوار کیلئے۔

تشریح ... بکر نے زید اور عمرو دونوں کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن عمرو زندہ نہیں ہے بلکہ وہ وصیت کرنے سے پہلے ہی مر چکا ہے تو پورا ثلث زید کو ملے گا کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے اور زید چونکہ زندہ ہے اور وصیت کا اہل ہے تو عمرو عدم اہلیت کی وجہ سے زید کا مزاحم نہ ہوگا اور اس کو ثلث دیئے جانے سے مانع نہ ہوگا۔

جیسے اگر بکر نے زید اور دیوار کیلئے ثلث مال کی وصیت کی تو پورا ثلث زید کو ملے گا، کیونکہ دیوار میں اہلیت نہیں ہے کہ اس کو بھی دیا جا سکے تو عمرو بھی دیوار کے درجہ میں ہے اور دونوں صورتوں میں زید کو پورا ثلث ملے گا۔

امام ابو یوسفؒ کا مذکورہ مسئلہ میں نقطۂ نظر

وعن ابي يوسفؒ انه اذا لم يعلم بموته فله نصف الثلث لان الوصية عنده صحيحة لعمرو فلم يرض للحي الا نصف الثلث بخلاف ما اذا علم بموته لان الوصية للميت لغو فكان راضيا بكل الثلث للحي

ترجمہ ... اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جب موصی عمرو کی موت سے واقف نہ ہو تو زید کیلئے ثلث کا نصف ہے اسلئے کہ موصی کے نزدیک (اس کے گمان میں) عمرو کیلئے وصیت صحیح ہے تو وہ راضی نہیں زندہ کیلئے مگر ثلث کے نصف سے بخلاف اس صورت کے جبکہ وہ اس کی موت سے واقف ہو اسلئے کہ میت کیلئے وصیت کرنا لغو ہے تو وہ پورے ثلث سے زندہ کے حق میں راضی ہو گیا۔

تشریح ... ماقبل والے مسئلہ کی امام ابو یوسفؒ نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر موصی کو معلوم ہے کہ عمرو زندہ ہے حالانکہ وہ مر چکا ہے تو موصی اپنے گمان میں زید کو صرف ثلث کا نصف دے رہا ہے لہذا ثلث کا نصف ہی زید کو ملے گا۔

اور اگر موصی کو معلوم ہے کہ عمرو مر چکا ہے پھر بھی وہ ان الفاظ میں وصیت کر رہا ہے تو عمرو کیلئے وصیت کرنا سراسر لغو ہے اور اس صورت میں پورا ثلث زید کو ملے گا۔

گویا کہ وہ پورا ثلث زید کو دینے سے راضی ہے اور پہلی صورت میں زید کو پورا ثلث دینے سے راضی نہیں ہے۔

کسی نے کہا میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے حالانکہ زید مر چکا ہے تو عمرو کو کتنا ملے گا؟

وان قال ثلث مالی بین زید وعمرو وزید میت کان لعمر ونصف الثلث لان قضیة هذا اللفظ ان یکون لکل واحد منهما نصف الثلث بخلاف ماتقدم الاتری ان من قال ثلث مالی لزید وسکت کان له کل الثلث ولو قال ثلث مالی بین فلان وسکت لم یستحق الثلث

ترجمہ ...... اور اگر موصی نے کہا ہو کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے اور زید میت ہے تو عمرو کیلئے ثلث کا نصف ہوگا اسلئے کہ اس لفظ کا تقاضہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے ثلث کا نصف ہو بخلاف پہلے مسئلہ کے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جس نے کہا کہ میرا تہائی مال زید کیلئے ہے اور خاموش ہو گیا تو زید کیلئے پورا ثلث ہوگا اور اگر کہا کہ میرے مال کا تہائی فلاں کے درمیان ہے اور خاموش ہو گیا تو فلاں ثلث کا مستحق نہ ہوگا۔

تشریح ...... اگر موصی وہ الفاظ استعمال کرے جو ماقبل میں گزرے کہ میرے مال کا ثلث زید اور عمرو کیلئے وصیت ہے تو اس کا حکم تو مذکور ہو چکا ہے اور اگر وہ اس کے بجائے لفظ بین استعمال کرے اور یوں کہے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے درمیان ہے اور ان میں زید زندہ نہیں ہے فقط عمرو زندہ ہے تو عمرو کیلئے ثلث کا نصف ہوگا اسلئے کہ موصی نے جو لفظ بین استعمال کیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے اور ماقبل والے مسئلہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے۔

اس کی تائید میں مصنف دو جزیئے پیش فرماتے ہیں۔

۱- اگر موصی نے یوں کہا ہو کہ میرا تہائی مال زید کیلئے اور کچھ نہ کہا ہو تو زید کیلئے تہائی مال ہوگا۔

اور اگر موصی نے یوں کہا ہو کہ میرا تہائی مال زید کے درمیان ہے اور کچھ نہیں کہا تو زید کو پورا ثلث نہیں دیا جا سکتا بلکہ ثلث کا نصف ملے گا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ لفظ بین استعمال کرنے کا حکم کچھ اور ہوگا اور پہلا طریقہ اختیار کرنے کا حکم ا[illegible]۔

ایک تہائی مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے پاس اس وقت کچھ مال نہیں اگر بعد میں کما لے تو کیا حکم ہوگا؟

قال ومن اوصی بثلث ماله ولا مال له واکتسب مالا استحق الموصی له ثلث ما یملکه عند الموت لان الوصیة عقد استخلاف مضاف الی ما بعد الموت ویثبت حکمه بعده فیشترط وجود المال عندالموت لا قبله وکذلک اذا کان له مال فهلک،ثم اکتسب مالا لما بینا

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور جس نے اپنے مال کے ثلث کی وصیت کی اور اس کیلئے مال نہیں ہے اور موصی نے مال کما لیا ہو تو موصی لہ اس مال کے ثلث کا مالک ہوگا کہ موصی بوقت موت جس کا مالک تھا اسلئے کہ وصیت خلیفہ بنانے کا ایک عقد ہے جو مابعد الموت کی جانب مضاف ہے اور عقد وصیت کا حکم موت کے بعد ثابت ہوگا تو موت کے وقت مال کا وجود شرط ہے نہ کہ اس سے پہلے اور ایسے ہی جبکہ اس

کے لئے مال ہو پس مال ہلاک ہو گیا ہو پھر اس نے مال کما لیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ..... زید نے وصیت کی کہ میرے مال کا ثلث بکر کو دے دینا لیکن زید کے پاس مال نہیں ہے البتہ زید نے بعد وصیت مال کما لیا ہے اور وقت موت مال چھوڑ کر مرتا ہے تو زید بوقتِ موت جتنے مال کا مالک ہے اس مال کا ثلث موصیٰ لہٗ کو دے دیا جائے گا۔

کیونکہ وصیت کے اندر بوقت وصیت مال کا وجود شرط نہیں ہے بلکہ بوقت موت مال کا وجود شرط ہے اور بوقت موت مال موجود ہے۔

اسلئے کہ وصیت کا حکم موصی کی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے تو اس وقت ملکیت دیکھی جائے گی اسلئے کہ وصیت کی حقیقت ہی یہ ہے کہ موصی گویا یہ کہتا ہے کہ تم میرے مرنے کے بعد میرے مال کے ثلث میں میرے جانشین اور میرے قائم مقام ہو، اسی طرح اگر بوقت وصیت زید کے پاس مال موجود ہے لیکن وہ مال بعد میں ہلاک ہو گیا اور زید نے پھر موت سے پہلے مال کما لیا تو بوقتِ موت مال موجود ہے لہٰذا اس مال کے ثلث میں وصیت جاری ہوگی۔

موصی نے ثلث غنم (بکری) کی وصیت کی اور بکری موصی سے پہلے مرگئی یا بالکل اس کے پاس بکری نہ ہو تو وصیت باطل ہے، اگر بعد میں بکری مل جائے تو وصیت صحیح ہے

ولو اوصی له بثلث غنمه فهلك الغنم قبل موته اولم يكن له غنم في الاصل فالوصية باطلة لما ذكرنا انه ايجاب بعد الموت فيعتبر قيامه حينئذ وهذه الوصية تعلقت بالعين فتبطل بفواتها عند الموت وان لم يكن له غنم فاستفاده ثم مات فالصحيح ان الوصية تصح لانها لو كانت بلفظ المال تصح فكذا اذا كانت باسم نوعه وهذا لان وجوده قبل الموت فضل والمعتبر قيامه عند الموت

ترجمہ ..... اور اگر موصی نے موصیٰ لہٗ کیلئے اپنی بکریوں کے ثلث کی وصیت کی پس اس کی موت سے پہلے ہی بکریاں ہلاک ہو گئیں یا اصل ہی سے موصی کیلئے بکریاں نہ تھیں تو وصیت باطل ہے اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وصیت موت کے بعد واجب کرنا ہے تو اعتبار کیا جائے گا اس وقت (موت کے وقت) موصیٰ بہ کے قیام کا اور یہ وصیت متعلق ہے عین کے ساتھ تو موت کے وقت عین کے فوات سے وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر اس کیلئے بکریاں نہ ہوں پس موصی نے بکریوں کو حاصل کر لیا ہو پھر موصی مر جائے تو صحیح یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے اس لئے کہ اگر وصیت لفظِ مال سے ہوتی تو صحیح ہوتی پس ایسے ہی جب کہ وصیت مال کی ایک نوع کے نام کے ساتھ ہو اور یہ اسلئے کہ موت سے پہلے موصیٰ بہ کا وجود زیادہ ہے اور معتبر موصیٰ بہ کا بوقتِ موت قیام ہے۔

تشریح ..... اگر بوقتِ وصیت مال نہیں اور بعد میں مال کما لیا جائے جو بوقتِ موتِ موصی موجود ہو تو اس میں ثلث کے اندر وصیت نافذ ہو گی اور مال ایک جنس ہے جس کی انواع متعددہ ہیں، مثلاً کپڑے، بھینس، دراہم، غنم وغیرہ وغیرہ تو غنم بھی جنس مال کی ایک نوع ہے۔

تو اگر موصی نے غنم کی وصیت کی اور بوقت وصیت غنم موجود نہیں ہے البتہ بوقت موت غنم موجود ہیں تو وصیت نافذ ہوگی کیونکہ مال کی صورت میں یہ حکم تھا تو بکریوں کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ غنم بھی مال کی ایک نوع ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ بوقتِ وصیت مال کا وجود و عدم وجود برابر ہے بلکہ ضروری یہ ہے کہ بوقتِ موت مال موجود ہو تو بکریوں کی صورت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

لیکن اگر موصی کے پاس بوقتِ وصیت بکریاں ہیں لیکن بعد وصیت سب بکریاں ہلاک ہو گئیں یا سرے سے بکریاں ہیں ہی نہیں تو یہ

وصیت باطل ہوگی کیونکہ بوقت موت موصیٰ بہ نہیں ہے حالانکہ جوازِ وصیت کیلئے ضروری ہے کہ بوقت موت موصیٰ بہ موجود ہو۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب وصیت کا تعلق عین کے ساتھ ہوتا ہے اور بوقتِ موت عین مفقود ہو جائے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے اور یہاں وصیت کا تعلق عین کے ساتھ ہے یعنی بکریوں کے ساتھ۔

میرے مال میں ایک بکری کہنے سے بکری کی عدم موجودگی میں مال میں بکری کی قیمت لازمی ہے

ولو قال له شاة من مالي وليس له غنم يعطى قيمة شاة لانه لما اضافه الى المال علمنا ان مراده الوصية بمالية الشاة اذ ماليتها توجد في مطلق المال

ترجمہ...... اور اگر موصی نے کہا کہ موصیٰ لہٗ کیلئے میرے مال میں سے ایک بکری ہے حالانکہ اس کے پاس بکری نہیں ہے تو موصیٰ لہٗ کو ایک بکری کی قیمت دی جائے گی اسلئے کہ جب موصی نے شاۃ کی اضافت مال کی طرف کر دی تو ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ موصی کی مراد بکری کی مالیت کی وصیت کرنا ہے اسلئے کہ بکری کی مالیت مطلق مال میں پائی جاتی ہے۔

تشریح...... اگر موصی کے پاس بکریاں تو نہ ہوں لیکن اس نے یہ الفاظ استعمال کیئے کہ میرے مال میں سے ایک بکری فلاں کی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے مال میں سے اتنا مال اس کو دیا جائے جو ایک بکری کی مالیت ہو اور بکری کی مالیت کا اندازہ ہر حال میں ہو سکتا ہے لہٰذا موصیٰ لہٗ کو بکری کی قیمت دی جائے گی۔ لفظِ شاۃ کی اضافت مالی کی طرف اسی کی نشاندہی کرتا ہے۔

کسی کیلئے ایک بکری کی وصیت کی لیکن میرے مال میں سے ایک بکری کے الفاظ نہیں کہے بکری کی عدم موجودگی میں وصیت صحیح ہے یا نہیں

ولو اوصى بشاة ولم يضفه الى ماله ولا غنم له قيل لا يصح لان المصحح اضافته الى المال وبدونها تعتبر صورة الشاة ومعناها وقيل تصح لانه لما ذكر الشاة وليس في ملكه شاة علم ان مراده المالية

ترجمہ...... اور اگر اس نے بکری کی وصیت کی اور اس کی اپنے مال کی طرف اضافت نہیں کی اور نہ اس کے پاس بکری ہے تو کہا گیا ہے کہ وصیت صحیح نہ ہوگی اسلئے کہ صحیح کرنے والی چیز شاۃ کی مال کی طرف اضافت ہے اور بغیر اضافت کے شاۃ کی صورت اور اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ وصیت صحیح ہے اسلئے کہ جب موصی نے شاۃ کا ذکر کیا ہے اور اس کی ملکیت میں شاۃ نہیں ہے تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس کی مراد مالیت ہے۔

تشریح...... اگر موصی نے فقط یوں کہا کہ بکر کیلئے ایک بکری کی وصیت ہے اور یہ نہیں کہا کہ میرے مال میں سے ایک بکری کی الخ حالانکہ اس کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو وصیت صحیح ہے یا نہیں تو اس میں دو قول ہیں۔

۱- وصیت صحیح نہیں ہے اسلئے کہ وصیت تو اسی وقت صحیح ہوتی جبکہ مال کی طرف اس کی اضافت کر دی جاتی ورنہ جب مال کی طرف شاۃ کی اضافت نہ کی جائے تو وہاں عین بکری ملحوظ و مقصود ہوتی ہے اس کی مالیت مقصود نہیں ہوتی عین بکری بتانے کیلئے ''صورۃ الشاۃ و معناھا'' کہا ہے۔

۲- وصیت صحیح ہے کیونکہ جب اس نے اپنے کلام میں لفظ شاۃ ذکر کیا ہے حالانکہ اس کی ملکیت میں شاۃ نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موصی کی مراد مالیت ہے نہ کہ عین بکری۔

موصی نے بکریوں میں سے ایک بکری کی وصیت کی حالانکہ موصی کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو وصیت باطل ہوگی

ولو قال شاة من غنمي ولا غنم له فالوصية باطلة لانه لما اضافه الى الغنم علمنا ان مراده عين الشاة حيث جعلها جزء من الغنم بخلاف ما اذا اضافها الى المال وعلى هذا يخرج كثير من المسائل

ترجمہ اور اگر موصی نے کہا ہو کہ میری بکریوں میں سے ایک بکری اور اس کیلئے بکریاں نہیں ہیں تو وصیت باطل ہے اسلئے کہ جب موصی نے شاۃ کی اضافت غنم کی طرف کردی تو ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ موصی کی مراد عین بکری ہے اس حیثیت سے کہ موصی نے شاۃ کو غنم کا ایک جزء قرار دیا ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ موصی نے شاۃ کی اضافت مال کی طرف کی ہو اور اس قاعدہ پر بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔

تشریح اگر موصی نے بوقت وصیت یہ الفاظ استعمال کئے کہ فلاں کیلئے میری بکریوں میں سے ایک بکری ہے، حالانکہ موصی کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو اب وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ موصی نے لفظ شاۃ کی اضافت غنم کی جانب کر کے یہ واضح کر دیا کہ میری مراد مالیت نہیں بلکہ عین بکری ہے کیونکہ اس نے شاۃ کو غنم کا ایک جزء قرار دیتے ہوئے کہا ہے "شاۃ من غنمی" تو یہ شی معدوم کیلئے وصیت ہوئی جو وقت وصیت اور بوقت موت دونوں صورتوں میں معدوم ہے لہذا وصیت باطل ہو جائے گی۔

البتہ اگر مال کی طرف شاۃ کی اضافت کی جائے تو وہاں مالیت مقصود ہوتی ہے اس پر مصنف فرماتے ہیں کہ یہ ایسا جزل پوائنٹ ہے جس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں ان میں سے کچھ حواشی وشروح میں مذکور ہیں۔

"میرا تہائی مال امہات ولد کیلئے ہے جو کہ تین ہیں اور فقراء ومساکین کیلئے ہے" کہنے کا حکم، اقوال فقہاء

قال ومن اوصى بثلث ماله لامهات اولاده وهن ثلث وللفقراء والمساكين فلهن ثلثة اسهم من خمسة اسهم قال رضي الله عنه وهذا عند ابي حنيفة وابي يوسف وعن محمد انه يقسم على سبعة اسهم لهن ثلثة ولكل فريق سهمان واصله ان الوصية لامهات الاولاد جائزة والفقراء والمساكين جنسان وفسرنا هما في الزكوة

ترجمہ قدوری نے فرمایا اور جس نے ایک ثلث مال کی وصیت کی اپنی امہات اولاد کیلئے حالانکہ وہ تین ہیں اور فقراء و مساکین کیلئے تو امہات اولاد کیلئے پانچ حصوں میں سے تین حصے ہوں گے مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یہ شیخین کے نزدیک ہے اور امام محمد سے منقول ہے کہ ثلث کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا امہات اولاد کیلئے تین حصے ہوں گے اور ہر فریق کیلئے دو دو حصے اور اس کی اصل یہ ہے کہ امہات اولاد کیلئے وصیت جائز ہے اور فقراء اور مساکین دو جنسیں ہیں اور ہم ان دونوں کی کتاب الزکوۃ میں تفسیر کر چکے ہیں۔

تشریح ایک شخص کی تین ام ولد ہیں تو اب وہ ان الفاظ میں وصیت کرتا ہے کہ میرے مال کا ثلث میری امہات اولاد کو اور مساکین اور فقراء کو دے دیا جائے تو اب ثلث کی تقسیم کس طرح ہوگی اس میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے۔ جامع صغیر کے علاوہ دیگر کتب میں امام محمد نے فرمایا ہے کہ ثلث کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے ان میں سے تین امہات اولاد کیلئے ہوں گے یعنی ہر ایک کا ایک اور چار مساکین

اور فقراء کیلئے ہوں گے یعنی ہر فریق کو دو۔

اور حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ ثلث کو پانچ سہام پر تقسیم کیا جائے گا ان میں سے تین امہات اولاد کے اور دو مساکین اور فقراء کے یعنی ہر فریق کو ایک ملے گا۔

ہر ایک کی دلیل ابھی بیان کی جارہی ہے، بہر حال اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ ام ولد کیلئے وصیت جائز ہے اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ ام ولد کیلئے وصیت جائز نہ ہو لیکن یہاں قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ فقراء اور مساکین ایک جنس نہیں ہیں بلکہ دو جنسیں ہیں، جن کی تفسیر کتاب الزکوۃ میں مذکور ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل اور شیخینؒ کی طرف سے اس کا جواب

لمحمد ان المذکور لفظ الجمع وادناہ فی المیراث اثنان نجد ذالک فی القران فکان من کل فریق اثنان وامھات الاولاد ثلث فلھذا یقسم علی سبعة ولھما ان الجمع المحلی بالالف واللام یراد بہ الجنس وانہ یتناول الادنی مع احتمال الکل لاسیما عند تعذر صرفہ الی الکل فیعتبر من کل فریق واحد فبلغ الحساب خمسة والثلثة للثلث

ترجمہ۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو مذکور ہے وہ لفظ جمع ہے اور میراث کے اندر جمع کا اقل فرد دو ہے جس کو ہم قرآن میں پاتے ہیں تو ہر فریق میں سے دو دو ہوں گے اور امہات اولاد تین پس اس وجہ سے ثلث کو سات سہام پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ جمع جس پر الف اور لام داخل ہو اس سے جنس مراد ہوتی ہے اور جنس ادنیٰ کو شامل ہے کل کے احتمال کے ساتھ خصوصاً جنس کو پھیرنے کے متعذر ہونے کے وقت تمام کی جانب تو ہر فریق سے ایک کا اعتبار کیا جائے گا تو حساب پانچ کو پہنچا اور تین حصے تین امہات اولاد کیلئے ہوگئے۔

تشریح......امام محمدؒ نے سات سہام پر تقسیم کرنے کی یہ دلیل بیان کی ہے۔ مساکین وفقراء جمع کے الفاظ ہیں اور باب میراث میں جمع کا اقل فرد دو ہے لہٰذا مسکین دو ہوئے اور فقیر دو ہوئے اور تین امہات اولاد ہیں لہٰذا مجموعہ سات ہوگیا۔

فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس کے اندر اخوہ کا اقل فرد دو ہے۔

شیخینؒ کا جواب......حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ جب جمع پر الف لام داخل ہو جاتا ہے تو جمعیت کے معنی باطل ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے جنس مراد ہوتی ہے اور جنس ادنیٰ کو شامل ہوتی ہے احتمال کل کے ساتھ ساتھ اور یہاں تو بدرجۂ اولیٰ یہ معنیٰ مراد لئے جائیں گے کیونکہ تمام مساکین وفقراء پر ثلث کو تقسیم کرنا متعذر ہے لہٰذا ہر فریق میں سے صرف فرد واحد کا اعتبار کیا جائے گا تو اب سہام کا مجموعہ پانچ ہو گیا ان میں ۳/۳ امہات اولاد کے ہوگئے اور ایک ایک مساکین وفقراء کا ہوگیا۔

میرا ایک تہائی مال فلاں اور مساکین کیلئے ہے کے الفاظ سے وصیت کا حکم

قال ولو اوصی بثلثہ لفلان وللمساکین فنصفہ لفلان ونصفہ للمساکین عندھما وعند محمد ثلثہ لفلان وثلثاہ للمساکین ولو اوصی للمساکین لہ صرفہ الی مسکین واحد عندھما وعندہ لا یصرف الا الی مسکینین بناء

علی ما بیناه

ترجمہ۔۔۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور اگر اپنے تہائی مال کی وصیت فلاں اور مساکین کیلئے کی تو اس کا نصف فلاں کیلئے اور اس کا نصف مساکین کیلئے شیخینؒ کے نزدیک اور محمدؒ کے نزدیک اس کا ثلث فلاں کیلئے اور اس کے دوثلث مساکین کیلئے ہوں گے اور اگر اس نے مساکین کیلئے وصیت کی تو شیخینؒ کے نزدیک موصی کو حق ہے ایک مسکین پر صرف کرنے کا اور محمدؒ کے نزدیک صرف نہیں کیا جائے گا مگر دو مسکینوں پر اس قاعدہ پر بناء کرتے ہوئے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح۔۔۔ اس عبارت کا مطلب ترجمہ سے ظاہر ہے فتدبر۔

ایک کیلئے سو درہم اور دوسرے کیلئے بھی سو درہم اور تیسرے سے کہا کہ میں نے تم کو ان کیساتھ شریک کیا کے الفاظ سے وصیت کا حکم، ایک کو چار سو دراہم اور دوسرے کیلئے دو سو دراہم اور تیسرے سے کہا میں نے تم کو دونوں کے ساتھ شریک کیا کے الفاظ سے وصیت کا حکم

قال ومن اوصى لرجل بمائة درهم ولأخر بمائة ثم قال لاخر قد اشركتک معهما فله ثلث كل مائة لان الشركة للمساواة لغة وقد امكن اثباته بين الكل بما قلناه لا تحاد المال لانه يصيب كل واحد منهم ثلثا مائة بخلاف ما اذا اوصى لرجل باربع مائة ولاخر بمائتين ثم كان الا شراک لانه لا يمكن تحقيق المساواة بين الكل لتفاوت المالين فحملناه على مساواته كل واحد بتنصيف نصيبه عملا باللفظ بقدر الامكان

ترجمہ۔۔۔ محمدؒ نے فرمایا اور جس نے کسی شخص کو سو درہم کی وصیت کی اور دوسرے کو سو درہم کی وصیت کی پھر موصی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اس ثالث کیلئے ہر سو کا ثلث ہوگا اسلئے کہ لغۃً شرکت مساوات کیلئے ہے اور ان تینوں کے درمیان مساوات کو ثابت کرنا اس طریقہ پر ممکن ہے جو ہم نے بیان کیا ہے مال کے اتحاد کی وجہ سے اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک سو کے دو ثلث پہنچ جائیں گے بخلاف اس صورت کے جبکہ موصی نے ایک شخص کو چار سو کی اور دوسرے کو دو سو کی وصیت کی ہو پھر شریک کرنا ہوا ہو اسلئے کہ دونوں مالوں کے درمیان تفاوت کی وجہ سے تینوں کے درمیان مساوات تو ناممکن ہے تو ہم نے اس کو محمول کیا ثالث کے مساوی ہونے پر ہر ایک سے ہر ایک کے حصہ کو آدھا کرنے کے ساتھ لفظِ اشتراک پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے۔

تشریح۔۔۔ اگر زید نے عمرو کو سو روپے کی وصیت کی اور بکر کیلئے بھی سو کی وصیت کی اب زید خالد سے کہتا ہے کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو خالد ۳۳؍ روپے عمرو سے اور ۳۳؍ بکر سے لے گا جس کا مجموعہ ہوا ۶۶؍ اور اتنا ہی ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس باقی رہ گیا ہے تو مساوات ہوگئی اور شرکت برابری کو چاہتی ہے۔

اور اگر زید نے عمرو کیلئے چار سو کی اور بکر کیلئے دو سو کی وصیت کی ہو پھر زید خالد سے کہتا ہے کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو یہاں برابری کی وہ صورت نہیں نکل سکتی جو پہلے تھی کیونکہ دونوں کے پاس مال متفاوت ہے بس صرف ایک صورت باقی رہ گئی تھی لہٰذا ہم نے اسی پر عمل کیا اور وہ یہ ہے کہ خالد عمرو سے دو سو اور بکر سے سو لے گا تاکہ لفظِ شرکت پر بقدر امکان عمل ہو سکے ورنہ اس کے علاوہ یہاں شرکت پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

ایک شخص نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر قرض ہے اسلئے تم لوگ اس کی تصدیق کرلو کہنے کی شرعی حیثیت، قیاسی دلیل

قال ومن قال لفلان علی دین فصدقوه معناه قال ذالک لورثته فانه یصدق الی الثلث وهذا استحسان وفی القیاس لا یصدق لان الاقرار بالمجهول وان کان صحیحا لکنه لا یحکم به الابالبیان وقوله فصدقوه صدر مخالفا للشرع لان المدعی لا یصدق الابحجة فتعذر اثباته اقرار امطلقا فلا یعتبر

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا ہے اور جس نے کہا فلاں کا میرے اوپر قرض ہے پس تم اس کی تصدیق کر دینا اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس نے اپنے ورثا سے کہا ہو تو وہ فلاں ثلث تک تصدیق کیا جائے گا اور یہ استحسان ہے اور قیاس میں یہ بات ہے کہ فلاں کی تصدیق نہ کی جائے اسلئے کہ مجہول کا اقرار اگر چہ صحیح ہو لیکن اقرار مجہول پر حکم نہیں لگایا جائے گا۔ مگر بیان کے ساتھ اور قول اس کا فصدقوہ صادر ہوا ہے شریعت کے مخالف اسلئے کہ مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی مگر حجت کے ساتھ تو متعذر ہے اس اقرار کا اثبات اقرار مطلق کے طریقہ پر تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح ...... زید اپنے ورثہ سے کہتا ہے کہ خالد کا میرے ذمہ قرض ہے تو جب وہ آپ لوگوں کے پاس اگر اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور جو مقدار بتا وے تو تم اس کی تصدیق کرنا، لہٰذا خالد زید کے مرنے کے بعد آیا اور اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور اس کی مقدار بتائی تو تہائی ترکہ تک اس کی تصدیق کی جائے گی، اور یہ حکم استحسان کا ہے ورنہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ خالد کی بالکل تصدیق نہ کی جائے اسلئے کہ زید نے اگر چہ اقرار تو کیا ہے لیکن اس میں قرض کی مقدار نہیں کھولی اور اقرار مجہول اگر چہ صحیح ہو جاتا ہے لیکن اس پر حکم کا ترتب اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کا بیان آ گیا ہو اور بیان نہیں آیا تھا یہاں تک کہ موصی کا انتقال ہو گیا اور اب وہ بیان کرنے کا محل نہیں رہا۔

اور اس نے جو یہ کہا تھا کہ تم اس کی تصدیق کر دینا یہ بھی اقرار مذکور کے لئے بیان نہیں بن سکتا کیونکہ اسکا صدور خود خلاف شرع ہوا ہے اسلئے کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ جب مدعی کوئی دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق حجت کے بعد کی جاتی ہے اور موصی کہتا ہے کہ بغیر حجت کے اس کی تصدیق کر دینا یہ خلاف شرع ہے، تو یہ اقرار اقرار مطلق نہ ہوا کہ اس پر اقرار کے احکام جاری کئے جا سکیں اسلئے قیاس کا تقاضہ تھا کہ یہ اقرار غیر معتبر ہو اور خالد کی بالکل تصدیق نہ کی جائے۔ مگر ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا اور استحسان پر عمل کیا ہے، آگے مصنفؒ استحسان کی دلیل بیان فرما رہے ہیں۔

استحسان کی دلیل

وجه الاستحسان انا نعلم ان من قصده تقديمه على الورثة وقد امكن تنفيذ قصده بطريق الوصية وقد يحتاج اليه من يعمل باصل الحق عليه دون مقداره سعيامنه فی تفريغ ذمنه فيجعلها وصية جعل التقدير فيها الى الموصى له كانه قال اذا جاء كم فلان وادعى شيئا فاعطوه من مالی ما شاء هذه معتبرة من الثلث فلهذا يصدق على الثلث دون الزيادة

ترجمہ ...... استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا ارادہ فلاں کو ورثا پر مقدم کرنا ہے اور اس کے ارادہ کی تنفیذ ممکن ہے وصیت

کے طریقہ پر اور کبھی اس اقرار کی جانب وہ شخص محتاج ہوتا ہے جو اپنے اوپر اصل حق کو جانتا ہے نہ کہ اس کی مقدار کو اپنی جانب سے اپنے ذمہ کی تفریغ میں کوشش کرتے ہوئے تو وہ اس کو ایسی وصیت قرار دیتا ہے جس میں تقدیر موصی لہ کی جانب محول ہو گویا کہ موصی نے یوں کہا کہ جب تمہارے پاس فلاں شخص آئے اور میرے مال میں سے کچھ کا دعویٰ کرے تو میرے مال میں سے اس کو اتنا دے دینا جتنا ہو چاہے اور یہ وصیت تہائی سے معتبر ہوتی ہے اسی وجہ سے فلاں کی تہائی تک تصدیق کی جائے گی نہ کہ زیادہ میں۔

تشریح ...... یہ استحسان کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں زید کا مقصد یہ ہے کہ خالد کو ورثا پر مقدم رکھا جائے اور یہاں اس کے ارادہ کو نافذ کیا جا سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس کو وصیت قرار دیا جائے۔

اس لئے کہ کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص پر کسی کا حق ہے لیکن وہ اس کی مقدار سے واقف نہیں ہے پس اتنا جانتا ہے کہ خالد کا میرے اوپر حق ہے تو ایسی صورت میں زید محتاج ہوگا کہ وہ اس قسم کی وصیت کرے جس سے وہ حق اتر جائے جو اس کے ذمہ ہے لیکن اس کی مقدار سے زید واقف نہیں اسلئے وہ مجبوراً کہتا ہے کہ خالد جو کہے اس کی تصدیق کر دینا تو یہ ایسی وصیت کی ہوگئی جس میں موصی بہ کی تعداد بیان کرنے کا اختیار خود موصی لہ کو ہو تو وہ وصیت درست ہے اور موصی لہ کو یہ اختیار نہ ہوگا بلکہ اس کو صرف ثلث ملے گا۔

تو یہاں زید کی وصیت کا حاصل یہ ہوا کہ جب تمہارے پاس خالد آئے اور مجھ پر اپنا مالی دعویٰ کرے تو جتنا وہ چاہے اتنا ہی اس کو میرے مال میں سے دے دینا تو یہ وصیت صحیح ہے اور معتبر ہے لیکن تہائی تک معتبر ہے زیادہ میں نہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں خالد کی تصدیق فقط ثلث تک کی جائے گی اس سے زیادہ میں نہیں کی جائے گی۔

موصی نے اپنے مجہول اقرار کے سوا کچھ اور وصیتیں بھی کی ہیں تو وارثوں اور وصیت والوں کے درمیان کس طرح وصیت تقسیم ہوگی

قال وان اوصى بوصايا غير ذالك يعزل الثلث لا صحاب الوصايا والثلثان للورثة لان ميراثهم معلوم وكذا الوصايا معلومة وهذا مجهول فلا يزاحم المعلوم فيقدم عزل المعلوم

ترجمہ ...... امام محمدؒ نے فرمایا اور اگر موصی نے اس کے علاوہ وصیت کی ہو تو احباب الوصایا کیلئے ثلث علیحدہ کر لیا جائے گا اور ورثا کیلئے ثلثان، اسلئے کہ ان کی میراث معلوم ہے اور ایسے ہی وصایا معلوم ہیں اور یہ مجہول ہے تو مجہول معلوم کے مزاحم نہ ہوگا تو معلوم کو الگ کرنا مقدم ہوگا۔

تشریح ...... اس سے پہلے مسئلہ میں جبکہ موصی نے یہ وصیت کی تھی کہ جب خالد آئے اور میرے مال میں اپنا حق بتائے تو جتنا وہ حق بتائے اس کو دے دینا تو یہ حکم جو مذکور ہوا ہے کہ ثلث تک خالد کی تصدیق کی جائے گی اس وقت ہے جبکہ موصی نے کچھ اور وصایا اسکے علاوہ نہ کی ہوں، لیکن اگر اس نے اس کے علاوہ اور بھی وصیتیں کر رکھی ہیں تو پھر یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس کا حکم یہ ہے جو یہاں مذکور ہے۔

یہاں سب سے پہلا کام تو یہ ہوگا کہ اصحاب الوصایا جو خالد کے علاوہ ہیں پورے ترکہ میں سے ان کا ثلث الگ کر دو اور ورثا کے دو ثلث الگ کر دو، یعنی کل ترکہ کے تین حصے کر دیئے جائیں ان میں سے ایک اصحاب الوصایا کیلئے اور دو ورثا کے لئے، اس لئے کہ اصحاب الوصایا کا ثلث معلوم ہے اور ورثا کا ثلثان معلوم ہے اور خالد کا حق مجہول ہے معلوم کا مزاحم نہیں ہو سکتا اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ

اصحاب الوصایا کا ثلث الگ کیا جائے اور ورثا کا دوثلث الگ کیا جائے۔

اصحاب الوصایا کے ثلث کو الگ کرنے کا فائدہ

و فـــي الافراز فائدة اخرى وهو ان احد الفريقين قد يكون اعلم بمقدارهذا الحق وابصربه والاخر الدخصاما وعساهم يختلفون في الفصل اذا اعاده الخصم وبعدالافراز يصح اقرار كل واحد فيما في يده من غير منازعة

ترجمہ ...... اور علیحدہ کرنے میں دوسرا فائدہ ہے اور وہ یہ کہ دوفریقوں میں سے ایک کبھی اس مقدار کو زیادہ جاننے والا اور اس کے بارے میں زیادہ بصیرت رکھنے والا ہوتا ہے اور دوسرا فریق بڑا جھگڑالو ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ دونوں فریق زیادتی کے بارے میں جھگڑا کریں جب کہ خصم (صاحب دین) زیادتی کا دعویٰ کرے اور علیحدہ کرنے کے بعد ہر ایک کا اقرار صحیح ہوگا اس مقدار کے حق میں جو اس کے قبضہ میں ہے بغیر منازعت کے۔

تشریح ...... یعنی معلوم اور مجہول کا تقاضہ بھی یہ تھا کہ مجہول معلوم کا مزاحم نہ ہو اور معلوم کو جدا کرلیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ جدا کرنے میں اور بھی فائدہ ہے اور وہ یہ کہ ہوسکتا ہے کہ ایک فریق خالد کے حق کے متعلق زیادہ معلومات اور زیادہ بصیرت رکھتا ہو اور دوسرا فریق دیدہ دانستہ جھگڑالو، یعنی جب خالد آ کر دعویٰ کرے کہ میرے تین سو روپے تھے تو ایک فریق تو کہہ دے کہ ہاں سچ کہتا ہے، اتنا ہی تھا اور دوسرا فریق کہے کہ جھوٹ کہتا ہے اس کے تو پچاس روپے تھے خواہ مخواہ تین سو بتاتا ہے۔

لیکن جب ہر فریق کا حصہ الگ کردیا گیا تو ہر فریق اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا اور کوئی منازعت اور جھگڑے کی صورت سامنے نہ آئے گی، خیر تو اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا اس کو مصنفؒ نے اگلی عبارت میں پیش کیا ہے۔

ہر فریق اصحاب الوصایا اور ورثا میں سے اپنے اقرار کے مطابق ماخوذ ہوگا

واذا عزل يقال لا صحاب الوصايا صدقوه فيما شئتم ويقال للورثة صدقوه فيما شئتم لان هذا دين في حق المستحق وصية في حق التنفيذ فاذا اقر كل فريق بشئى ظهران في التركة دينا شائعا في النصيبين فيؤخذ اصحاب الثلث بثلث ما اقروا والورثة بثلثي ما اقروا لتنفيذ الاقرار كل فريق في قدر حقه وعلى كل فريق منهما اليمين على العلم ان ادعى المقرله زيادة على ذالك لانه يحلف على ما جرى بينه وبين غيره

ترجمہ ...... اور جب الگ کرلیا گیا تو اصحاب الوصایا سے کہا جائے گا کہ تم اس کی تصدیق کرو جتنی مقدار میں چاہو اور ورثا سے کہا جائے گا کہ تم اس کی تصدیق کرو جتنی مقدار میں تم چاہو اس لئے کہ یہ مستحق کے حق میں قرض ہے تنفیذ کے حق میں وصیت ہے پس جب کہ اقرار کرلیا ہر فریق نے کسی مقدار کا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ترکہ میں دین شائع ہے دونوں حصوں میں تو اصحاب الثلث (موصی لہم) اپنے اقرار کے ثلث میں ماخوذ ہوں گے اور ورثا اپنے اقرار کے دوثلث میں ماخوذ ہوں گے ہر فریق کے اقرار کو نافذ کرتے ہوئے اس کے حق کی مقدار میں اور ان دونوں میں سے ہر فریق پر علم پر قسم کھانا ہے اگر مقرلہ اس اقرار سے زیادہ کا دعویٰ کرے اس لئے کہ فریق سے قسم لی جارہی ہے اس فعل پر جو اس کے اور اس کے غیر کے درمیان جاری ہوا ہے۔

تشریح ...... جب پورے ترکہ کے تین سہام کرکے ایک تہائی اصحاب الوصایا الگ کردی گئی اور ورثا کے دوثلث الگ کردیئے گئے، تو

اصحابُ الوصایا قرض کا اقرار کریں اسی اقرار کا ایک ثلث خالد کو دیں گے، اور ورثا جتنا اقرار کریں اس کا دوثلث دیں گے، یعنی ہر فریق اپنے اقرار کے مطابق ماخوذ ہوگا اور ایک فریق دوسرے کے اقرار کی وجہ سے ماخوذ نہ ہوگا لہٰذا اگر اصحابُ الوصایا اور ورثا دونوں نے یہ اقرار کیا کہ خالد کا حق تین سو روپے ہیں تو سو روپے اصحابُ الوصایا دیں گے اور دوسو روپے ورثا دیں گے اور اگر کم وبیش ہو تو ہر فریق اپنے اقرار کے مطابق ماخوذ ہوگا، مثلاً اصحابُ الوصایا چھ سو روپے کا اقرار کریں اور ورثہ نو سو روپے کا تو اصحابُ الوصایا دو سو اور ورثا چھ سو دیں گے۔

سوال..... آپ نے پہلے مسئلہ میں کہا تھا کہ یہ اقرار حقیقت میں وصیت ہے اور اس کو وصیت قرار دے کر آپ نے نافذ کیا تھا تو اس کے وصیت ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف اصحابُ الوصایا سے اقرار کرایا جائے اور اس میں سے خالد کو اس کا حق دے دیا جائے لہٰذا ورثا کو ماخوذ کرنا اور ان سے اقرار وتصدیق کرا کر اقرار کے دوثلث ان سے دلوانا کیسے صحیح ہوگیا جب کہ یہ دین نہیں بلکہ وصیت ہے۔؟

جواب..... ہم نے وصیت اس کو اس لئے قرار دیا تھا تاکہ اس کو نافذ کرنے کا راستہ ہموار ہو جائے ورنہ حقیقت میں یہ قرض ہے اس لئے کہ خالد اس کو وصیت نہیں کہتا وہ اس کو اپنا قرض کہتا ہے، لیکن چونکہ وصیت کے ساتھ اس کی مشابہت ہے اسلئے ہم نے کہا تھا کہ اس کا نفاذ فقط ثلث میں ہوگا ثلث سے زیادہ میں نہ ہوگا اور چونکہ اس کے اقرار و دین سے بھی مشابہت ہے اس لئے ہم اس کو پورے ترکہ شائع قرار دیں گے، اور محض اس کو وصیت قرار دے کر اصحابُ الوصایا کو ماخوذ نہیں کریں گے اس وجہ سے ہم نے کہا کہ ورثا سے بھی تصدیق کرائی جائے گی اور جہاں تک وہ تصدیق کریں اس کا دوثلث ان سے لیا جائے گا۔

اس اشکال کا جواب مصنفؒ نے اپنی اس عبارت سے دیا ہے لِاَنَّ ھٰذادینٌ فی حَق المستحق..... الخ اور ترکہ میں سے ہر فریق اسی تناسُب سے ملا ہے یعنی ورثا کو (⅔) اور اصحابُ الوصایا کو (⅓) لہٰذا ہر فریق اسی تناسب سے اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا لیکن اگر خالد دعویٰ کرتا ہے کہ میرے تو تین ہزار روپے تھے اور یہ دونوں فریق تین سو کا اقرار کرتے ہیں اور اصحابُ الوصایا سے سو لیکر اور ورثا سے دو سو لیکر خالد کو دیئے گئے مگر وہ زیادہ کا مدعی ہے تو اصحابُ الوصایا اور ورثا دونوں سے قسم لیجائے گی اور وہ یہ قسم کھائیں گے کہ واللہ ہمیں اس سے زیادہ کا علم نہیں ہے یعنی ان کی قسم علی العلم ہوگی علی الثبات اور قطعی نہ ہوگی کیونکہ اصول یہ ہے کہ اپنے فعل پر جو قسم لی جاتی ہے وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے اور دوسرے کے فعل پر جو قسم لیجاتی ہے وہ علی العلم ہوتی ہے، لیکن ہمیں معلوم نہیں ہے یہ کہنے کا ان کو حق نہ ہوگا کہ اتنا ہرگز نہیں تھا کیونکہ دوسروں کے فعل کے بارے میں آدمی قطعیت کی بات نہیں کرسکتا اور یہاں یہ فعل خالد اور موصی کے درمیان جاری ہوا ہے یہ فعل ورثا اور اصحابُ الوصایا اور خالد کا نہیں ہے۔

تنبیہ..... اصحابُ الثلث سے مراد اصحابُ الوصایا ہیں، کاتب نے دھوکہ سے عینی کے اندر اصحابُ الثلث کے بعد رضی اللہ عنہم لکھ دیا ہے شاید کاتب نے اصحابُ الثلث سے خلفاء ثلاثہ کا خیال کر کے ایسا لکھ دیا ہے۔

اجنبی اور وارث کیلئے، زندہ اور مردہ کیلئے، قاتل اور اجنبی کیلئے، وصیت کرنے کا حکم

قال ومن اوصی لاجنبی ولو ارثه فللا جنبی نصف الوصیه وتبطل وصیة الوارث لانه اوصی بما یملک الایصأ به وبما لا یملک فصح فی الاول وبطل فی الثانی بخلاف ما اذا اوصی لحی ومیت لان المیت لیس باهل للوصیة

فلا يصلح مزاحما فيكون الكل للحي والوارث من اهلها ولهذا تصح باجازة الورثة فافترقا وعلى هذا اذا اوصى للقاتل وللاجنبي

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا اور جس نے کسی اجنبی اور اپنے وارث کے لئے وصیت کی تو اجنبی کیلئے وصیت کا نصف ہے اور وارث کی وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ موصی نے اس چیز کی وصیت کی جس کی وصیت کا وہ مالک ہے اور اس کی جس کی وصیت کا وہ مالک نہیں ہے تو اس کی وصیت اول میں صحیح ہے اور ثانی میں باطل ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی نے زندہ اور مردہ کے لئے وصیت کی ہو اس لئے کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے تو میت زندہ کے لئے مزاحم بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا تو کل وصیت زندہ کے لئے ہو جائے گی اور وارث وصیت کا اہل ہے اس وجہ سے وصیت صحیح ہو جائے گی ورثا کی اجازت سے پس یہ دونوں جدا ہو گئے اور اسی طریقہ پر جب کہ موصی نے قاتل اور اجنبی کے لئے وصیت کی ہو۔

تشریح ...... موصی نے اپنے وارث اور کسی اجنبی کے لئے وصیت کر دی تو وارث کے لئے وصیت باطل ہوگی اور اجنبی کو پوری وصیت کا نصف ملے گا اس لئے کہ موصی اجنبی کو وصیت کرنے کا مُجاز ہے اور وارث کو وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے تو جہاں وہ مجاز ہے وہاں وصیت درست ہے اور جہاں وہ مجاز نہیں ہے وہاں وصیت باطل ہوگی۔

البتہ اگر موصی نے زندہ اور مردہ کیلئے وصیت کی ہو تو چونکہ مردہ وصیت کا اہل نہیں ہے اس لئے پوری وصیت زندہ کے لئے ہوگی کیونکہ مردہ زندہ کیلئے مزاحم نہیں بن سکتا اور چونکہ وارث وصیت کا اہل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ورثا وارث کے لئے وصیت کی اجازت دیدیں تو جائز ہے، اس وجہ سے وارث اور مردہ میں فرق ہونے کی وجہ سے مسئلہ میں فرق ہو گیا ہے۔

اور اسی طرح قاتل بھی وارث کے درجہ میں ہے لہٰذا اگر قاتل اور اجنبی کیلئے وصیت کی تو قاتل کے لئے وصیت باطل ہوگی اور اجنبی کو موصی بہ کا نصف ملے گا۔

عین یا دین کا اپنے وارث یا اجنبی کیلئے اقرار کرنے کا حکم

وهذا بخلاف ما اذا اقر بعين اودين لوارثه وللاجنبي حيث لا يصح في حق الاجنبي ايضا لان الوصية انشأ تصرف والشركة تثبت حكماله فتصح في حق من يستحقه منهما اما الاقرار اخبار عن كائن وقد اخبر بوصف الشركة في الماضي ولا وجه الى اثباته بدون هذا الوصف لانه خلاف ما اخبر به ولا الى اثبات الوصف لانه يصير الوارث فيه شريكاولانه لو قبض الاجنبي شيئا كان للوارث ان يشاركه فيبطل في ذالك القدر ثم لا يزال يقبض ويشاركه الوارث حتى يبطل الكل فلا يكون مفيد اوفي الانشاء حصة احدهما ممتازة عن حصة الاخر بقاء و بطلانا

ترجمہ ...... اور یہ (وارث اور اجنبی کیلئے وصیت کرنا) اس صورت کے خلاف ہے جب کہ مریض کسی عین یا دین کے بارے میں اپنے وارث یا اجنبی کے لئے اقرار کرے اس حیثیت سے کہ یہ اقرار اجنبی کے حق میں بھی صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ وصیت تصرف کا انشاء ہے اور شرکت انشاء کا حکم بن کر ثابت ہوتی ہے تو وصیت صحیح ہو جائیگی ان دونوں میں سے اس شخص کے حق میں جو وصیت کا مستحق ہے (یعنی اجنبی)

بہرحال اقرار وہ گذشتہ امر کی خبر دینا ہے حالانکہ مقر نے گذشتہ زمانہ میں شرکت کے وصف کی خبر دی ہے اور اس اقرار کو اس وصف شرکت کے بغیر ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ اس خبر کے خلاف ہے جو مقر نے خبر دی ہے اور نہ اس وصف کو ثابت کرنے کی کوئی وجہ ہے اس لئے کہ اس میں وارث شریک ہو جائے گا اور اگر اجنبی نے کسی چیز پر قبضہ کر لیا تو وارث کو حق ہوگا کہ اس میں اجنبی کا شریک ہو جائے تو اس مقدار میں قبضہ باطل ہو جائے گا پھر اجنبی برابر قبضہ کرتا رہے گا اور وارث اس کا شریک ہوتا رہے گا یہاں تک کہ کل اقرار باطل ہو جائے گا تو یہ اقرار مفید نہ ہوگا اور انشاء میں (یعنی وصیت میں) ان دونوں میں سے ایک کا حصہ ممتاز ہے دوسرے کے حصہ سے بقاء اور بطلان کے اعتبار سے (بقاء اجنبی کے حق میں اور بُطلان ورثہ کے حق میں)

تشریح..... اگر زید نے بکر اور خالد کے لئے یہ اقرار کیا ہے کہ میرا یہ گھوڑا ان دونوں کا ہے یا ان دونوں کا میرے اوپر دس ہزار روپے قرض ہے اور بکر زید کا بیٹا ہے اور خالد اجنبی ہے تو دونوں کے حق میں اقرار باطل ہے یعنی نہ بکر کو کچھ ملے گا اور نہ خالد کو حالانکہ اگر اس طرح وصیت کرتا تو اجنبی (خالد) کے حق میں وصیت جائز ہو جاتی اور بکر (بیٹے) کے حق میں وصیت باطل ہوتی (کمامر)

وجہ اس کی یہ ہے کہ وصیت اور اقرار میں فرق ہے وصیت تو اب ایک تصرف کا انشاء ہے جو پہلے سے نہیں تھا اگر چہ شرکت ان دونوں کی وصیت کے اندر بھی ہوتی ہے لیکن اصالۃً نہیں ہوتی بلکہ انشاء کا حکم بن کر وصیت میں شرکت ثابت ہوتی ہے تو جو وصیت کئے جانے کا اہل ہے اس کے لئے وصیت درست ہوگئی اور جو اہل نہیں ہے اس کیلئے وصیت درست نہیں ہوئی بالفاظِ دیگر وارث کے حق میں انشاء ہی معتبر نہ ہوا تو اس کا حکم شرکت بھی ثابت نہ ہوگی جس کا مطلب یہ ہوا کہ وصیت میں شرکت نہیں ہوگی جب شرکت صحیح نہیں ہوئی تو جس کا حق باطل ہے وہ باطل ہو گیا اور جس کا حق باطل نہیں بلکہ باقی ہے وہ باقی رہے گا اس لئے وصیت اجنبی کے لئے درست ہوگئی تھی رہا اقرار تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُقِر اپنے اقرار میں یہ بتا رہا ہے کہ اس عین یا دین میں بکر اور خالد دونوں کا اشتراک ہے یعنی یہاں شرکت عارضی نہیں بلکہ اقرار کی حقیقت میں داخل ہے۔

تو اقرار جب بھی ہوگا وصفِ شرکت کے ساتھ اور اگر شرکت کو ہٹا دیا جائے تو مُقِر کے اقرار کی رعایت نہیں رہی حالانکہ اصل بنیاد مُقِر کا اقرار ہے۔

تو اگر آپ یہ کہیں کہ وارث کی شرکت کو ہٹا دیا جائے تو غلط کیونکہ یہ مُقِر کی خبر کے خلاف ہے اور اگر شرکت کو باقی رکھا جائے تو غلط کیونکہ وارث کے لئے جیسے وصیت جائز نہیں ہے ایسے ہی اس کے لئے اقرار بھی جائز نہیں ہے اور جب وصفِ شرکت کا اعتبار ہوگا تو اس میں وارث کو شریک ماننا پڑے گا حالانکہ یہ غلط ہے۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اجنبی جب کسی چیز پر قبضہ کریگا تو اس میں بحکم اقرار وارث بھی شریک ہوگا اور پھر وہی بُطلان اقرار کی صورت ہوگی اور برابر یہی صورت ہوتی جائے گی کہ ادھر اجنبی قبضہ کریگا اُدھر وارث بحکم اقرار اس میں شریک ہوگا تو پھر اس قبضہ کو باطل کرنا پڑے گا۔

تو یہاں قبضہ مفید نہ ہوگا اور اقرار کو فریقین کے حق میں باطل قرار دینا پڑے گا اور وصیت میں ایسا نہیں ہے یعنی وہاں شرکت انشاء وصیت کی وضع میں داخل نہیں ہے بلکہ وصیت میں ہر ایک کا حصہ دوسرے سے ممتاز ہے لہٰذا اجنبی کا حق باقی رہے گا اور وارث کا باطل ہو جائے۔

تین ایسے تھان جو عمدہ، وسط، ردی ہیں تین شخصوں کیلئے وصیت کرنے کا حکم

قال ومن كان له ثلثة اثواب جيد ووسط وردى فاوصى بكل واحد لرجل فضاع ثوب ولا يدرى ايها هو والورثة تجحد ذالك فالوصية باطلة ومعنى جحودهم ان يقول الوارث لكل واحد منهم بعينه الثوب الذى هو حقك قد هلك فكان المستحق مجهولا وجهالته تمنع صحة القضا وتحصيل المقصود فبطل

ترجمہ۔۔۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور جس کے تین کپڑے ہوں ایک عمدہ اور دوسرا درمیانی اور تیسرا گھٹیا پس اس نے ہر ایک کپڑے کی ایک ایک شخص کیلئے وصیت کردی پس ایک کپڑا ضائع ہوگیا اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ان میں سے کون سا کپڑا ضائع ہوا ہے اور ورثا اس کا انکار کرتے ہیں پس وصیت باطل ہے اور ان کے انکار کے یہ معنی ہیں کہ وارث ان میں سے ہر ایک سے معین طریقہ پر کہے کہ وہ کپڑا جو تیرا حق تھا ہلاک ہوگیا ہے تو مستحق مجہول ہوگا اور مستحق کی جہالت قضاء کی صحت کو اور مقصود کی تحصیل کو روکتی ہے پس وصیت باطل ہو جائے گی۔

تشریح۔۔۔ زید کے پاس تین تھان ہیں:-

۱- بہت شاندار جس کی قیمت دو ہزار ہے۔

۲- درمیانی جس کی قیمت ایک ہزار ہے۔

۳- گھٹیا جسکی قیمت پانچ سو روپے ہے۔

پھر زید نے عمدہ کی وصیت خالد کیلئے اور درمیانی کی بکر کے لئے اور گھٹیا کی عمرو کیلئے کردی لیکن حسن اتفاق کہ ان تین تھانوں میں سے ایک تھان ضائع ہوگیا لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کون سا تھان ضائع ہوا ہے، یعنی عمدہ ضائع ہوا ہے یا اوسط یا گھٹیا۔ اُدھر ورثا ان تینوں موصیٰ لہم سے یہ کہتے ہیں یعنی ہر ایک سے علیحدہ کہتے ہیں کہ تیرا حق جو تھا وہ ہلاک ہوگیا، تو اس صورت میں چونکہ مستحق مجہول ہے اور جب مستحق مجہول ہے تو قاضی بھی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا اور نہ اس میں موصی کا مقصود حاصل ہوسکتا لہٰذا وصیت کو باطل قرار دیا جائے گا اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

مذکورہ وصیت کے باطل ہونے سے بچنے کا طریقہ

قال الا ان يسلم الورثة الثوبين الباقيين فان سلمو ازال المانع وهو الجحود فيكون لصاحب الجيد ثلثا الثوب الاجود ولصاحب الاوسط ثلث الجيد وثلث الا دون ولصاحب الادون ثلثا الثوب الادون لان صاحب الجيد لاحق له فى الردى بيقين لانه اما ان يكون وسطا اورديا ولا حق له فيهما وصاحب الردى لا حق له فى الجيد الباقى بيقين لانه اما ان يكون جيدا اووسطا ولاحق له فيهما ويحتمل ان يكون الردى هو الردى الاصلى فيعطى من محل الاحتمال واذا ذهب ثلثا الجيد وثلثا الا دون لم يبق الاثلث الجيد وثلث الردى فيتعين حق صاحب الوسط فيه بعينه ضرورة

ترجمہ۔۔۔ امام محمدؒ نے فرمایا مگر یہ کہ ورثہ دونوں باقی تھان سپرد کردیں پس اگر انہوں نے سپرد کردیئے تو مانع زائل ہوگیا اور وہ ان کا انکار کرنا تھا تو صاحب جید کے لئے عمدہ کپڑے کا ثلثان ہوگا اور اوسط والے کیلئے جید کا ثلث اور گھٹیا کا ثلث ہوگا اور گھٹیا والے کے لئے گھٹیا

کپڑے کے دو ثلث ہوں گے اس لئے کہ صاحب جید کا بالیقین موجود گھٹیا میں کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ یہ (گھٹیا) یا تو اوسط ہے یا گھٹیا ہے اور اس کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے اور صاحب ردی اس کا باقی عمدہ میں یقیناً کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ وہ یا تو عمدہ ہے یا اوسط ہے اور اس کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے اور احتمال ہے کہ موجودہ گھٹیا ہی حقیقت میں گھٹیا ہو تو گھٹیا والے کو محل احتمال سے دیا جائے گا اور جب جید کے دو ثلث اور گھٹیا کے دو ثلث ختم ہو گئے تو باقی نہیں بچا مگر جید کا ثلث اور گھٹیا کا ثلث تو ضرورۃً صاحبِ وسط کا حق اس میں متعین ہو جائے گا۔

تشریح ...... یہ وصیت اس وقت باطل ہوتی ہے جب کہ ورثا مذکورہ طریقہ پر انکار کریں لیکن اگر انہوں نے ماہقی دونوں تھان انکے حوالہ کر دیئے تو مانع زائل ہو گیا اور وصیت باطل ہونے سے بچ گئی بلکہ اس کو نافذ کیا جائے گا اور صورت مذکورہ میں گھٹی میں سب شریک ہوں گے لہٰذا اس کی صورت یہ ہوگی کہ صاحب جید (خالد) کو موجود وقت میں سے (۲/۳) ملے گا اور صاحب ردی (عمرو) کو اس وقت جو گھٹیا ہے اس میں سے (۲/۳) ملے گا اور باقی رہا صاحب وسط (بکر) تو اس کو عمدہ کا (۱/۳) اور گھٹیا کا (۱/۳) ملے گا ایسا کیوں؟

اس لئے کہ اس وقت جو گھٹیا ہے اس میں دو احتمال ہیں:-

۱- ہوسکتا ہے کہ واقعۃً یہی گھٹیا ہو۔

۲- ہوسکتا ہے کہ یہ اوسط ہو اور اس سے گھٹیا وہ ہو جو ہلاک ہو گیا ہے۔

بہر حال ان دونوں احتمالوں کے باوجود خالد کا حق اس گھٹیا میں ہرگز نہیں بیٹھتا بلکہ اس کا حق صرف اس میں بیٹھتا ہے جو اس وقت عمدہ ہے لہٰذا اس میں سے (۲/۳) اس کو ملے گا۔

اور رہا صاحب ردی (عمرو) تو اس کا اس وقت کے عمدہ میں کوئی حق نہیں بیٹھتا اس لئے کہ اس عمدہ میں بھی دو احتمال ہیں:-

۱- یہ حقیقت میں عمدہ ہو ۲- یہ حقیقت میں اوسط ہو

بہر حال جو بھی ہو ان دونوں میں صاحب ردی کا حق نہیں بیٹھتا، البتہ جو گھٹیا ہے اس میں بھی دو احتمال ہیں:-

۱- یہ واقعۃً گھٹیا ہو ۲- ہوسکتا ہے کہ یہ اوسط ہو

بہر حال اس میں یہ احتمال ہے کہ یہی ردّی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ عمرو کا حق بن جائے لہٰذا ہم نے اس میں سے (۲/۳) عمرو کو دیدئے۔

اب باقی بچا بکر تو اس کے لئے کچھ باقی نہیں علاوہ عمدہ کے (۱/۳) کے اور ردی کے (۱/۳) کے لہٰذا ہم نے کہا کہ اس کو عمدہ کا ثلث اور گھٹیا کا ثلث دیا جائے گا۔

ایک مکان دو آدمیوں کی ملک ہو اور ایک شریک کا اپنے حصے کا کمرہ دوسرے کو وصیت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

قال واذا كانت الدار بين رجلين اوصى احدهما ببيت بعينه لرجل فانها تقسم فان وقع البيت في نصيب الموصى فهو للموصى له عند ابى حنيفة وابى يوسفؒ رحمهما الله وعند محمد نصفه للموصى له وان وقع في نصيب الاخر فللموصى له مثل ذرع البيت وهذا عند ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ وقال محمدؒ مثل ذرع

نصف البیت

ترجمہ... امام محمدؒ نے فرمایا اور جب کہ گھر دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے ایک نے کسی شخص کے لئے کسی معین کمرے کی وصیت کردی تو دار کو تقسیم کیا جائے گا پس اگر کمرہ موصی کے حصّہ میں پڑے تو وہ کمرہ موصیٰ لہٗ کے لئے ہوگا ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اور محمدؒ کے نزدیک اس کا نصف موصیٰ لہٗ کیلئے ہوگا اور اگر وہ کمرہ دوسرے کے حصّہ میں واقع ہو تو موصیٰ لہٗ کے لئے کمرہ کی وسعت کے مثل ہوگا اور یہ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور محمدؒ نے کہا کہ نصف کمرہ کی وسعت کے مثل ہوگا۔

تشریح...... زید اور بکر کے درمیان ایک حویلی مشترک ہے جس کا ابھی بٹوارہ نہیں ہوا زید نے اس میں سے ایک کمرہ کی وصیت خالد کیلئے کردی تھی تو وصیت صحیح ہے اور اب زید کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ کمرہ خالد کو کیسے ملے گا؟

تو اس کا طریقہ بتایا کہ اوّلاً تو زید کے اور بکر کے درمیان اس حویلی کو تقسیم کر دیا جائے پھر تقسیم کے بعد دیکھا جائے کہ وہ کمرہ جس کی وصیت کی تھی کس کے بٹوارہ میں آیا ہے اگر وہ زید کے بٹوارہ میں آیا ہے تو خالد کو وہ پورا کمرہ دیدیا جائے گا اور اگر بکر کے حصّہ میں آیا ہو تو خالد کو اس کمرے کے برابر جگہ دیدی جائے گی جو اس گھر کی اس جگہ میں سے دیجائیگی جو زید کے حصّہ میں آیا ہے اور یہ حضرات شیخینؒ کا مذہب ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اول صورت میں خالد کو کمرہ کا نصف اور ثانی صورت میں کمرہ کی جگہ کے نصف کے مثل جگہ دی جائے گی۔

امام محمدؒ کی دلیل

لہ انہ اوصی بملکہ وبملک غیرہ لان الدار بجمیع اجزائها مشترکة فنفذ الاول وتوقف الثانی وھو ان ملکہ بعد ذالک بالقسمة التی ھی مبادلة لا تنفذ الوصیة السالفة کما اذا اوصی بملک الغیر ثم اشتراہ ثم اذا اقتسموھا ووقع البیت فی نصیب الموصی تنفذ الوصیة فی عین الموصی بہ وھو نصف البیت وان وقع فی نصیب صاحبہ لہ مثل ذرع نصف البیت تنفیذ للوصیة فی بدل الموصی بہ عند فواتہ

ترجمہ...... دلیلِ امام محمدؒ یہ ہے کہ موصی نے اپنی مِلک اور اپنے غیر کی مِلک کی وصیت کی ہے اس لئے کہ گھر اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مشترک ہے پس اول نافذ ہوگی اور ثانی موقوف ہوگی اور موصی بعد وصیت اگر چہ کمرہ کا مالک ہوگیا ہے اس قسمت کے ذریعہ جو کہ مبادلہ ہے (پھر بھی) پہلی وصیت نافذ نہ ہوگی جیسے جب کہ وصیت کی غیر کی ملک کی پھر اس کو خرید لیا ہو پھر جب انہوں نے گھر کو تقسیم کرلیا اور وہ کمرہ موصی کے حصّہ میں آ گیا تو عینِ موصیٰ بہٖ میں وصیت نافذ ہو جائے گی اور وہ کمرہ کا نصف ہے اور اگر وہ کمرہ اس کے ساتھی کے حصّہ میں واقع ہو تو موصیٰ لہٗ کے لئے کمرہ کی وسعت کے نصف کے مثل ہے موصیٰ بہٖ کے فوت ہونے کے وقت موصیٰ بہٖ کے بدل میں وصیت کو نافذ کرتے ہوئے۔

تشریح...... یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب زید نے وصیت کی تھی اس وقت یہ پوری حویلی دونوں کے درمیان مشترک تھی اور حویلی کے تمام اجزاء مشترک تھے لہٰذا وہ کمرہ بھی مشترک تھا جس کی زید نے وصیت کی تھی اور اشتراک کا مطلب یہ ہوا کہ زید اس کے نصف کا مالک ہے اور نصف کا مالک بکر ہے تو زید نے جو وصیت کی ہے کچھ تو اپنی ملک میں کی ہے اور کچھ بکر کی ملکیت میں کی ہے تو زید

جس حصہ کا مالک ہے اس میں اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی اور جس کا مالک بکر ہے اس میں وصیت نافذ نہ ہوگی بلکہ وہ بکر کی اجازت پر موقوف ہے اگر اجازت دیدے تو اس میں بھی نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

سوال زید اگر چہ بوقت وصیت اس پورے کمرہ کا مالک نہیں تھا لیکن اب بعد قسمت تو زید اس پورے کمرہ کا مالک ہو گیا ہے لہذا پورے کمرہ میں وصیت نافذ ہونی چاہئے؟

جواب ...... اگر کوئی شخص دوسرے کی چیز کسی کو وصیت کر دے اور پھر موصی اس چیز کو خرید لے تو وصیت صحیح نہ ہوگی اسی طرح یہاں زید بوقت وصیت پورے کمرہ کا مالک نہیں ہے اور پورا کمرہ زید کی ملکیت میں بعد قسمت آیا ہے اور قسمت کی حقیقت مبادلہ ہے جیسے شراء تو یہاں بھی پہلی وصیت نافذ ہوگی۔

لہذا خلاصۂ کلام ...... یہ ہوا کہ جب گھر تقسیم کیا گیا اور یہ کمرہ زید کے حصہ میں آ گیا تو جو موصی بہ ہے اس میں وصیت نافذ ہوگی اور موصی بہ اس کمرہ کا نصف ہے۔

اور اگر وہ کمرہ بکر کے حصہ میں آیا ہو تو اب خالد کو موصی بہ کا بدل ملے گا یعنی جتنی جگہ اس کمرہ کی ہے اس سے آدھی خالد کو اس زمین میں سے دی جائے گی جو زید کے حصہ میں آئی ہے۔

موصی بہ فوت ہو جائے تو اس کا بدل قائم مقام بن جاتا ہے

کالجارية الموصى بها اذا قتلت خطا تنفذ الوصية في بدلها بخلاف ما اذا بيع العبد الموصى به حيث لا تتعلق الوصية بثمنه لان الوصية تبطل بالاقدام على البيع على ما بيناه ولا تبطل بالقسمة

ترجمہ ...... جیسے وہ باندی جس کی وصیت کر دی گئی جب کہ اس کو خطاً قتل کر دیا ہو تو اس کے بدل میں وصیت نافذ ہو جائے گی بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی بہ غلام کو بیچا گیا ہو اس حیثیت سے کہ وصیت اس کے ثمن سے متعلق نہ ہوگی اس لئے کہ وصیت باطل ہو جائے گی بیع پر اقدام کی وجہ سے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور وصیت بٹوارہ سے باطل نہ ہوگی۔

تشریح ...... جب موصی بہ فوت ہو جائے تو اس کا بدل اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے اس کی ایک مثال پیش کی گئی ہے کہ جب زید نے اپنی باندی کی وصیت کسی شخص کے لئے کر دی اور کسی نے خطاءً اس باندی کو قتل کر دیا تو اب موصی لہ کو بجائے باندی کے اس کا بدل ملے گا۔

سوال ...... اگر موصی نے غلام موصی بہ فروخت کر دیا تو یہاں بھی ثمن میں وصیت جاری ہوگی؟

جواب ...... نہیں، اس لئے کہ موصی کا بیع پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ وصیت سے رجوع کر رہا ہے لہذا یہاں وصیت ہی باطل ہو جائے گی اور چونکہ تقسیم کرنا وہ رجوع کرنے کی دلیل نہیں ہے لہذا بٹوارہ سے وصیت باطل نہ ہوگی یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے آگے شیخینؒ کی دلیل آ رہی ہے۔

شیخین کی دلیل

ولهما انه اوصى بما يستقر ملكه فيه بالقسمة لان الظاهر انه يقصد الايصاء بملك منتفع به من كل وجه

وذالک یکون بالقسمة لان الانتفاع بالمشاع قاصر وقد استقر ملکه فی جمیع البیت اذا وقع فی نصیبه فتنفذ الوصیةفیه ومعنی المبادلة فی هذه القسمة تابع وانما المقصود الافراز تکمیلا للمنفعة ولهذا یجبر علی القسمة فیه وعلی اعتبار الافراز یصیر کان البیت ملکه من الابتداء

ترجمہ ...... اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اس چیز کی وصیت کی ہے جس میں بٹوارہ سے اس کی ملکیت جم جائے گی اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ موصی نے ایسی ملک کے ایصاء کا قصد کیا ہے جس سے ہر اعتبار سے نفع حاصل ہو سکے اور یہ (پورا انتفاع) بٹوارہ سے ہوسکتا ہے اس لئے کہ مشاع کے ذریعہ انتفاع قاصر ہے اور جب کمرہ موصی کے حصہ میں آ گیا تو پورے کمرہ میں اس کی ملک جم گئی تو اس میں وصیت نافذ ہوگی اور اس بٹوارہ میں مبادلہ کے معنی تابع ہیں اور مقصود افراز ہے گویا کہ شروع ہی سے کمرہ موصی کی ملکیت ہے۔

تشریح ...... یہ حضرات شیخینؒ کی دلیل فرماتے ہیں کہ بوقت وصیت اگرچہ پورے کمرہ میں زید کی ملکیت نہیں تھی لیکن یہ احتمال اس میں پہلے سے موجود ہے کہ بٹوارہ کے ذریعہ اس میں زید کی ملکیت ثابت ہو جائے، اور جب بکر کو معلوم ہے کہ ساتھی نے اس کمرہ کی وصیت کر رکھی ہے وہ بھی اس کی رعایت رکھے گا کیونکہ ایسے مقامات پر رعایت کرنے کی عادت جاری ہے۔

اور جو چیز مشترک ہوتی ہے اس سے کماحقہ انتفاع حاصل نہیں ہو پاتا بلکہ اس سے انتفاع قاصر ہوتا ہے، تو زید کا منشاء پہلے سے یہ ہے کہ بعد قسمت یہ کمرہ خالد کے حوالہ کر دیا جائے گا کیونکہ زید کا مقصد یہی ہے کہ خالد کو اس کمرہ سے پورا نفع حاصل ہو اور یہ بٹوارہ کے بغیر ممکن نہیں ہے، بہرحال جب پہلے سے یہ مقصد تھا اور اب بٹوارہ ہو کر پورا کمرہ زید کی ملکیت میں آ گیا تو وصیت نافذ کر دی جائے گی اور پورا کمرہ خالد کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

رہا امام محمدؒ کا یہ فرمان کہ قسمت میں مبادلہ کے معنی ہیں جو شراء کے درجہ میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قسمت میں مبادلہ اور افراز دونوں پہلو ہوتے ہیں اور حیوانات وعروض میں مبادلہ کے معنی غالب ہوتے ہیں اور جنس واحد میں افراز کے معنی غالب ہوتے ہیں تو یہاں جنس واحد ہے جس میں افراز کے معنی اصل ہیں اور مبادلہ کے معنی مغلوب ہیں اور تابع ہیں، اور چونکہ یہاں افراز کے معنی غالب ہیں اس وجہ سے قسمت پر جبر جائز ہے ورنہ جہاں مبادلہ کے معنی غالب ہوں قاضی کا جبر جائز نہیں ہے (جس کا تفصیلی بیان کتاب القسمت میں گزر چکا ہے)۔

بہرحال جب یہاں افراز کے معنی غالب ہیں تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ گویا شروع ہی سے یہ کمرہ زید کی ملکیت ہے لہٰذا وصیت اس میں نافذ ہوگی۔

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت

وان وقع فی نصیب الاخر تنفذ فی قدر ذرعان جمیعه مما وقع فی نصیبه اما لانه عوضه کما ذکرناه اولان مراد الموصی من ذکر البیت التقدیر به تحصیلا لمقصوده ماامکن الا انه یتعین البیت اذا وقع فی نصیبه جمعابین الجهتین التقدیر والتملیک وان وقع فی نصیب الاخر عملنا بالتقدیر اولانه اراد التقدیر علی اعتبار احد الوجهین والتملیک بعینه علی اعتبار الوجه الاخر

ترجمہ..... اور اگر وہ کمرہ دوسرے کے حصے میں پڑا ہو تو وصیت نافذ کی جائے گی کمرہ کے تمام گزوں کے بقدر اس میں جو موصی کے حصہ میں واقع ہوئی ہے یا تو اس لئے کہ یہ (جو زمین زید کو ملی ہے) اس کا عوض ہے جیسے ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں یا اس لئے کہ موصی کی مراد بیت کے ذکر سے اس کے ذریعہ تعیین و تقدیر ہے جہاں تک ممکن ہو اس کے مقصود کی تحصیل کی وجہ سے مگر یہ بات ہے کہ کمرہ متعین ہو جائے گا جب کہ کمرہ موصی کے حصہ میں واقع ہو تقدیر اور تملیک کے دونوں جہتوں کے درمیان جمع کرتے ہوئے اور اگر کمرہ دوسرے کے حصہ میں واقع ہو تو ہم نے تقدیر پر عمل کیا یا اسلئے کہ موصی نے تقدیر کا ارادہ کیا ہے دو وجھوں میں سے ایک کے اعتبار پر اور بعینہ تملیک کا دوسری وجہ کے اعتبار پر۔

تشریح..... اگر وہ کمرہ زید کے حصہ میں آجائے تو وہی کمرہ دیا جائیگا اور اگر وہ کمرہ اس کے ساتھی کے حصہ میں آئے تو اب زید کے حصہ میں اتنی قطعۂ زمین خالد کو دی جائے گی جتنا یہ کمرہ ہے، کیوں؟

یا تو اس وجہ سے کہ وہ زمین اس کمرہ کا عوض ہے اور جب اصل موصٰی بہ کی تسلیم پر قدرت نہ ہو یعنی وہ فوت ہو جائے تو اس کا بدل اس کے قائم مقام ہوا کرتا ہے جس کی تفصیل ابھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

یا یہ وجہ ہے کہ موصی کی مراد بعینہ وہی کمرہ وصیت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے مثل زمین کی وصیت کرنا مقصود ہے اور کمرہ کا ذکر محض تقدیر کے طریقہ پر ہے یعنی موصٰی بہ کی مقدار کا اندازہ لگانے کے لئے ہے۔ کمرہ سے مراد تقدیر کیوں لی گئی؟ تا کہ جہاں ممکن ہو موصی کے مقصد کی رعایت ہو سکے۔

سوال..... جب کمرہ اور بیت سے تقدیر و انداز مراد ہے تو جب وہ کمرہ زید کے حصہ میں آجائے تو موصی یا اس کے ورثا کو اختیار ملنا چاہئے کہ وہ بعینہ وہ کمرہ دیدیں یا اس کے مثل زمین دیدیں تو آپ نے اگر وہ کمرہ زید کے حصہ میں آجائے تو یہ حکم کیوں متعین کر دیا کہ اب کمرہ ہی خالد کو دیا جائے گا یہ حکم تو تقدیر کے خلاف ہے؟

جواب..... یہاں دونوں احتمال ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زید کی مراد کمرہ کے ذکر سے اس سے اندازہ بیان کرنا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد بعینہ اسی کمرہ کا مالک بنانا ہو تو جب یہ کمرہ زید کے حصہ میں آ گیا تو ہم نے کہا کہ یہی کمرہ خالد کو دیا جائے گا تا کہ اس میں تقدیر و تملیک دونوں کی رعایت ہو سکے یعنی دونوں باتیں اس میں بیک وقت جمع ہو گئیں۔

اور اگر وہ کمرہ دوسرے شریک کے حصہ میں آ گیا تو وہاں ہم نے تقدیر پر عمل کیا ہے۔

یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زید کی خود مراد یہ ہو کہ اگر یہ کمرہ میرے حصہ میں آ گیا تو بعینہ یہی کمرہ دیا جائے گا اور اگر یہ کمرہ میرے حصہ میں نہ آیا تو اس کے برابر جگہ دی جائے گی یعنی بوقتِ وصیت موصی کا ارادہ تقدیر تملیک دونوں کا ہو سکتا ہے۔

مسئلہ کی نظیر

كما اذا علق عتق الولد وطلاق المراة باول ولد تلده امته فالمراد في جزاء الطلاق مطلق الولد وفي العتق ولد حي

ترجمہ..... جیسے جب کہ اس نے معلّق کیا ہو بچہ کے عتق کو اور بیوی کی طلاق کو پہلے اس بچہ پر جس کو اس کی باندی جنے تو مراد طلاق کی

جزاء میں مطلق بچہ ہے اور عتق کے حق میں زندہ بچہ ہے۔

تشریح ...... یہ آخری جو جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ موصی کی مراد ہی پہلے سے یہ ہو کہ اگر یہ کمرہ میرے حصہ میں آجائے تو بعینہ یہی دیا جائے گا اور اگر یہ میرے حصہ میں نہ آئے تو اس کے مثل جگہ دی جائے گی۔

یہاں سے مصنفؒ اس کی نظیر پیش فرماتے ہیں، مثلاً زید کی ایک باندی ہے جس کا اس نے خالد سے نکاح کر رکھا ہے اور ایک زید کی بیوی ہے، اب زید کہتا ہے کہ میری باندی جب پہلا بچہ جنے گی تو وہ بچہ آزاد ہے اور بیوی کو طلاق ہے، لہٰذا جب وہ بچہ پیدا ہوا تو آزاد ہوگا اور زید کی بیوی کو طلاق پڑے گی۔

لیکن طلاق اور عتق دونوں مراد جدا گانہ ہے یعنی وقوع طلاق کے لئے مطلق بچہ مراد ہے یعنی بچہ زندہ پیدا ہو یا مردہ بہر دو صورت طلاق واقع ہو جائے گی، اور آزاد ہونے کے لئے زندہ بچہ مراد ہے، یعنی اگر وہ زندہ بچہ جنی تو بچہ آزاد ہوگا ورنہ اگر بچہ مرا ہوا پیدا ہوا تو وہ آزاد نہ ہوگا، لہٰذا معلوم ہوا کہ زید نے پہلے بچہ سے طلاق کے حق میں مطلق بچہ مراد لیا ہے اور عتق کے حق میں زندہ مراد لیا ہے، اسی طرح یہاں اگر یہ کمرہ میرے حصہ میں آجائے تو یہی کمرہ مراد ہے اور اگر حصہ میں نہ آئے تو اس کے مثل دوسری جگہ مراد ہے۔

تقسیم کا طریقہ

ثم اذا وقع البيت فى نصيب غير الموصى والدار مائة ذراع والبيت عشرة اذرع يقسم نصيبه بين الموصى له و بين الورثة على عشرة اسهم تسعة منها للورثة وسهم للموصى له وهذا عند محمدؒ فيضرب الموصى له بخمسة اذرع نصف البيت ولهم بنصف الدار سوى البيت وهو خمسة واربعون فيجعل كل خمسة سهما فيصير عشرة

ترجمہ ...... پھر جب کہ کمرہ غیر موصی کے حصہ میں آئے اور حویلی سو گز ہو اور کمرہ دس گز ہو تو موصی کا حصہ موصی لہٗ اور ورثا کے درمیان دس حصوں پر تقسیم کیا جائے گا ان میں سے نو ورثا کے لئے اور ایک حصہ موصی لہٗ کے لئے ہے اور یہ محمدؒ کے نزدیک ہے پس موصی لہٗ نصف بیت کے تناسب سے پانچ گز لے گا اور ورثا کے لئے آدھی حویلی ہے کمرہ کے علاوہ اور وہ (کمرہ کے علاوہ آدھی حویلی) پینتالیس گز ہیں تو ہر پانچ گز کو ایک حصہ قرار دیا جائے گا تو دس حصے ہو جائیں گے۔

تشریح ...... جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر وہ کمرہ زید کے حصہ میں نہ آئے تو اس کے برابر زمین خالد کو دی جائے گی تو اس تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا اگرچہ مسئلہ خود واضح تھا مگر مصنفؒ نے اس کو بیان کیا ہے۔

فرمایا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک موصی لہٗ کو کمرہ کے نصف کا عوض دیا جائیگا لہٰذا اگر پورا گھر سو گز ہے اور کمرہ دس گز ہے تو موصی لہٗ کو پانچ گز ملیں گے یعنی زید کے حصہ میں دار کے پچاس گز آگئے اور کمرہ کا نصف پانچ گز ہے لہٰذا پانچ گز زمین زید کو دی جائے گی اور باقی پینتالیس گز زید کے ورثہ کے لئے ہوں گے۔

اسی کو بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ زید کے پورے ترکہ کے دس سہام کر کے ان میں سے نو زید کے ورثا کو اور ایک موصی لہٗ کو دیا جائے گا کیونکہ پچاس میں سے پینتالیس ($\frac{9}{10}$) ہے اور پچاس میں سے پانچ $\frac{1}{10}$ ہے، یہ تفصیل امام محمدؒ کے نزدیک ہوگی کہ بٹوارہ دس سہام پر ہوگا اور ہر پانچ گز کو ایک سہم قرار دیا جائے گا۔

شیخینؒ کے نزدیک تقسیم کا طریقہ

وعندهما يقسم على احد عشر سهما لان الموصى له يضرب بالعشرة و هم بخمسة واربعين فتصير السهام احد عشر للموصى له سهمان ولهم تسعة

ترجمہ..... اور شیخینؒ کے نزدیک (موصی کا حصہ) گیارہ حصوں پر تقسیم کیا جائیگا اس کے لئے موصیٰ لہٗ دس گز کے حساب سے لیگا اور ورثہ پینتالیس کے تو سہام گیارہ ہو جائیں گے موصیٰ لہٗ کیلئے دو حصے اور ورثا کے لئے نو۔

تشریح..... یہ حضرات شیخینؒ کے نزدیک تقسیم کا طریقہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موصی کے حصہ میں جو پچاس گز آئے ہیں ان کے گیارہ حصے کر لئے جائیں ان میں سے نو حصے ورثا کو اور دو موصیٰ لہٗ کو دیئے جائیں گے۔

یعنی پچاس کو بڑھا کر ۵۵ ریں سے دس موصیٰ لہٗ اور پینتالیس ورثہ کے ہوں گے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پورا کمرہ دس گز کا ہے لہذا وہی دس مذکورہ طریقہ پر موصیٰ لہٗ کو دیئے جائیں گے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ زید نے خالد کو گویا دس ۱۰ کی وصیت کی ہے اور پورا دار سو گز ہے جب سو میں دس نکل گئے تو نوے باقی رہے جو دونوں شریکوں کے درمیان مشترک ہیں اور ہر فریق کے پینتالیس ہو گئے مگر شریک کا حصہ گھٹایا نہیں جا سکتا لہذا انکو تو انکے پورے پچاس ملیں گے البتہ باقی پچاس میں ورثا کے پینتالیس اور موصیٰ لہٗ کے دس کے حساب سے جب دیکھا گیا اور ہر حصہ پانچ گز کا ہو تو اصل کو ۵۵ قرار دیا جائے گا تاکہ گیارہ حصے ہو سکیں۔

تنبیہ-۱..... یہ مصنفؒ نے طول لاطائل اختیار کیا ہے ورنہ فرماتے کہ شیخینؒ کے نزدیک پچاس گزوں کو پانچ سہام پر تقسیم کیا جائے گا یعنی چالیس ۴۰ ورثہ کے اور ایک سہم یعنی دس موصیٰ لہٗ کے ہوں گے امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ کمرہ کا نصف بٹتا ہے تو وہ مجبوراً دس سہام پر تقسیم کے قائل ہوں گے مگر شیخینؒ کے نزدیک پورے کمرہ کا مثل ملے گا تو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (زیلعی ۱۹۴ ج ۶)

اگر مسئلہ مذکورہ میں وصیت کے بجائے اقرار ہو تو حکم

ولو كان مكان الوصية اقرار قيل هو على الخلاف وقيل لا خلاف فيه لمحمد والفرق له ان الاقرار بملك الغير صحيح حتى ان من اقر بملك الغير لغيره ثم ملكه يؤمر بالتسليم الى المقر له والوصية بملك الغير لا تصح حتى لو ملكه بوجه من الوجوه ثم مات لا تصح وصيته ولا تنفذ

ترجمہ..... اور اگر وصیت کی جگہ اقرار ہو تو کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف پر ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں محمدؒ کا اختلاف نہیں ہے اور محمدؒ کے لئے وجہ فرق یہ ہے کہ ملک غیر کا اقرار صحیح ہے یہاں تک کہ جس نے ملک غیر کا اقرار کیا اپنے غیر کے لئے پھر مقر اس کا مالک ہو گیا تو مقر کو مقر لہٗ کی جانب سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا اور دوسرے کی ملکیت کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ اگر موصی موصیٰ بہ کا کسی طریقہ پر مالک ہو جائے پھر مر جائے تو اس کی وصیت صحیح نہ ہوگی اور نہ نافذ ہوگی۔

تشریح..... مثلاً زید و عمرو کے درمیان ایک مکان مشترک ہے اور زید نے اس میں سے ایک معین کمرے کے بارے میں خالد کے لئے اقرار کیا کہ یہ خالد کی ملکیت ہے تو یہاں بالاتفاق خالد کو یہ پورا کمرہ ملے گا یا اس کے برابر زمین ملے گی یعنی اس میں امام محمدؒ کا اختلاف نہیں ہے

اور یہی عدم اختلاف قولِ مختار ہے اگر چہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام محمدؒ کا یہاں بھی اختلاف ہے کہ کمرہ کا نصف یا اس کے نصف کے مثل ملے گا۔

عدم اختلاف کی صورت میں امام محمدؒ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے وصیت اور اقرار میں فرق کیوں کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار اور وصیت میں فرق ہے ملکِ غیر کے بارے میں اقرار اقرار صحیح ہے لیکن ملکِ غیر کی وصیت صحیح نہیں ہے۔

اقرار صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر زید نے یہ اقرار کیا کہ خالد کا یہ مکان بکر کا ہے اور پھر زید اس مکان کا مالک ہو گیا تو وہ اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ یہ مکان بکر کے سپرد کرے اور اگر ملکِ غیر کی وصیت کر دی اور پھر موصیٰ بہ کا مالک ہو گیا تو بھی وصیت درست نہ ہوگی اور نہ نافذ ہوگی۔

کسی کے معین مال کی دوسرے کیلئے وصیت کرنے کا حکم

قال ومن اوصى من مال رجل لآخر بالف بعينه فاجاز صاحب المال بعد موت الموصى فان دفعه فهو جائز وله ان يمنع لان هذا تبرع بمال الغير فيتوقف على اجازته واذا اجاز يكون تبرعا منه ايضا فله ان يمتنع من التسليم بخلاف ما اذا اوصى بالزيادة على الثلث واجازت الورثة لان الوصية في مخرجها صحيحة لمصادفتها ملك نفسه والامتناع لحق الورثة فاذا اجازوها سقط حقهم فنفذ من جهة الموصى

ترجمہ امام محمدؒ نے فرمایا اور جس نے دوسرے کے لئے معین ہزار کی وصیت کی دوسرے شخص کے مال میں سے پھر موصی کی موت کے بعد صاحب مال نے اجازت دیدی پس اگر اس نے وہ مال موصیٰ لہٗ کو دیدیا تو جائز ہے اور صاحب مال کو اختیار ہے کہ دینے سے انکار کرے اس لئے کہ یہ (موصی کا فعل) غیر کے مال سے تبرع ہے تو صاحب مال کی اجازت پر موقوف ہے اور جب کہ اس نے اجازت دیدی تو اسکی جانب سے بھی تبرع ہوگا تو مالکِ مال کو حق ہے انکار کرے بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور ورثا نے اجازت دیدی اس لئے کہ وصیت اپنے مخرج میں صحیح واقع ہوئی اس کے ملنے کی وجہ سے اپنی ملک سے اور زائد میں ممتنع ہونا حق ورثا کی وجہ سے تھا پس جب ورثا نے اس کی اجازت دیدی تو ان کا حق ساقط ہو گیا پس وصیت موصی کی جانب سے نافذ ہوگی۔

تشریح...... زید کے پاس مثلاً خالد کی امانت رکھی ہوئی ہے اس میں سے ہزار روپے کی وصیت بکر کے لئے کر دی تو چونکہ یہ وصیت مالِ غیر کی ہے اسلئے یہ وصیت خالد کی اجازت پر موقوف ہے اگر اس نے موصی کی موت کے بعد اس کی اجازت دیدی تو ٹھیک ورنہ باطل ہے۔

اور جواز کے لئے ضروری ہے کہ خالد موصیٰ بہ کو بکر کے قبضہ میں دیدے، وجہ اس کی یہ ہے کہ خالد کا فعل مذکور ہبہ کے درجہ میں ہے اور ہبہ کی تمامیت کے لئے قبضہ شرط ہے اور اگر خالد نے اجازت دیدی لیکن موصیٰ بہ کو ابھی موصیٰ لہٗ کے سپرد نہیں کیا تھا تو اس کو حق ہے کہ دینے سے رُک جائے۔

کیونکہ یہاں زید کا فعل غیر کے مال سے تبرع ہے تو یہ اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جب غیر نے اجازت دیدی تو غیر کی

جانب سے بھی اس کو تبرع شمار کیا جائے گا تو اس غیر کو حق ہے کہ وہ تسلیم سے رُک جائے۔
اور اگر موصی نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو تو یہ ورثا کی اجازت پر موقوف ہے اور ورثا نے اجازت دیدی تو یہ اجازت بغیر تسلیم کے درست ہے۔ اس لئے کہ یہاں وصیت شروع سے درست ہے مالک نے کی ہے البتہ اس میں حق ورثا رکاوٹ بن گیا تھا تو جب ورثا نے اجازت دیدی تو ان کا حق ساقط ہو گیا تو وصیت موصی کی جانب سے نافذ ہو گی نہ کہ ورثا کی جانب سے۔

موصی کے بیٹوں نے ترکہ کو تقسیم کر لیا اور ایک بیٹا تقسیم ترکہ کے بعد ثلث مال کی وصیت کا اقرار کرے تو کیا حکم ہوگا

قال واذا اقتسم الابنان تركة الاب الفائم اقرا حدهما لرجل ان الاب اوصى له بثلث ما له فان المقر يعطيه ثلث ما فى يده وهذا استحسان

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا اور جب دو بیٹوں نے باپ کا ترکہ ہزار درہم بانٹ لئے پھر ان دونوں میں سے ایک نے کسی شخص کے لئے اقرار کیا کہ باپ نے اس کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تھی تو مُقر اس کا ثلث دے گا جو اس کے قبضہ میں ہے اور یہ استحسان ہے۔
تشریح ...... زید کے دو لڑکے ہیں خالد اور ساجد، زید کا انتقال ہو گیا اور ان دونوں نے باپ کا ترکہ تقسیم کر دیا جو مثلاً ہزار درہم تھا پھر خالد اقرار کرتا ہے کہ باپ نے فلاں شخص کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تھی تو اب کیا حکم ہے؟
تو فرمایا کہ جس نے اقرار نہیں کیا وہ تو بری الذمہ ہے البتہ خالد کے قبضہ میں جو مقدار ترکہ کی پہنچی ہے وہ اس میں سے ثلث فلاں شخص کو دے گا اور یہ حکم استحسان ہے۔

قیاسی دلیل

والقياس ان يعطيه نصف ما فى يده وهو قول زفرؒ لان اقراره بالثلث له تضمن اقراره بمسا واته اياه والتسوية فى اعطاء النصف ليبقى له النصف

ترجمہ ...... اور قیاس یہ ہے کہ وہ (مقر) اس کو اس کا نصف دیدے جو اس کے قبضہ میں ہے اور یہی زفرؒ کا قول ہے اس لئے کہ مُقر کا موصی لہ کے لئے ثلث کا اقرار کرنا متضمن ہے اس کے اقرار کرنے کو اپنے ساتھ اس کی مساوات و برابری کا اور برابری نصف دینے میں ہے تا کہ مُقر کے لئے نصف باقی رہے۔
تشریح ...... یعنی ہم نے جو کہا ہے کہ مُقر اپنے حصہ میں سے ثلث دے گا یہ حکم بطریق استحسان ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مُقر اپنے حصہ میں نصف مُقر لہ کو دے اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔
کیونکہ جب مُقر نے اس کے لئے ثلث مال کا اقرار کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کل ترکہ کے تین حصے ہوں گے اور دونوں بیٹوں اور موصی لہ کو برابر مل جائے گا تو ثلث کا اقرار اس بات کو متضمن ہے کہ مُقر نے یہ اقرار کیا ہے کہ مقر لہ حصہ میں میرے مساوی ہے اور مساوات کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس کا آدھا دیدے تا کہ آدھا مُقر کے لئے ہو جائے اور آدھا مقر لہ کیلئے۔

تنبیہ-ا...... مگر مُقر کا مطلب یہ ہے کہ کل ترکہ میں وہ میرا مساوی ہے میرے مقبوضہ میں وہ میرا مساوی نہیں ہے۔ (فتدبر)

استحسان کی دلیل، صاحب دین ورثا سے مقدم ہوتا ہے

وجه الاستحسان انه اقر بثلث شائع في التركة وهي في ايديهما فيكون مقرا بثلث ما في يده بخلاف ما اذا اقر احدهما بدين لغيره لان الدين مقدم على الميراث فيكون مقرا بتقدمه فيقدم عليه

ترجمہ...... استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مُقر نے ترکہ کے اندر ثلث شائع کا اقرار کیا ہے اور ترکہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے تو وہ اپنے مقبوضہ میں ثلث کا اقرار کرنے والا ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کہ ان دونوں میں سے ایک نے اپنے غیر کے لئے قرض کا اقرار کیا ہو تو وہ غیر کے تقدم کا اقرار کرنے والا ہوگا پس وہ غیر اس پر مقدم کیا جائے گا۔

تشریح...... مگر ہم نے قیاس مذکور کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا ہے، استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مُقر نے کل ترکہ میں بطریق شیوع ثلث کا موصیٰ لہٗ کے لئے اقرار کیا ہے اور کل ترکہ دونوں بھائیوں کے قبضہ میں ہے تو مُقر کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ اس کے ثلث کا اقرار کرنے والا ہوگا۔

البتہ اگر ان دونوں میں سے ایک نے یہ اقرار کیا کہ باپ پر خالد کا اتنا قرض ہے تو اب اگر مُقر کا سارا حق بھی ختم ہو جائے تو اس کی پرواہ نہیں کی جائیگی بلکہ مُقر لہٗ کا حق ادا کیا جائے گا کیونکہ دین میراث پر مقدم ہوتا ہے تو اس نے خود اقرار کیا ہے کہ فلاں مجھ پر مقدم ہے لہٰذا اس کے اقرار کے مطابق اس کو مقدم رکھا جائے گا۔

موصیٰ لہٗ ورثا کے ساتھ شریک ہوتا ہے

اما الموصى له بالثلث شريك الوارث فلا يسلم له شئ الا ان يسلم للورثة ثلثاه ولانه لو اخذ منه نصف ما في يده فر بما يقر الابن الاخر به ايضا فيا خذ نصف ما في يده فيصير نصف التركة فيزاد على الثلث

ترجمہ...... بہرحال موصیٰ لہٗ بالثلث وہ وارث کا شریک ہے تو اس کے لئے کوئی چیز سپرد نہیں کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ ورثا کے لئے ترکہ کا دو ثلث سالم رہے اور اس لئے کہ موصیٰ لہٗ اگر مُقر سے اس کے مقبوضہ کا نصف لے لے تو ہوسکتا ہے کہ دوسرا بیٹا بھی اس کا اقرار کرے تو موصیٰ لہٗ اس کے مقبوضہ کا نصف لیگا تو ترکہ کا نصف ہو جائے گا تو وہ ثلث سے زیادہ ہو جائے گا۔

تشریح...... تو صاحب دَین ورثہ سے مقدم ہوتا ہے اور موصیٰ لہٗ مقدم نہیں ہوتا بلکہ ورثا کا شریک ہوتا ہے، لہٰذا موصیٰ لہٗ کو اس کا حق اسی وقت دیا جائے گا جب کہ دو ثلث ورثا کے لئے سالم بچے۔

لہٰذا صورت مذکورہ میں مُقر کے مقبوضہ کا ثلث ہی اس کو دیا جائے گا نہ کہ نصف، کیونکہ اگر موصیٰ لہٗ کو نصف دیدیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ دوسرا بیٹا بھی اقرار کرلے تو اس سے بھی نصف دلایا جائے گا تو اب موصیٰ لہٗ کو آدھا ترکہ مل گیا حالانکہ اس کو ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ موصیٰ لہٗ کو مُقر کے مقبوضہ کا ثلث ملے گا۔

موصی کا ایسی جاریہ (باندی) کی وصیت کرنا جو موصی کی وفات کے بعد بچہ جنے تو کیا حکم ہے

قال ومن اوصى لرجل بجارية فولدت بعد موت الموصى ولدا و كلاهما يخرجان من الثلث فهما للموصى له لان الام دخلت في الوصية اصالة والولد تبعا حين كان متصلا بالام فاذا ولدت قبل القسمة و التركة قبلها مبقاة على ملك الميت حتى يقضى بها ديونه دخل في الوصية فيكونان للموصى له

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے کسی شخص کے لئے باندی کی وصیت کی پس اس نے موصی کی موت کے بعد بچہ جنا اور وہ دونوں تہائی سے نکل جاتے ہیں تو وہ دونوں موصی لہ کے لئے ہوں گے اس لئے کہ ماں وصیت میں اصالۃً داخل ہے اور بچہ تبعاً جب کہ وہ ماں کے ساتھ متصل تھا پس جب کہ باندی نے بٹوارہ سے پہلے بچہ جنا اور ترکہ بٹوارہ سے پہلے میت کی ملکیت پر باقی رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے میت کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں تو بچہ وصیت میں داخل ہو گیا تو یہ دونوں موصی لہ کے لئے ہوں گے۔

تشریح ..... زید نے خالد کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی اور زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے باندی نے ایک بچہ جنا اور باندی اور بچہ کی قیمت اتنی ہے کہ یہ دونوں ترکہ کی تہائی سے نکل جاتے ہیں یعنی ترکہ اور ان کا دوثلث یا اس سے زیادہ موجود ہے تو باندی اور بچہ دونوں خالد کو ملیں گے اس لئے کہ وصیت میں ماں اصالۃً داخل ہے کیونکہ اس کی وصیت زید نے کی ہے اور بچہ چونکہ بوقت وصیت ماں کے ساتھ متصل ہے تو بچہ بر بناءِ تبعیت وصیت کے اندر داخل ہے اور ترکہ بٹوارہ سے پہلے میت کی ملکیت پر برقرار رہتا ہے۔

دلیل ..... جس کی دلیل یہ ہے کہ میت کے ترکہ سے میتؒ کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں تو جب ترکہ ابھی میت (زید) کی ملکیت پر برقرار ہے اور کوئی مانع موجود نہیں ہے تو بچہ بھی وصیت کے اندر داخل ہو جائے گا اور جب ماں اور بچہ وصیت کے اندر داخل ہو گئے تو یہ دونوں خالد کو ملیں گے۔

ماں اور بیٹا تہائی سے خارج نہ ہوں تو کیا حکم ہے، اقوال فقہاء

وان لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث واخذ ما يخصه منهما جميعا في قول ابي يوسف و محمدؒ وقال ابو حنيفةؒ ياخذ ذالک من الام فان فضل شئ اخذ من الولد

ترجمہ ..... اور اگر وہ دونوں تہائی سے نہ نکلیں تو موصی لہ تہائی کو لے گا اور ان دونوں میں سے جو اس کے حصہ میں آئے گا صاحبینؒ کے قول پر اور ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ وہ ثلث ماں سے وصول کرے گا پس اگر کچھ بچ جائے تو اس کو بچہ سے لے گا۔

تشریح ..... اور اگر ماں اور بچہ دونوں تہائی سے نہ نکلیں، یعنی ان کی قیمت کے علاوہ دوثلث یا اس سے زیادہ باقی نہ بچے تو اس میں امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی تہائی ماں سے لیگا اگر ماں سے اس کی تہائی پوری ہو جائے تو فبہا ورنہ اگر کچھ رہ جائے تو اس کمی کو بچہ سے پورا کرلیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں سے اکٹھے ثلث کو وصول کیا جائے گا جس کی توضیح آئندہ مثال میں آرہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

جامع الصغیر کی مثال سے اختلافی مسئلہ کی وضاحت

وفی الجامع الصغیر عین صورة وقال رجل له ست مائة درهم وامة تساوی ثلث مائة درهم فاوصی بالجارية لرجل ثم مات فولدت ولدا يساوی ثلث مائة درهم قبل القسمة فللموصی له الام و ثلث الولد عنده وعند هما له ثلثا كل واحد منهما

ترجمہ...... اور جامع صغیر میں ایک صورت کو متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ ایک شخص ہے جس کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جو تین سو درہم کے مساوی ہے پس اس نے کسی شخص کے لئے باندی کی وصیت کی پھر موصی مر گیا پس باندی نے ایک بچہ جنا تو تین سو درہم کے مساوی ہے تقسیم سے پہلے تو موصی لہٗ کے لئے ماں ہے اور بچہ کا ثلث ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو ثلث ہیں۔

تشریح...... یہ جامع صغیر کی ایک مثال سے اختلافی مسئلہ کی وضاحت ہے، مثلاً زید کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جس کی قیمت تین سو درہم ہے اب زید نے اس باندی کی وصیت خالد کے لئے کر دی تو وصیت صحیح ہے اور پوری باندی خالد کو ملے گی کیونکہ باندی پورے ترکہ کا تہائی ہے، لیکن زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا، جس کی قیمت بھی تین سو درہم ہے، اب کل ترکہ ۱۲۰۰/درہم ہو گیا جس کا ثلث چار سو ہوتا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پوری باندی خالد کو دیدی جائے گی مگر ابھی اس کا ثلث پورا نہیں ہوا، لہٰذا بچہ کی قیمت کا ۱/۳ اور خالد کو دیا جائے گا اب چار سو کی مالیت خالد کو مل چکی ہے جو بارہ سو کا ثلث ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں کا ۲/۳ خالد کو دیا جائے گا، اور ماں کا دو ثلث (۲/۳) دو سو دراہم ہیں اور بچہ کا دو ثلث بھی دو سو دراہم ہیں لہٰذا بارہ سو کا ثلث پورا ہو گیا، تو خالد کو ان دونوں کا دو ثلث ملے گا، اب اس پر فریقین کے دلائل پیش کئے جائیں گے۔

صاحبینؒ کی دلیل

لهما ما ذكرنا ان الولد دخل فى الوصية تبعا حالة الاتصال فلا يخرج عنها بالا نفصال كما فى البيع و العتق فتنفذ الوصية فيهما على السواء من غير تقديم الام

ترجمہ...... صاحبینؒ کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ بچہ بناء بر تبعیت کے بوقت اتصال وصیت میں داخل ہو چکا ہے۔ پس وہ بچہ انفصال کی وجہ سے خارج نہ ہو گا جیسے بیع اور عتق میں پس ان دونوں میں برابری کے ساتھ وصیت نافذ ہو گی بغیر ماں کو مقدم کئے ہوئے۔

تشریح...... یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بچہ بھی وصیت میں داخل ہو چکا ہے اگر چہ ماں وصیت میں اصالۃً داخل ہے اور بچہ تبعاً داخل ہے، بہر حال خواہ جیسے داخل ہو مگر داخل ہے اور جب بچہ اتصال ہی کے وقت سے وصیت میں داخل ہے تو اب جب کہ وہ ماں سے منفصل ہو چکا ہے تو اب وصیت سے خارج نہ ہو گا، لہٰذا اب یوں سمجھیں گے کہ ماں اور بچہ وصیت میں دونوں برابر داخل ہیں لہٰذا اب اس کی کوئی وجہ نہیں رہی کہ ماں کو بچہ پر مقدم کیا جائے۔

اوراس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے حاملہ باندی بیچی اور ابھی تک مشتری نے باندی پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس نے بچہ جنا تو بچہ بھی بیع میں داخل ہوگا اور وہ بھی مبیع شمار کیا جائے گا، اور جیسے کسی نے حاملہ باندی کو آزاد کیا تو تبعاً اس کا بچہ بھی آزاد ہو جائیگا تو جب وہ بچہ پیدا ہو گیا یعنی منفصل ہو گیا تو بچہ اپنی صفت حریت پر باقی رہے گا۔

یا یوں کہئے کہ کسی نے اپنی حاملہ باندی سے عتق کی وصیت کی پھر موصی کی موت کے بعد بٹوارہ سے پہلے اس نے بچہ جنا تو عتق ان دونوں میں نافذ ہوگا اور اگر وہ دونوں تہائی سے نہ نکلیں تو ثلث کو ان دونوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

تو اسی طرح یہاں بھی جو بچہ بٹوارہ سے پہلے پیدا ہوا ہے اس کی جانب وصیت سرایت کرے گی اور دونوں کو موصٰی لہٗ کے لئے قرار دیا جائے گا لیکن اگر وہ ثلث سے نہ نکل سکیں تو ثلث کو ماں اور بچہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل

ولـه ان الام اصـل والولد تبع فيه والتبع لا يزاحم الاصل فلو نفذنا الوصية فيهما جميعا تنتقض الوصية فى بعض الاصـل وذالک لا يـجـوز بـخـلاف البيـع لان تـنـفـيذ البيع فى التبع لا يؤدى الى نقضه فى الاصل بل يبقى تا ما صـحيحا فيه الا انه لا يقابله بعض الثمن ضرورة مقابله بالولداذ ااتصل به القبض ولكن الثمن تابع فى البيع حتى ينعقد البيع بدون ذكره وان كان فاسدا

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماں اصل اور بچہ اس میں تابع ہے اور تابع اصل کے مزاحم نہیں ہوا کرتا پس اگر ہم ان دونوں کے اندر وصیت کو نافذ کر دیں تو بعض اصل کے اندر وصیت ٹوٹ جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے بخلاف بیع کے اس لئے کہ تابع میں بیع کو نافذ کر دینا اصل کے اندر بیع کو توڑنے کی جانب موڈی نہ ہوگا بلکہ اصل میں بیع تام صحیح باقی رہے گی مگر اصل کے مقابلہ میں ثمن کا بعض حصہ نہ آسکے گا بعض ثمن کے مقابل ہونے کی ضرورت کی وجہ سے بچہ کے ساتھ جب کہ بچہ کے ساتھ قبضہ متصل ہو جائے لیکن بیع میں ثمن تابع ہے یہاں تک کہ ثمن کو ذکر کئے بغیر بیع منعقد ہو جائے گی اگر چہ فاسد ہوگی۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وصیت میں ماں اصل اور بچہ اس کے تابع ہے اور یہ اصول اپنی جگہ مُسلم ہے کہ تابع اصل کا مزاحم نہیں ہوا کرتا تو یہاں بچہ ماں کا مزاحم کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ اگر ماں اور بچہ دونوں کے اندر وصیت کو نافذ مان لیا جائے تو بچہ (تابع) ماں کا (اصل کا) مزاحم ہو کر ماں کے کچھ حصہ میں وصیت کو باطل کر دے گا اور یہ ناجائز ہے کہ بچہ اصل کے اندر وصیت کو باطل کر دے۔

اس لئے کہ صاحبینؒ کے قول کے مطابق ماں کا (۲/۳) وصیت میں داخل ہے اور (۱/۳) وصیت سے خارج ہو گیا اور یہ سب تابع کی وجہ سے ہوا ہے، اور آپ نے جو اس کو بیع پر قیاس کیا ہے تو یہ قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ اگر بناء پر تبعیت تابع میں بیع کو نافذ کر دیا جائے تو اس سے اصل کی بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بیع بدستور تام اور صحیح رہے گی۔

تو بیع کو بیع ہونے میں کوئی خلل نہیں پڑا، البتہ اتنا فرق پڑا کہ بچہ پر قبضہ کر رہا گیا تو چونکہ ثمن کا کچھ حصہ بچہ کے مقابل ہوگا تو اصل کے مقابل جو ثمن تھا اس میں کچھ کمی ہوگئی۔

خلاصۂ کلام...... فرق مبیع پر یا بیع پر نہیں پڑا بلکہ ثمن پر فرق پڑنے کی وجہ سے کچھ خلل نہ ہوگا کیونکہ بیع میں ثمن تابع ہے اصل نہیں ہے یہی تو وجہ ہے کہ بیع میں ثمن کا ذکر نہ کیا جائے تو بیع منعقد ہو جاتی ہے اگر چہ فاسد ہوتی ہے، تو ثمن پر فرق پڑنے کی وجہ سے کچھ خلل نہ ہوگا۔ اور یہاں وصیت میں خلل پڑ گیا ہے یعنی موصٰی بہ پوری باندی تھی اور اب رہ گئی اس کا دو ثلث۔

اگر باندی تقسیم ترکہ کے بعد بچہ جنے تو بلاشبہ موصیٰ لہ کا ہے

هذا اذا ولدت قبل القسمة فان ولدت بعد القسمة فهو للموصى له لانه نماء خالص ملكه لتقرر ملكه فيه بعد القسمة

ترجمہ...... یہ اس وقت ہے جب کہ باندی نے بٹوارہ سے پہلے بچہ جنا ہو پس اگر بٹوارہ کے بعد بچہ جنا ہو تو بچہ موصٰی لہٗ کا ہے اس لئے کہ وہ خالص اس کی ملک بڑھوتری ہے اس کی ملک کے متقرر ہونے کی وجہ سے قسمت کے بعد۔

تشریح...... یہ مذکورہ ساری تفصیلات اس وقت میں ہیں جب کہ باندی نے بٹوارہ سے پہلے بچہ جنا ہو اور اگر باندی نے بٹوارہ کے بعد بچہ جنا ہو تو اب بچہ موصٰی لہٗ کے لئے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کیونکہ یہ خالص اس کی ملکیت بڑھوتری ہے کیونکہ بٹوارہ کے بعد بچہ موصٰی لہٗ کی ملکیت مستحکم اور مضبوط ہوگئی ہے۔

فصلٌ فی اعتبار حالة الوصيةِ

ترجمہ...... یہ فصل ہے وصیت کی حالت کا اعتبار کرنے میں

تشریح...... ماقبل میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ جب ورثا اجازت نہ دیں تو وصیت فقط ثلث مال میں نافذ ہوتی ہے اس سے زیادہ میں نہیں ہوتی اس فصل میں یہ احکام بیان کئے جائیں گے کہ کسی شئی کی وصیت میں وصیت کے ایجاب کا وقت معتبر ہوتا ہے یا موت کے وقت کی حالت معتبر ہوتی ہے اور چونکہ صفت موصوف سے مؤخر ہوتی ہے اس وجہ سے وصیت کو مقدم اور اس کی حالت کو مؤخر بیان کیا گیا ہے۔

مرض الموت میں کسی عورت کیلئے دین کا اقرار، ہبہ، وصیت کا حکم

قال واذا اقر المريض لامراة بدين او اوصى لها بشى اووهب لها ثم تزوجها ثم مات جاز الاقرار وبطلت الوصية والهبة لان الاقرار ملزم بنفسه وهى اجنبية عند صدوره ولهذا يعتبر من جميع المال ولا يبطل بالدين اذا كان فى حالة الصحة اوفى حالة المرض الاان الثانى يؤخر عنه بخلاف الوصية لانها ايجاب عندالموت وهى وارثة عند ذالک ولا وصية للوارث

ترجمہ...... امام محمدؒ نے فرمایا اور جب مریض نے کسی عورت کے لئے قرض کا اقرار کیا یا اس کے لئے کسی چیز کی وصیت کی یا اس کے لئے کچھ ہبہ کیا پھر اس سے اس نے نکاح کر لیا پھر وہ مرگیا تو اقرار جائز ہے اور وصیت اور ہبہ باطل ہے اس لئے کہ اقرار بذاتِ خود ملزم ہے اور

عورت اجنبی ہے اقرار کے صدور کے وقت میں اسی وجہ سے اقرار پورے مال سے معتبر ہوگا اور قرض کی وجہ سے اقرار باطل نہ ہوگا جب کہ اقرار صحت کی حالت میں ہو یا مرض کی حالت میں مگر تحقیق کہ ثانی اول سے مؤخر رکھا جائے گا بخلاف وصیت کے اس لئے کہ وصیت موت کے وقت ایجاب ہے اور عورت موت کے وقت وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت نہیں ہوا کرتی۔

تشریح ...... زید نے ایک اجنبی عورت کے لئے قرض کا اقرار کیا یا اس کو کسی چیز کی وصیت کی یا اس کے لئے کوئی چیز ہبہ کی اور زید مرض الموت کے اندر مبتلا ہے تو یہ تینوں چیزیں جائز تھیں کیونکہ کوئی مانع نہیں ہے۔

لیکن اگر زید نے پھر اس اجنبیہ عورت سے نکاح کر لیا تو اب وصیت اور ہبہ تو باطل ہو گئے اور اقرار صحیح ہے، کیوں؟

اس لئے کہ اقرار کی موت کی جانب اضافت نہیں ہے اسی کو مصنفؒ نے یلزم بنفسہ کہا ہے تو جب موت کی جانب اس کی اضافت نہیں ہے تو اس میں موت کی حالت کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ اس میں اقرار کے وقت کی حالت کو دیکھا جائے اور بوقت اقرار وہ اجنبی عورت ہے لہٰذا یہ اقرار صحیح بھی ہوگا اور پورے مال سے معتبر ہوگا پھر اگر زید پر اور قرض ہو تب بھی یہ اقرار باطل نہ ہوگا خواہ اقرار حالت صحت میں ہو یا حالت مرض میں ہو، بہر دو صورت اقرار صحیح ہے البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ جو قرض حالت صحت کا ہوگا وہ حالت مرض کے قرض پر مقدم رکھا جائے گا، بہر حال اقرار تو اس عورت کے لئے جائز ہے۔

اب رہی وصیت اور ہبہ تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وصیت میں ایسی تملیک ہوتی ہے جس میں مابعد الموت کی جانب اضافت ہوتی ہے حالانکہ زید کی موت کے وقت یہ عورت زید کی وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہوتی۔

مریض کے ہبہ کے بطلان کی وجہ

والهبة وان كانت منجزة صورة فهي كالمضاف الى ما بعد الموت حكما لان حكمها يتقرر عندالموت الاترى انها تبطل بالدين المستغرق وعند عدم الدين تعتبر من الثلث

ترجمہ ...... اور ہبہ اگرچہ منجز ہوتا ہے صورت کے اعتبار سے پس ہبہ ایسا ہے جیسے حکماً مابعد الموت کی جانب مضاف ہو اس لئے کہ ہبہ کا حکم موت کے وقت متقرر ہوتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہبہ دین مستغرق کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے اور قرض نہ ہونے کے وقت ہبہ تہائی سے معتبر ہوتا ہے۔

تشریح ...... اور مذکورہ عورت کے لئے مریض کا ہبہ بھی باطل ہے اگرچہ ہبہ کے اندر صورۃً تنجیز ہے موت کی جانب ہبہ کی اضافت نہیں ہے لیکن مریض کے مرض الموت کے ہبہ کو وصیت کا درجہ دیا گیا ہے لہٰذا یوں سمجھیں گے کہ ہبہ کا حکم استحکام وتقرر موت کے وقت ہوگا کیونکہ موت سے پہلے ہبہ میں استحکام نہیں ہے کیونکہ اگر موت سے پہلے میت پر اتنا قرض نکل آیا جو اس کے ترکہ کو محیط و مستغرق ہے تو ہبہ باطل ہو جائے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ ہبہ حکماً وصیت کے درجہ میں ہے اور اگر ہبہ کرنے والے پر قرض نہ ہو تو اس کا ہبہ ایک تہائی مال سے معتبر ہوگا اس سے بھی معلوم ہوا کہ مرض الموت کا ہبہ وصیت کے درجہ میں ہے۔

مریض کا مرض الموت میں نصرانی بیٹے کیلئے دین کا اقرار، ہبہ، وصیت کا حکم

قال واذا اقر المریض لا بنه بدین وابنه نصرانی اووهب له او اوصی له فاسلم الابن قبل موته بطل ذالک کله اما الهبة و الوصیة فلما قلنا انه وارث عندالموت وهما ایجا بان عنده او بعده

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا اور جب کہ مریض نے اپنے بیٹے کے لئے قرض کا اقرار کیا حالانکہ اس کا لڑکا نصرانی ہے یا اس کو ہبہ کیا یا اس کے لئے وصیت کی پس لڑکا باپ کی موت سے پہلے مسلمان ہو گیا تو یہ سب باطل ہو گیا، بہر حال ہبہ اور وصیت پس اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیٹا وارث ہو گا (اپنے اسلام کی وجہ سے) موت کے وقت اور یہ دونوں (وصیت اور ہبہ) ایجاب ہیں موت کے وقت یا موت کے بعد۔

تشریح ...... مریض الموت کا ایک نصرانی لڑکا ہے اب یہ مریض مسلم اس لڑکے کے لئے قرض کا اقرار کرتا ہے یا اس کے لئے کسی چیز کی وصیت کرتا ہے یا اس کوئی چیز ہبہ کرتا ہے اور ابھی باپ کا انتقال نہیں ہوا تھا کہ بیٹا مسلمان ہو گیا ہے تو اب وہ وارث ہو گا اور اول صورت میں وارث نہ ہوتا لہٰذا اس کے حق میں جو اقرار کیا گیا ہے وہ بھی باطل اور وصیت اور ہبہ بھی باطل ہے، اور عورت والے مسئلہ میں اقرار صحیح تھا مگر یہاں اقرار بھی باطل ہے۔

وصیت اور ہبہ کے باطل ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ اس میں عقد کی حالت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ وقتِ موت کا اعتبار ہوتا ہے اور بوقتِ موت وہ اس کا وارث ہے کیونکہ میراث سے روکنے والی چیز کفر تھا اور اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اور وصیت اور ہبہ دونوں ایک ایجاب ہیں جن میں ایسا ایجاب ہوتا ہے جس میں تملیک موت کے وقت ہوتی ہے یا موت کے بعد، تملیک مضاف الیٰ زوال الا هلیةِ کے لحاظ سے عنده کہا گیا ہے اور الترکة مبقاة علی ملک المیت بعد الموت کے لحاظ سے او بعدهٗ کہا گیا ہے۔

اقرار باطل ہونے کی وجہ

والاقرار وان کان ملزما بنفسه ولکن سبب الارث وهو البنوة قائم وقت الاقرار فیعتبر فی ایراث تهمة الایثار بخلاف ما تقدم لان سبب الارث الزوجیة وهی طارئة حتی لو کانت الزوجیة قائمة وقت الاقرار وهی نصرانیة ثم اسلمت قبل موته لا یصح الاقرار لقیام السبب حال صدوره

ترجمہ ...... اور اقرار اگرچہ ملزم بنفسہٖ ہے لیکن ارث کا سبب اور وہ بنوت ہے اقرار کے وقت قائم ہے تو سبب ارث کا اعتبار کیا جائے گا ایثار کی تہمت کے پیدا کرنے میں بخلاف اس مسئلہ کے جو مقدم ہو چکا ہے اس لئے کہ ارث کا سبب زوجیت ہے اور زوجیت طاری ہے (بوقتِ اقرار نہیں تھی) یہاں تک کہ اگر بوقتِ اقرار زوجیت قائم ہوتی حالانکہ عورت نصرانیہ ہے پھر مُقِر کے اقرار سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے تو اقرار صحیح نہ ہو گا اقرار کے صُدور کے وقت سبب کے قائم ہونے کی وجہ سے۔

تشریح ...... یہاں اقرار بھی صحیح نہیں اور عورت والے مسئلہ میں اقرار تھا تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اقرار اگرچہ ملزم بنفسہٖ ہے لیکن اس لڑکے کو جو میراث مل رہی ہے وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں مل رہی ہے بلکہ اس کا سبب بُنوت ہے اور بنوت بوقت اقرار بھی موجود تھی۔ لہٰذا اس سے شبہ پیدا ہو گیا کہ بڑے میاں بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دینے کے چکر میں ہیں، اور رہا عورت والا مسئلہ تو وہاں اقرار اس

لئے صحیح ہوگیا تھا کہ اس میں طاری ہوا ہے۔

اگر وہاں بھی بوقتِ اقرار زوجیت ہو اور اقرار کرے تو اقرار باطل ہوگا مثلاً ایک نصرانی عورت کسی مسلمان کی منکوحہ ہے تو مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان کی وارث نہ ہوگی لیکن اگر وہ مسلمان ہوگئی تو وارث ہوگی اور میراث کا سبب یہی رشتۂ زوجیت ہوگا تو اگر شوہر نے اس نصرانی بیوی کے لئے قرض کا اقرار کیا اور پھر وہ مسلمان ہوگئی تو یہ اقرار باطل ہوگا کیونکہ بوقتِ اقرار سبب ارث زوجیت قائم ہے۔

غلام یا مکاتب بیٹے کیلئے اقرار، ہبہ، وصیت کا حکم

وکذا لو کان الابن عبدا او مکاتبا فاعتق لما ذکرنا

ترجمہ ...... اور ایسے ہی اگر بیٹا غلام یا مکاتب ہو پس آزاد کردیا گیا اسی دلیل کیوجہ سے جو کہ ہم ذکر کر چکے ہیں

تشریح ...... اسی طرح اگر کسی کا بیٹا کسی کا غلام یا مکاتب ہے اور باپ نے اس کے لئے اقرار کیا یا وصیت کی یا ہبہ کیا اور پھر باپ کی موت سے پہلے وہ آزاد کردیا گیا تو یہاں بھی اقرار اور وصیت اور ہبہ باطل ہے جس کی دلیل ابھی ذکر کی گئی۔

اقرار کے درست ہونے کی شرط

وذکر فی کتاب الاقرار ان لم یکن علیه دین یصح لانه اقر لمولاه وهو اجنبی وان کان علیه دین لا یصح لانه اقرار له وهو ابنه

ترجمہ ...... اور مبسوط کی کتاب الاقرار میں مذکور ہے کہ اگر اس پر قرض نہ ہو تو اقرار صحیح ہے اس لئے کہ مُقر نے اس کے مولیٰ کے لئے اقرار کیا ہے اور مولیٰ اجنبی ہے اور اگر اس پر قرض ہو تو اقرار صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ یہ اس کے لئے اقرار ہے حالانکہ وہ اس کا بیٹا ہے۔

تشریح ...... صاحبِ ہدایہؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جامع صغیر کی عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ اقرار اور وصیت اور ہبہ سب کا حکم یکساں ہے۔

لیکن مبسوط کی کتاب الاقرار میں ہے کہ اگر غلام پر قرض نہ ہو تو پھر اقرار صحیح ہے کیونکہ یہ اقرار غلام کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس کے آقا کے لئے ہوگا اور آقا اجنبی ہے۔

اور اگر اس پر قرض ہو تو اب اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ اقرار آقا کے لئے نہ ہوگا بلکہ غلام کے لئے ہوگا اور غلام مُقر کا بیٹا ہے اور بیٹے کے لئے اقرار صحیح نہیں ہے۔

غلام اور مکاتب کیلئے وصیت اور ہبہ کے بطلان کی وجہ

والوصية باطلة لما ذكرنا ان المعتبر فيها وقت الموت واما الهبة فيروى انها تصح لانها تمليك فى الحال وهو رقيق وفى عامة الروايات هى فى مرض الموت بمنزلة الوصية فلا تصح

ترجمہ ...... اور وصیت باطل ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ معتبر وصیت میں موت کا وقت ہے اور بہر حال ہبہ پس

مروی ہے کہ ہبہ صحیح ہے اس لئے کہ ہبہ فی الحال تملیک ہے اور فی الحال وہ غلام ہے اور عامۃ الروایات میں ہے کہ ہبہ مرض الموت میں وصیت کے درجہ میں ہے پس ہبہ صحیح نہ ہوگا۔

تشریح ...... غلام اور مکاتب کے لئے وصیت اور ہبہ بھی باطل ہے کیونکہ وصیت کے اندر تو موت کے لئے وقت کا اعتبار ہوتا ہے اور بوقتِ موت وہ اس کا وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔

اب رہا ہبہ تو اس کے بارے میں دو روایات ہیں:-

١- جائز ہے اس لئے کہ ہبہ تملیک فی الحال ہوتی ہے اور فی الحال وہ غلام ہے جو وارث نہ ہوگا۔

٢- ہبہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مرض الموت کے اندر وصیت کے درجہ میں ہوتا ہے تو جیسے وصیت صحیح نہیں۔ ہے ایسے ہی ہبہ بھی صحیح نہ ہوگا۔

مرض الموت کی وضاحت اور مقعد، مفلوج، اشل مسلول کے ہبہ کا حکم

قال والمقعد والمفلوج والاشل والمسلول اذا تطاول ذلک ولم یخف منه الموت فهبته من جمیع المال لانه اذا تقادم العهد صار طبعا من طباعه ولهذ لا یشتغل بالتداوی ولو صار صاحب فراش بعد ذلک فهو کمرض حادث

ترجمہ ...... امام محمدؒ نے فرمایا اور اپاہج اور فالج زدہ اور اشل (جسکے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ہوں) اور مسلول (جس کو سل کا مرض ہو جس میں پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں) جب کہ یہ مرض لمبا ہو جائے اور اس سے موت کا خوف نہ رہے تو اس کا ہبہ پورے مال سے ہوگا اس لئے کہ جب عہد پرانا ہو گیا تو وہ اس کی طبیعتوں میں سے ایک طبیعت بن گئی اسی وجہ سے وہ دوا کرنے میں مشغول نہیں ہوتا اور اگر وہ اس کے بعد صاحب فراش ہو جائے تو وہ مرض جدید کے مثل ہوگا۔

تشریح ...... جب بار بار مرض الموت کا ذکر آ رہا ہے تو یہاں سے مصنفؒ اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، جس کا حاصل یہ کہ جس مرض سے ہلاکت کا خوف غالب ہو وہ مرض الموت ہے ورنہ نہیں چنانچہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپاہج ہو یعنی کھڑا ہونے کی قدرت نہیں رکھتا، اور جس کو فالج ہو گیا ہو یا کوئی عضو شل ہو گیا ہو یا سل کی بیماری ہو، اور یہ مرض اس کو زمانۂ دراز تک رہے جس سے موت کا خوف نہ رہے تو یہ مرض الموت نہ ہوگا اور اگر وہ اس حالت میں ہبہ کرتا ہے تو اس کا ہبہ پورے مال سے ہوگا کیونکہ وہ تندرست ہے۔

اس لئے کہ جب یہ بیماریاں طول اختیار کر جائیں تو وہ اس کی طبعی چیزیں بن جاتی ہیں اسی لئے آدمی ان کا علاج معالجہ بھی نہیں کرتا۔

اور اگر وہ اس کے بعد صاحب فراش ہو جائے تو اس کو نیا مرض شمار کیا جاتا ہے۔

مرض الموت میں ہبہ کا حکم

وان وهب عند ما اصابه ذلک ومات من ایامه فهو من الثلث اذا صار صاحب فراش لانه یخاف منه الموت ولهذا یتداوی فیکون مرض الموت والله اعلم

ترجمہ...... اور اگر اس نے ہبہ کیا ان امراض کے لاحق ہونے کے وقت اور انھیں امراض میں مر گیا تو وہ ہبہ ایک تہائی سے معتبر ہوگا جب کہ وہ صاحب فراش ہو گیا ہو اس لئے کہ اس سے موت کا خوف ہوتا ہے اس وجہ سے وہ علاج معالجہ کرتا ہے تو وہ مرض الموت ہوگا۔ واللہ اعلم

تشریح...... اور اگر جب یہ امراض مذکورہ اس کو لاحق ہوئے اور وہ صاحب گیا ہو تو یہ مرض الموت ہوگا اور یہ ہبہ تہائی مال سے معتبر ہوگا اس لئے کہ اس سے موت کا خوف ہوتا ہے اسی وجہ سے انسان ایسی صورت میں علاج معالجہ میں مشغول ہوتا ہے اس لئے اس کو مرض الموت شمار کیا جائے گا۔

بابُ العتق فی مَرض الموت

ترجمہ...... مرض الموت میں آزاد کرنے کا باب

تشریح...... مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجہ میں ہے کیونکہ معتق ایسے زمانہ میں تبرع کر رہا ہے جب کہ اس کے مال کے ساتھ ورثا کا حق متعلق ہو گیا ہے، اس لئے اس کو کتابُ الوصایا میں ذکر کیا گیا ہے لیکن صریح وصیت سے اس کو مؤخر بیان کیا گیا ہے کیونکہ صریح اصل ہے۔

مرض الموت میں غلام آزاد کرنے یا محابات کے ساتھ بیع کرنے اور ہبہ کرنے کا حکم

قال ومن اعتق فی مرضه عبداً او باع و حابی اووهب فذلک کله جائز وهو معتبر من الثلث ویضرب به مع اصحاب الوصایا وفی بعض النسخ فهو وصیة مكان قوله جائز والمراد الاعتبار من الثلث والضرب مع اصحاب الوصایا لا حقیقة الوصیة ایجاب بعد الموت وهذا منجز غیر مضاف واعتباره من الثلث لتعلق حق الورثة

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا اور جس نے اپنے مرض الموت میں آزاد کیا یا بیع کی اور اس میں محابات کی یا اس نے ہبہ کیا پس یہ سب جائز ہے اور یہ تہائی سے معتبر ہے اور وہ ثلث کے اندر اصحابُ الوصایا کے ساتھ شریک ہوگا اور قدوری کے بعض نسخوں میں ہے، ،فهو وصیة، ، اس کے قول جائز کی جگہ پر اور مراد ثلث سے معتبر ہونا ہے اور اصحابُ الوصایا کے ساتھ شریک ہونا ہے نہ کہ حقیقی وصیت اس لئے کہ وصیت ایسا ایجاب ہے جو کہ موت کے بعد ہے اور یہ (اعتاق وغیرہ) منجز ہے جو موت کی جانب مضاف نہیں ہے اور اس کا اعتبار ثلث سے ہوتا ہے ورثا کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح...... اوّلاً تو یہ بات واضح ہو کہ یہاں قدوری کے نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں ہے، ،فذلک کلہ جائز اور بعض میں اس کے بجائے یوں ہے، ،فهو وصیة، ، اور دونوں باتوں کا قال ایک ہے۔

مرض الموت میں کسی نے اپنا غلام آزاد کیا یا اس نے بیع کی اور بیع میں محابات کی مثلاً دو ہزار کی چیز بیس روپے میں فروخت کر دی، یا اس نے ہبہ کیا تو یہ تمام صورتیں جائز ہیں (یہ بھی صحیح ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ یہ تمام صورتیں وصیت ہیں یہ بھی جائز ہے)

لہذا ایک ثلث سے یہ تصرف معتبر ہوگا۔ اور اگر مریض نے اس کے علاوہ اوروں کے لئے بھی وصیت کی ہو تو اسی ثلث میں وہ بھی شریک ہوں گے۔

اور جو اس کو وصیت کہا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حقیقت میں وصیت ہے کیونکہ وصیت میں تملیک مابعد الموت کی جانب مضاف ہوتی ہے اور ان میں سے کسی کے اندر بھی مابعد الموت کی جانب اضافت نہیں ہے بلکہ تمام تصرفات تنجیز کے طریقہ پر ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ تمام تصرفات وصیت کے مثل ثلث مال سے معتبر ہوں گے اور اس کو دیگر اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک کیا جائے گا، اب رہی یہ بات کہ ان تمام تصرفات کا ثلث مال سے کیوں اعتبار کیا جائے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بھی مال کے ساتھ ورثا کا حق متعلق ہو گیا ہے۔

مریض کے مرض الموت کے تصرف کا حکم

وکذلک ما ابتداء المریض ایجابه علی نفسه کا لضمان والکفالة فی حکم الوصیة لا نه یتهم فیه کما فی الهبة

ترجمہ...... اور ایسے ہی ہر وہ تصرف کہ جس کی مریض نے اپنے نفس پر واجب کرنے کی ابتداء کی ہو جیسے ضمان اور کفالت وصیت کے حکم میں ہے اس لئے کہ وہ اس میں مثل ہبہ کے متہم ہے۔

تشریح...... اعتاق وغیرہ کے مثل ہی مریض کا وہ تصرف ہے جس کو وہ اپنے نفس پر ابتداءً واجب کرے جیسے کسی کا ضامن بن جائے یا کفیل بن جائے یہ بھی وصیت کے حکم میں ہے اس لئے کہ جیسے آدمی وصیت کے اندر متہم ہوتا ہے وہ تہمت یہاں بھی موجود ہے۔

متصرف کے ہر ایسے تصرف جس کی اضافت موت کے بعد سے متعلق ہو کا حکم

وکل ما اوجبه بعد الموت فهو من الثلث وان اوجبه فی حال صحته اعتبارا بحال الا ضافه دون حال العقد وما نفذه من التصرف فالمعتبر فیه حالة العقد فان کان صحیحا فهو من جمیع المال وان کان مریضا فمن الثلث وکل مرض صحّ منه فهو کحال الصحة لان بالبُرء تبین انه لا حق لا حدٍ فی ما له

ترجمہ...... اور ہر ایسا عقد جس کا ایجاب مریض نے موت کے بعد کیا ہو تو وہ ثلث سے معتبر ہوگا اگرچہ اس نے اپنی صحت کی حالت میں اس کا ایجاب کیا ہو اضافت کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ عقد کی حالت کا، اور جس تصرف کو نافذ کیا ہو تو اس میں عقد کی حالت معتبر ہے پس اگر وہ بوقت عقد صحیح ہو تو وہ پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر بوقتِ عقد مریض ہو تو تہائی سے معتبر ہوگا اور ہر وہ مرض جس سے مریض صحیح ہوگیا ہو تو وہ صحت کی حالت کے مثل ہے اس لئے کہ اچھا ہونے کی وجہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کے مال میں کسی کا حق نہیں ہے۔

تشریح...... یہاں سے مصنفؒ ایک قاعدۂ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ متصرف نے جو تصرف ایسا کیا ہے جس کی اضافت موت کے بعد کی جانب کی ہو جیسے وصیت ہے اور تدبیر ہے وغیرہ وغیرہ تو وہ تصرف مال کی تہائی سے معتبر ہوگا وہ بوقتِ تصرف خواہ تندرست ہو یا مریض ہو کیونکہ اس صورت میں عقد کی حالت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس میں اضافت کی حالت کا اعتبار ہے اور جس تصرف کو اس نے موت کی جانب مضاف نہیں کیا بلکہ اس کو بطور تنجیز کے کیا جیسے اعتاق ہے ہبہ وغیرہ، تو اس میں عقد کی حالت کا اعتبار ہے تو اگر وہ ایسے تصرف میں

بوقت عقد تندرست ہو تو وہ پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر بوقتِ عقد مریض ہو تو تہائی مال سے معتبر ہوگا۔

حضرت مصنفؒ آگے ایک قاعدہ اور بیان فرماتے ہیں کہ جس مرض سے مریض شفایاب ہوگیا ہو تو وہ مرض نہیں رہا بلکہ وہ صحت کے مثل ہے، کیونکہ جب مریض اچھا ہوگیا تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس کے مال کے ساتھ کسی کا حق وابستہ نہیں ہوا ہے۔

محابات اور عتق میں مقدم کون ہے، اقوال فقہاء

قال وان حابى ثم اعتق وضاق الثلث عنهما فالمحاباة اولى عند ابى حنيفة وان اعتق ثم حابى فهما سواء وقالا العتق اولى فى المسألتين

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا اور اگر مریض نے محابات کی پھر آزاد کیا اور ثلث ان دونوں سے تنگ ہوگیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک محابات اولیٰ ہے اور اگر اس نے آزاد کیا پھر محابات کی تو وہ دونوں برابر ہیں اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں مسئلوں میں عتق اولیٰ ہے۔

تشریح ...... مرض الموت کی تمام وصایا برابر ہوتی ہیں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہوتی لہٰذا تمام اصحاب الوصایا ثلث میں برابر کے شریک ہوتے ہیں یعنی اپنے اپنے حصہ کے بقدر ثلث میں سب شریک ہوتے ہیں البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جو تمام وصیتوں سے مقدم ہوتی ہیں:-

۱- مرض الموت کا عتق

۲- مرض الموت کی تدبیر

۳- مرض الموت کی محابات

یہ تین چیزیں دیگر وصایا سے مقدم ہوتی ہیں لہٰذا اگر ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ دیگر وصایا جمع ہو جائیں تو ثلث کے اندر سے پہلے ان کو پورا کیا جائے گا اور اگر ان کو ادا کر کے ثلث میں کچھ بچ جائے تو دیگر اصحاب الوصایا کو ملے گا ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔

لیکن اگر محابات اور عتق جمع ہو جائیں تو اب کون مقدم ہوگا تو اس میں صاحبینؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عتق ہر حال میں محابات سے اولیٰ ہے، اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے مریض نے محابات کی ہو اور اس کے بعد آزاد کیا ہو تو اس صورت میں تو محابات عتق سے اولیٰ ہے اور اگر اس نے پہلے آزاد کیا ہو اور پھر اس نے محابات کی ہو تو دونوں برابر ہیں، برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثلث میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ اور محابات کے مقدم ہونے کا یہ مطلب یہ ہے کہ ثلث کے اندر پہلے محابات کو جاری کیا جائے گا اگر کچھ بچ جائے تو باقی میں عتق نافذ ہوگا ورنہ نہیں، اور عتق کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث سے پہلے عتق کو نافذ کریں گے اگر کچھ بچ جائے تو باقی میں محابات کو جاری کریں گے ورنہ نہیں۔

کئی وصیتوں میں کوئی بھی وصیت ایسی نہ ہو جو ایک تہائی سے زیادہ ہو تو حکم اور اس باب کا قانون کلی

والاصل فيه ان الوصايا اذا لم يكن فيها ما جاوز الثلث فكل من اصحابها يضرب بجميع وصيته فى الثلث لا يقدم البعض على البعض الا العتق الموقع فى المرض والعتق المعلق بموت الموصى كالتدبير الصحيح والمحاباة فى البيع اذا وقعت فى المرض لان الوصايا قد تساوت والتساوى فى سبب الاستحقاق يوجب التساوى فى

نفس الا ستحقاق

ترجمہ...... اور قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے کہ وصایا میں جب کوئی وصیت تہائی سے متجاوز نہ ہو تو اصحاب وصایا میں سے ہر ایک ثلث کے اندر اپنی تمام وصیت کے ساتھ شریک ہوگا بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جائے گا علاوہ اس عتق کے جس کو مرض الموت میں واقع کیا گیا ہو اور اگر وہ عتق جس کو موصی کی موت پر معلق کیا گیا ہو جیسے تدبیر صحیح اور بیع کے اندر محابات جب کہ محابات مرض الموت میں واقع ہوئی ہو اس لئے کہ تمام وصایا مساوی ہیں اور سبب استحقاق میں برابر ہونا نفسِ استحقاق میں برابری کو واجب کرتا ہے۔

تشریح...... یہاں سے صاحب ہدایہ اصل مسئلہ سے ہٹ کر اس باب کا ایک قانونِ کلی پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب بہت سی وصیتیں جمع ہو جائیں اور ان میں سے کوئی وصیت انفرادی طریقہ پر ثلث سے متجاوز نہ ہو تو یہ تمام اصحابُ الوصایا برابر برابر کے شریک ہوں گے اور بعض کو بعض پر فوقیت حاصل نہ ہوگی۔

مثلاً زید کا کل ترکہ بارہ ہزار روپے جس کا ثلث چار ہزار روپے ہے اور زید نے عمرو کے لئے ایک ہزار کی وصیت کی اور بکر کے لئے دو ہزار کی اور خالد کیلئے تین ہزار کی اور ساجد کے لئے دو ہزار کی، جن کا مجموعہ آٹھ ہزار ہوتا ہے مگر انفرادی طریقہ پر کوئی وصیت ثلث سے متجاوز نہیں ہے لہٰذا تمام وصایا درست ہیں اور سب ثلث کے اندر شریک ہوں گے مگر حصہ رسد لہٰذا ہر ایک کو اس کی وصیت کا نصف دیا جائے گا جس کا مجموعہ چار ہزار ہوگا جو کل ترکہ کا ثلث ہے، لہٰذا عمرو کو پانچ سو اور بکر کو ایک ہزار اور خالد کو پندرہ سو اور ساجد کو ایک ہزار روپے دئے جائیں گے، اور ان سب کا مجموعہ چار ہزار ہوگا۔

خلاصۂ کلام...... یہاں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہ ہوگی۔

مگر اس قانونِ کلی سے تین چیزیں مستثنیٰ ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز دیگر وصایا کے ساتھ جمع ہو جائیں تو ان کے سامنے وہ وصایا دب جائیں گی ثلث میں پہلے ان تینوں میں سے جو موجود ہے اس کو نافذ کیا جائے گا اگر کچھ بچ جائے تو اس میں دیگر اصحاب وصایا سب حصہ ورسد شریک ہوں گے اور اگر کچھ نہ بچے تو اصحابُ الوصایا کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

اور وہ تین چیزیں یہ ہیں:-

۱- مرض الموت میں تنجیزاً آزاد کر دینا۔

۲- ایسا عتق جو موصی کی موت پر معلق ہو جیسے مدبرَّ بنا دینا، کہ مدبرَّ کی آزادی موصی کی موت پر ہوگی اور تدبیر کو صحیح کی قید سے اس لئے مقدم کیا تاکہ تدبیر فاسد سے احتراز ہو جائے جیسے اگر موصی نے یوں کہا کہ یہ غلام میری موت سے ایک ماہ بعد آزاد ہے تو یہ تدبیر صحیح نہیں ہے لہٰذا یہ دیگر اصحابُ الوصایا سے مقدم نہ ہوگا بلکہ یہ دیگر اصحابُ الوصایا کے ساتھ شریک ہوگا اور اگر تدبیر صحیح ہو جیسے موصی یوں کہے کہ یہ غلام میرے مرنے پر آزاد ہے تو یہ عتق دیگر اصحابُ الوصایا سے مقدم ہوگا۔

۳- بیع کے اندر محابات جب کہ محابات مرض الموت کے اندر ہو، بہر حال یہ تین چیزیں مستثنیٰ ہیں ان کے علاوہ باقی تمام وصایا ایسی ہیں جن میں سے کسی پر کوئی فوقیت نہیں ہے بلکہ وہ سب برابر ہیں اور جب استحقاق کے سبب میں برابری اور مساوات ہے تو نفس استحقاق کے اندر بھی برابری ہوگی۔

مرض الموت کے عتق، تدبیر، محابات کا بقیہ وصیتوں پر مقدم ہونے کی وجہ

وانما قدم العتق الذی ذکرناه انفا لانه اقوی فانه لا یلحقه الفسخ من جهة الموصی وغیره یلحقه وکذلک المحاباة لا یلحقه الفسخ من جهة الموصی واذا قدم ذلک فما بقی من الثلث بعد ذلک یستوی فیه من سواهما من اهل الوصایا ولا تقدم البعض علی البعض

ترجمہ...... اور وہ عتق مقدم کیا گیا ہے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اس لئے کہ وہ اقوی ہے اس لئے کہ اس کو موصی کی جانب سے فسخ لاحق نہیں ہوسکتا اور اس کے غیر کو فسخ لاحق ہو جاتا ہے اور ایسے ہی محابات اس کو موصی کی جانب سے فسخ لاحق نہیں ہوتا اور جب کہ ان کو (عتق ومحابات) مقدم کیا گیا ہے پس ان کے بعد ثلث میں سے جو باقی بچے اس میں وہ لوگ شریک ہوں گے جو اہل وصایا میں سے ان دونوں کے علاوہ ہیں اور بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

تشریح...... اب یہاں سے مصنفؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان تینوں چیزوں کو باقی وصایا پر کیوں مقدم کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ عتق کو مقدم کرنے کی وجہ تو یہ ہے کہ عتق اقویٰ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ بعد عتق اگر موصی عتق کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ نہیں کرسکتا اور عتق کے علاوہ جو دیگر وصایا ہیں ان کو فسخ لاحق ہوتا ہے یعنی اگر موصی اُن وصایا سے رجوع کرلے تو رجوع صحیح ہے، اور تدبیر صحیح بھی عتق کے اندر ہی داخل ہوگئی ہے۔

اب رہی محابات تو وہ بھی دیگر وصایا سے اقویٰ ہے کیونکہ اگر موصی خود یہ چاہے کہ بیع کے اندر محابات کو فسخ کردوں تو نہیں کرسکتا، بہرحال عتق ومحابات دیگر وصایا سے مقدم ہیں، تو اگر ان سے ثلث کا کچھ حصہ بچ رہا تو اس باقی میں تمام اصحابُ الوصایا برابر کے شریک ہوں گے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل

لهما فی الخلافیة ان العتق اقوی لانه لا یلحقه الفسخ والمحاباة یلحقها ولا معتبر بالتقدیم فی الذکر لانه لا یوجب التقدم فی الثبوت

ترجمہ...... اختلافی مسئلہ میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عتق اقوی ہے اس لئے کہ عتق کو فسخ لاحق نہیں ہوسکتا اور محاباۃ کو فسخ لاحق ہوسکتا ہے اور ذکر میں تقدیم کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ یہ (تقدیم فی الذکر) ثبوت کے اندر تقدم کو واجب نہیں کرتا۔

تشریح...... یہاں سے مصنفؒ متن کے مسئلہ اختلافیہ پر فریقین کے دلائل بیان فرماتے ہیں، صاحبینؒ کے نزدیک عتق مقدم ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر محابات مقدم ہو تو محابات عتق سے مقدم ہوتی ہے اور اگر عتق مقدم ہو تو دونوں برابر ہوتے ہیں۔

تو صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عتق محابات سے اقویٰ ہے، کیسے؟

اس لئے کہ عتق فسخ نہیں ہوسکتا اور محابات فسخ ہوسکتی ہے، یعنی معتق چاہے کہ عتق کو فسخ کردوں تو نہیں کرسکتا اور اگر غلام چاہے کہ عتق کو فسخ کردوں تو نہیں کرسکتا اور محابات اگرچہ موصی کی جانب سے فسخ کو قبول نہیں کرسکتی لیکن مشتری کی جانب سے فسخ کو قبول کرسکتی ہے۔

مثلاً مشتری نے چار ہزار درہم کی چیز ایک ہزار درہم میں خریدی اور بائع مریض کا کوئی مال اس مبیع کے علاوہ نہیں ہے اور وارثوں نے اجازت نہ دی تو مشتری سے کہا جائے گا کہ تم کو صرف میت کے تہائی مال سے محابات ملے گی، اور باقی قیمت میت کے ورثا کیلئے پوری کرنی پڑے گی، ورنہ بیع کو فسخ کردے، تو اب مشتری کو اختیار ہے چاہے باقی قیمت دیدے اور چاہے بیع کو فسخ کردے تو معلوم ہوا کہ محابات ایسی چیز ہے جس کو فسخ لاحق ہوسکتا ہے اور عتق کو کسی بھی طرح فسخ لاحق نہیں ہوسکتا۔

سوال...... چلئے ٹھیک ہے، مگر جب یہاں محابات پہلے واقع ہوئی ہے تو ذکرِ لفظی کی تقدیم کی وجہ سے محابات کو تقدیم حاصل ہونی چاہئے؟

جواب...... حقیقی معنی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ تقدیم لفظی کا، وَلاَ معتبرَ بالتقدیم الخ یعنی ذکر میں تقدم کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ زبانی الفاظ میں محابات کا مقدم واقع ہونا قوت وثبوت میں مقدم ہوجانے کو واجب نہیں کرتا۔

اس لئے کہ قوت تو معنوی چیز ہے جس میں زبانی ذکر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام...... صاحبینؒ نے عتق ومحابات میں عتق کو اولیٰ اور مقدم قرار دیا ہے اور اس کی بنیاد قابل فسخ ہونے اور نہ ہونے پر رکھی ہے اور امام صاحبؒ نے محابات کو مقدم رکھا ہے انہوں نے دوسرے اعتبار سے محابات کو ترجیح دی ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل

ولـه ان الـمحاباة اقوى لا نها تثبت فى ضمن عقد المعاوضة فكان تبرعا بمعناه لا بصيغته والا عتاق تبرع صيغة ومعنى فاذا وجدت المحاباة اولا دفع الاضعف واذا وجد العتق اولا وثبت وهو لا يحتمل الدفع كان من ضرورته المزاحمة

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ محابات اقویٰ ہے اس لئے کہ محابات عقد معاوضہ کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے تو محابات تبرع ہوگا اپنے معنٰی کے اعتبار سے نہ کہ اپنے صیغہ کے اعتبار سے اور اعتاق تبرع ہے صیغہ اور معنٰی کے اعتبار سے پس جب کہ اولاً محابات پائی گئی تو محابات اضعف (عتق) کو دور کردے گا اور جب کہ پہلے عتق پایا گیا اور عتق ثابت ہوگیا اور وہ محابات کو دور کرنے کا احتمال نہیں رکھتا تو اس کی ضروریات میں سے مزاحمت ہے۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ محابات عتق سے مقدم ہے اس لئے کہ محابات عقد بیع کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے جس کو مصنفؒ عقد معاوضہ سے تعبیر کیا ہے تو محابات اپنے صیغہ اور الفاظ کے اعتبار سے تبرع نہیں ہے بلکہ الفاظ کے اعتبار سے یہ عقد بیع ہے البتہ معنٰی کے اعتبار سے یہ تبرع ہے اور اعتاق لفظ اور معنٰی ہر اعتبار سے تبرع ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ محابات اقویٰ ہے کیونکہ عقدِ معاوضہ خالص تبرع سے اقویٰ ہوا کرتا ہے۔

تو جب اقویٰ یعنی محابات پہلے سے ہوگی اور وہاں اضعف یعنی عتق جانا چاہے گا تو اقویٰ اس کو دھکا دے کر دور کردے گا اور جب محابات کے سامنے اس کا پنجہ بھی نہیں ٹکے گا تو ثبوت کہاں سے ہوگا۔

اور اگر پہلے عتق پایا جائے اور بعد میں محابات پائی جائے تو عتق چونکہ اضعف ہے اس وجہ سے عتق محابات کو دھکیل نہیں سکتا لہٰذا ان دونوں کے درمیان مزاحمت ثابت ہوگی اور جب دونوں کے درمیان مزاحمت ثابت ہوگئی تو ناچار کہنا پڑے گا کہ دونوں مساوی

اور برابر ہیں۔

امام صاحبؒ کے اصول پر متفرع ہونے والے دو جزئیے

وعلى هذا قال ابو حنيفه اذا حابىٰ ثم اعتق ثم حابىٰ قسم الثلث بين المحابيين نصفين لتساويهما ثم ما اصاب المحاباة الاخيرة قسم بينها وبين العتق لان العتق مقدم عليها فيستويان ولو اعتق ثم حابى ثم اعتق قسم الثلث بين العتق الاول والمحاباة وما اصاب العتق قسم بينه وبين العتق الثاني وعندهما العتق اولى بكل حال

ترجمہ ۔۔۔۔ اور اسی اصول کی بنیاد پر ابوحنیفہؒ نے فرمایا جب کہ مریض نے محابات کی پھر آزاد کیا پھر محابات کی تو ثلث کو دونوں محابتوں کے درمیان آدھا آدھا کیا جائے گا ان دونوں کے مساوی ہونے کی وجہ سے پھر جو مقدار کہ آخری محابات کو پہنچی ہے اس کو محابات اور عتق کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اس لئے کہ عتق محابات پر مقدم ہے پس دونوں برابر ہوں گے اور اگر مریض نے آزاد کیا پھر محابات کی پھر آزاد کیا تو ثلث کو عتق اول اور محابات کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اور جو مقدار کہ عتق کے حصہ میں پڑے اس کو عتق اول اور عتق ثانی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر حال میں عتق اولیٰ ہے۔

تشریح ۔۔۔۔ امام ابوحنیفہؒ کے بیان فرمودہ اصول کے مطابق ان کے نزدیک اس اصول پر دو متفرع ہونے والی جزئیوں کو پیش فرماتے ہیں

۱- مریض نے مرض الموت میں ایک غلام کو آزاد کیا اور دو شخصوں کے ساتھ بیع میں محابات کی جسکی ترتیب اس طرح ہے اولاً محابات کی تھی اور ثانیاً غلام آزاد کیا اور ثالثاً پھر محابات کی، تو یہاں کیا حکم ہوگا؟

تو فرمایا کہ ثلث کو دونوں محابات کے درمیان تقسیم کرلیا جائے گا کیونکہ یہ دونوں محابات برابر ہیں اس لئے کہ دونوں کا وقوع عقد معاوضہ کے ضمن میں ہوا ہے، پھر جو ثلث کا نصف آخری محابات کے حصہ میں پڑا ہے اس نصف کو آخری محابات اور عتق کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اس لئے کہ آخری محابات سے پہلے عتق آیا ہے اور جب عتق پہلے آنے اور محابات کے بعد میں آئے تو مزاحمت کی وجہ سے وہاں عتق اور محابات برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

۲- اور اگر پہلے مریض نے آزاد کیا ہو اور پھر محابات کی ہو اور پھر ثالثاً آزاد کیا ہو تو اب کیا حکم ہوگا؟

تو چونکہ یہاں محابات سے عتق مقدم ہے لہٰذا قاعدہ مذکورہ کے مطابق ثلث کو عتق اول اور محابات کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، پھر جو محابات کے حصہ میں آیا اس میں کوئی ردوبدل نہ ہوگا، اور جو عتق کے حصہ میں آیا ہے اس کو عتق اول اور عتق ثانی کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا جس کی وجہ ظاہر ہے۔

اور یہ سب تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر حال میں عتق ہی کو مقدم رکھا جائے گا۔

موصی کا ''ان سو دراہم کا غلام خرید کر آزاد کردینا'' کے الفاظ سے وصیت کا حکم، اقوال فقہاء

قال ومن اوصى بان يعتق عنه بهذه المائة عبد فهلك منها درهم لم يعتق عنه بمابقي عندابي حنيفةؒ وان كانت وصيته بحجة يحج عنه بما بقي من حيث يبلغ وان لم يهلك منها وبقي شي من الحجة يرد على الورثة وقالا يعتق عنه بما بقي لانه وصية بنوع قربة فيجب تنفيذها ما امكن اعتبار بالوصية بالحج

ترجمہ ..... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جس نے وصیت کی کہ اس کی جانب سے اس سو درہم سے ایک غلام آزاد کر دیا جائے پس ان میں سے ایک درہم ہلاک ہو گیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک مابقی کا اس کی جانب سے غلام آزاد نہیں کیا جائے گا اور اگر اس کی وصیت حج کے بارے میں ہو تو اس کی جانب سے مابقی سے وہاں سے حج کرایا جائے گا جہاں سے پہونچ ہو سکے اور اگر اس میں سے کچھ ہلاک نہ ہوا ہو اور حج سے کوئی چیز باقی بچ گئی تو مابقی کو ورثاء پر واپس کر دیا جائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی جانب سے مابقی سے آزاد کیا جائے گا اس لئے کہ یہ نوع قربت کی وصیت ہے تو جہاں تک ممکن ہو وصیت کو نافذ کرنا واجب ہے حج کی وصیت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح ..... زید نے اپنے وارثوں کے سامنے یہ وصیت کی کہ ان سو دراہم سے میری جانب سے حج کرا دینا، اور اتفاق سے ان میں سے کچھ دراہم ہلاک ہو گئے تو مابقی دراہم سے زید کی جانب سے حج کرانا واجب ہے، اگر اتنی مقدار باقی ہے کہ دہلی سے اتنی مقدار سے حج کرایا جا سکتا ہے اور زید دہلی کا ہی باشندہ ہے تو دہلی سے حج کرایا جائے گا اور اگر دہلی سے حج نہیں ہو سکتا البتہ بمبئی سے جانے سے حج کے لئے وہ رقم کافی ہے تو دہلی کے بجائے بمبئی سے حج کرایا جائے گا۔

خلاصۂ کلام ..... حج کی وصیت کی صورت میں کچھ دراہم کا ہلاک ہو جانا وصیت کو باطل نہیں کریگا اور اس کی جانب سے حج کرایا جائے گا۔

اور اگر زید نے یہ وصیت کی ہو کہ ان سو دراہم کا غلام خرید کر آزاد کر دینا تو ورثاء پر واجب تھا کہ وہ ان سو دراہم کا غلام خرید کر آزاد کریں لیکن اتفاق سے ان میں سے مثلاً ایک درہم ہلاک ہو گیا اور ننانوے باقی رہ گئے تو اب کیا حکم ہے؟ تو اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی وہی حکم ہے جو حج کی وصیت کی صورت میں ہے یعنی مابقی کا غلام خرید کر اس کی جانب سے آزاد کیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مابقی کا غلام خرید کر اس کی جانب سے آزاد نہیں کیا جائے گا،

اگر اس نے حج کرانے کی وصیت کی تھی اور ان میں سے کچھ ہلاک نہیں ہوا اور حج کرا دیا گیا لیکن حج سے فراغت کے بعد کچھ دراہم بچ گئے تو جو باقی دراہم بچے ان کو ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا۔

اختلافی مسئلہ میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق کی وصیت یہ قربت کی ایک قسم کی وصیت ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس کی اس وصیت کو نافذ کرنا واجب ہے انھوں نے اس کو حج کی وصیت پر قیاس ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

وله انه وصية بالعتق لعبد يشترى بمائة وتنفيذها فيمن يشترى باقل منه تنفيذ لغير الموصى له وذلك لا يجوز بخلاف الوصية بالحج لانها قربة محضة هى حق الله تعالى والمستحق لم يتبدل وصار كما اذا اوصى لرجل بمائة فهلك بعضها يدفع الباقى اليه

ترجمہ ..... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عتق کی وصیت ہے ایسے غلام کے لئے جس کو سو میں خریدا گیا ہو اور وصیت کو نافذ کرنا اس غلام کے

اندر جس کو اس سے کم میں خریدا گیا ہو موصیٰ لہٗ کے غیر کے لئے وصیت کو نافذ کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے بخلاف حج کی وصیت کے اس لئے کہ یہ خالص قربت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مستحق نہیں بدلتا اور ایسا ہو گیا جیسے جب کہ اس نے وصیت کی ہو کسی شخص کے لئے سو دراہم کی پس ان میں سے کچھ ہلاک ہو گیا تو باقی کو اسی شخص کو دے دیا جائے گا۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زید کی وصیت مذکورہ میں موصیٰ لہٗ وہ غلام ہے جس کو سو میں خریدا جائے اور جب اس سے کم میں خرید کر آزاد کیا جائے گا تو موصیٰ لہٗ بدلا ہوا ہے اور ورثا کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصیٰ لہٗ میں تبدیلی کر دیں۔

اور رہا مسئلہ حج کی وصیت کا تو وہاں مستحق حج کسی صورت میں نہیں بدلتا اس لئے کہ حج خالص قربت ہے اور وہ اللہ کا حق ہے تو مستحق حج اللہ تعالیٰ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

اور حج کی وصیت ایسی ہے جیسے زید نے وصیت کی کہ یہ سو دراہم خالد کو دے دینا اتفاق سے ان میں سے کچھ دراہم ہلاک ہو گئے تو جو دراہم باقی ہیں وہ خالد ہی کو دئے جائیں گے کیونکہ موصیٰ لہٗ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے اور اعتاق والی صورت میں موصیٰ لہٗ میں تبدیلی ہے۔

عتاق کے حق اللہ اور حق العبد ہونے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف

وقیل هذه المسالة بناء علی اصل اخر مختلف فیه وهو ان العتق حق الله تعالی عندهما حتی تقبل الشهادة علیه من غیر دعوی فلم یتبدل المستحق وعنده حق العبد حتی لا تقبل البینة علیه من غیر دعوی فاختلف المستحق وهذا اشبه

ترجمہ...... اور کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ مبنی ہے ایک دوسری اصل پر جس میں اختلاف کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک عتق اللہ تعالیٰ کا حق ہے یہاں تک کہ اس پر بغیر غلام کے دعوے کے شہادت قبول کر لی جائے گی تو مستحق نہیں بدلا اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک عتق بندہ کا حق ہے یہاں تک کہ اس پر بغیر غلام کے دعوے کے بینہ قبول نہ ہوگا تو مستحق بدل گیا اور یہ (یعنی اس مسئلہ کا اس اصول پر متفرع ہونا) درستی کے زیادہ قریب ہے۔

تشریح...... عتاق کے حق اللہ اور حق العبد ہونے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام صاحبؒ عتاق کو حق العبد قرار دیتے ہیں اور صاحبینؒ حق اللہ قرار دیتے ہیں، حق اللہ کے اندر بالاتفاق شہادت کی قبولیت کے لئے دعویٰ شرط نہیں ہے اور حق العبد کے اندر شہادت کی قبولیت کے لئے دعویٰ شرط ہے۔

جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ اعتاق والا مسئلہ اسی اصول پر متفرع ہے، صاحبینؒ کے نزدیک اعتاق مثل حج کی وصیت کے حق اللہ ہے اور حق اللہ مستحق کے اندر تبدیلی کا سوال نہیں تو اعتاق کے اندر بھی موصیٰ لہٗ نہیں بدلا۔

اور امام ابوحنیفہؒ نے اعتاق کو حق العبد قرار دیا ہے تو موصیٰ لہٗ کی تبدیلی ظاہر ہے کیونکہ موصیٰ لہٗ وہ غلام تھا جس کو سو میں خریدا جائے اور اب موصیٰ لہٗ وہ ہو گیا جس کو ننانوے میں خریدا گیا ہے، مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اشبہ ہے۔

یعنی یہ کہنا کہ صاحبینؒ اور امام صاحبؒ کا یہ اختلاف اس اصول کے اختلاف پر مبنی ہے کہ عتاق حق اللہ ہے یا حق العبد تو یہ قول صواب

کے زیادہ قریب ہے۔

ثلث سے زائد وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے کے اصول پر ایک جزئی کا حکم

قال ومن ترک ابنین ومائة درهم وعبد اقيمتهٔ مائة وقد كان اعتقه في مرضه فا جا زا لوارثان ذلک لم يسع في شئی لان العتق في مرض الموت وان كان في حكم الوصية وقد وقعت با كثر من الثلث الا انها تجوز با جا زة الورثة لان الامتنا ع لحقهم وقد اسقطو ہ

ترجمہ...... محمدؒ نے فرمایا اور جس نے دو بیٹے اور سودراہم (ترکہ) میں چھوڑے اور ایک غلام جس کی قیمت سودرہم ہے اور اس نے اس کو اپنے مرض الموت میں آزاد کیا تھا پس دونوں وارثوں نے اس کی اجازت دیدی تو غلام کچھ کمائی نہیں کرے گا اس لئے کہ مرض الموت میں عتق اگر چہ وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت ثلث سے زیادہ میں واقع ہوئی ہے مگر وہ (ثلث سے زیادہ کی وصیت) ورثا کی اجازت سے جائز ہے اس لئے کہ امتناع انھیں کے حق کی وجہ سے تھا اور انھوں نے اپنا حق ساقط کردیا ہے۔

تشریح...... ماقبل میں یہ بات بار بار گزر چکی ہے کہ وصیت کے نفاذ کا محل ثلث مال ہے البتہ اگر ثلث سے زیادہ وصیت کی گئی ہو اور ورثا نے اس کی اجازت دیدی ہو تو ثلث سے زیادہ کی وصیت بھی نافذ ہو جائے گی اسی اصول مذکورہ کی ایک جزئی یہاں پیش کی جارہی ہے کہ،

زید کا انتقال ہوا اور اس نے دو بیٹے وارث چھوڑے اور ترکہ میں سودراہم اور ایک غلام چھوڑا جس کی قیمت سودرہم ہے اور زید نے اس غلام کو اپنے مرض الموت میں آزاد کردیا تھا تو قاعدہ میں اس کی آزادی ثلث مال میں جاری ہوگی یعنی ۲/۳ ۶۶ دراہم، لیکن اگر دونوں لڑکوں نے پوری وصیت کے نفاذ کی اجازت دیدی تو وصیت نافذ ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام پر کچھ کمائی کرنا واجب نہ ہوگا اس لئے کہ یہ عتق مرض الموت میں ہونے کی وصیت کے درجہ میں ہے اور وصیت ثلث سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوا کرتی لیکن اگر ورثاء اجازت دیدیں تو نافذ ہوتی ہے کیونکہ وصیت کا عدم نفاذ ورثا کے حق کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہاں ورثا نے اجازت دیدی تو انھوں نے اپنا حق ساقط کردیا ہے۔

موصی نے غلام کو آزاد کرنے کی وصیت کی پھر مر گیا اس کے بعد غلام نے کوئی ایسی جنایت کی جس کے عوض لوگوں نے اس غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کردیا پھر ورثاء خود ہی اس غلام کا فدیہ ادا کردیں تو کیا حکم ہے

قال ومن اوصى بعتق عبده ثم مات فجنىٰ جناية ودفع بها بطلت الوصية لان الدفع قد صح لما ان حق ولى الجناية مقدم على حق الموصى فكذلک على حق الموصى له لانه يتلقى الملک من جهته الاان ملكه فيه باق وانما يزول بالدفع فاذا خرج به عن ملكه بطلت الوصية كما اذا باعه الموصى اووارثه بعد موته فان فداه الورثة كان الفداء في ما لهم لا نهم هم الذين التزموه وجازت الوصية لان العبد طهر عن الجناية بالفداء كانه لم يجن فتنفذُ الوصية

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے غلام کے عتق کی وصیت کی پھر موصی مر گیا پس اس نے کوئی جنایت کی اور جنایت کا بدلہ دے دیا گیا تو وصیت باطل ہوگئی اس لئے کہ دینا صحیح ہے اس وجہ سے کہ ولی جنایت کا حق موصی کے حق پر مقدم ہے پس ایسے ہی موصی لہٗ کے حق پر اس لئے کہ موصی لہٗ موصی کی جانب سے ملکیت کو حاصل کرتا ہے مگر غلام میں موصی کی ملکِ باقی ہے اور ملکیت موصی دینے سے زائل ہوتی ہے پس جب دینے کی وجہ سے ملک زائل ہوگئی تو وصیت باطل ہوگئی جیسے جب کہ موصی یا اس کے وارث نے اس کو بیچ دیا ہو موصی کی موت کے بعد پس اگر ورثا نے غلام کا فدیہ دے دیا تو فدیہ ورثا کے مال میں ہوگا اس لئے کہ انھوں نے اس کا التزام کیا ہے اور وصیت جائز ہے اس لئے کہ غلام فدیہ دینے کی وجہ سے جنایت سے پاک ہوگیا گویا کہ اس نے جنایت نہیں کی پس وصیت نافذ ہو جائے گی۔

تشریح ...... زید نے اپنے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ میرے اس غلام کو آزاد کر دینا اور زید کا انتقال ہوگیا اور یہ غلام تہائی مال سے خارج بھی ہو جاتا ہے، لیکن اس غلام نے کوئی جنایت کر دی جس کی وجہ سے یہ غلام ولی جنایت کے حوالہ کرنا پڑا تو وصیت مذکورہ باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ یہاں ورثا کا اس غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کر دینا درست ہے اس لئے کہ ولی جنایت کا حق موصی سے مقدم ہے تو بدرجۂ اولی موصی لہٗ کے حق سے بھی مقدم ہوگا اس لئے کہ موصی لہٗ کو جو ملکیت حاصل ہوتی ہے وہ موصی کی جہت سے ثابت ہوتی ہے۔

سوال ...... یہ آپ نے کہاں سے فرمادیا کہ جب غلام ولیٔ جنایت کے حوالہ کر دیا گیا تو وصیت باطل ہوگئی مناسب یہ تھا کہ آپ یوں فرماتے کہ غلام کو ولیٔ جنایت کے سپرد کرنے سے پہلے ہی وصیت باطل ہو جاتی ہے؟

جواب ...... جب تک غلام ولیٔ جنایت کے حوالہ نہیں کیا جائے گا تب تک اس میں موصی کی ملکیت باقی ہے اور جب ولیٔ جنایت کے حوالہ کر دیا گیا تو اب موصی کی ملکیت زائل ہوگئی اور وصیت باطل ہوگئی۔

جیسے اگر موصی خود اس غلام کو فروخت کر دیتا تو وصیت باطل ہو جاتی کیونکہ موصی کے بیچنے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی۔

اور موصی کی موت کے بعد اگر میت پر قرضہ کے سبب سے موصی کے وارث نے اس غلام کا فدیہ ادا کر دیا تو یہ بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

وارث کو حق ہے کہ وہ اس غلام کو ولیٔ جنایت کے حوالہ کر دے لیکن اگر ورثا نے اس غلام کا فدیہ ادا کر دیا تو یہ فدیہ ورثا کے مال پر پڑے گا اور ورثا کو اس فداء متبرعین شمار کیا جائے گا کیونکہ یہ فدیہ دینا ان پر واجب نہیں تھا یہ تو انھوں نے اپنے اختیار سے دیا ہے لہٰذا موصی کی وصیت جائز ہوگی، اس لئے کہ فدیہ ادا کرنے کی وجہ سے غلام جنایت سے پاک صاف ہوگیا گویا کہ اس نے کوئی جنایت ہی نہیں کی لہٰذا نفاذِ وصیت سے کوئی مانع نہیں رہا اس وجہ سے وصیت نافذ ہو جائے گی۔

موصی نے ثلث مال کی کسی کیلئے وصیت کی موصی لہ اور وارث نے اقرار کیا کہ موصی نے اس کا غلام آزاد کیا ہے موصی لہ حالت صحت میں آزادی کہے اور وارث حالت مرض میں آزادی کا اقرار کرے تو کس کا قول معتبر ہوگا

قال ومن اوصی بثلث ماله لاخر فاقر الموصی له والوراث ان المیت اعتق هذا العبد فقال الموصی له اعتقه فی الصحة وقال الوارث اعتقه فی المرض فالقول قول الوارث ولا شی للموصی له الا ان یفضل من الثلث شی او تقوم له البینة ان العتق فی الصحة

ترجمہ...... محمدؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے ثلث مال کی کسی دوسرے شخص کے لئے وصیت کی پس موصی لہٗ اور وارث نے اقرار کیا کہ میت نے اس غلام کو آزاد کیا ہے پس موصی لہٗ نے کہا کہ اس کو صحت میں آزاد کیا ہے اور وارث نے کہا کہ اس کو مرض میں آزاد کیا ہے تو وارث کا قول معتبر ہوگا اور موصی لہٗ کے لئے کچھ نہ ہوگا مگر یہ کہ ثلث سے کچھ شئی بچ جائے یا موصی لہٗ کے لئے بینہ قائم ہو جائے کہ عتق حالت صحت میں ہوا ہے۔

تشریح...... زید مرحوم نے خالد کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور زید کا ایک غلام ہے خالد اور زید کا وارث اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ زید نے اس کو آزاد کیا ہے، البتہ ان دونوں کا اس میں اختلاف ہے کہ کب آزاد کیا ہے۔

خالد تو کہتا ہے کہ حالت صحت میں آزاد کیا ہے اور وارث کہتا ہے کہ حالت مرض میں آزاد کیا ہے، خالد کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ غلام صحت کی حالت میں آزاد کیا گیا ہے تو یہ وصیت کے درجہ میں نہیں ہے لہٰذا پورے مال سے اس کا عتق نافذ ہوگا اور جو مال باقی ہے اس کے ثلث کا میں مستحق ہوں، اور زید کا وارث کہتا ہے کہ زید نے اس کو حالت مرض میں آزاد کیا ہے اور حالت مرض کا اعتاق وصیت سے مقدم ہے اور اس کا نفاذ ثلث مال میں ہوتا ہے اور عتق دیگر وصایا سے مقدم ہوتا ہے لہٰذا خالد کے حق سے مقدم ہوگا۔

تو ثلث سے اولاً غلام کا عتق نافذ ہوگا اگر غلام کی آزادی کے بعد ثلث میں سے کچھ بچ جائے تو وہ خالد کو ملے گا اور اگر نہ بچے تو نہیں ملے گا تو یہاں کس کا قول معتبر ہوگا؟

فرمایا کہ اگر خالد اپنے دعوے پر بینہ قائم کر دے تو خالد کا قول معتبر ہوگا ورنہ وارث کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ یہاں خالد مدعی ہے اور وارث منکر ہے اور مدعی کا فریضہ ہے کہ وہ گواہ قائم کرے ورنہ مع الیمین منکر کا قول معتبر ہوا کرتا ہے، لہٰذا فرماتے ہیں۔

موصی لہ مدعی اور وارث منکر ہے اور منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے

لان الموصی له یدعی استحقاق ثلث ما بقی من الترکة بعدالعتق لان العتق فی الصحة لیس بوصیة ولهذا ینفذ من جمیع المال والوارث ینکره لان مدعاه العتق فی المرض وهو وصیة والعتق فی المرض مقدم علی الوصیة بثلث المال فکان منکرا والقول قول المنکر مع الیمین

ترجمہ..... اس لئے کہ موصیٰ لہٗ عتق کے بعد ترکہ باقی کے ثلث کے استحقاق کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے کہ عتق حالت صحت میں وصیت نہیں اس وجہ سے وہ (عتق صحت) پورے مال سے نافذ ہوتا ہے اور وارث اس کا انکار کرتا ہے اس لئے وارث کا دعویٰ مرض الموت کے اندر آزاد کرنے کا ہے اور یہ (مرض الموت میں آزاد کرنا) وصیت ہے اور مرض الموت میں عتق ثلثِ مال کے سلسلہ میں وصیت پر مقدم ہے تو وارث منکر ہوگا اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے مع اس کی یمین کے۔

تشریح..... یہاں خالد (موصیٰ لہٗ) مدعی اور وارث منکر کیوں ہے تو فرمایا کہ خالد دعویٰ کرتا ہے کہ نفاذِ عتق کے بعد جو ترکہ باقی رہا میں اس کے ثلث کا مستحق ہوں اس لئے کہ عتق صحت کی حالت میں ہو چکا ہے اور وارث اس سے منکر ہے اس لئے کہ وارث کا دعویٰ یہ ہے کہ موصی نے مرض الموت میں آزاد کیا ہے اور مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت ہے اور مرض الموت کا عتق دیگر وصایا پر مقدم ہوا کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام..... وارث کی غرض یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ کے لئے کچھ نہیں ہے تو وارث کو منکر شمار کیا گیا اور منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوا کرتا ہے۔

وارث کا قول معتبر ہونے کی دوسری دلیل

ولان العتق حادث والحوادث تضاف الى اقرب الاوقات للتيقن بها فكان الظاهر شاهد اللوارث فيكون القول قوله مع اليمين الا ان يفضل شي من الثلث على قيمة العبدلا نه لا مزاحم له فيه او تقوم له البينة ان العتق فى الصحة لان الثابت بالبينة كالثابت معاينة وهو خصم فى اقامتهما لا ثبات حقه

ترجمہ..... اور اس لئے کہ عتق حادث ہے اور حوادث مضاف ہوتے ہیں اقربُ الاوقات کی جانب ان کے سلسلہ میں تیقن کی وجہ سے تو ظاہر حال وارث کے لئے شاہد ہو گیا تو قول وارث کا معتبر ہوگا مع اس کی یمین کے مگر یہ کہ غلام کی قیمت پر ثلث میں سے کچھ بچ جائے اس لئے کہ موصیٰ لہٗ کا اس فاضل میں کوئی مزاحم نہیں ہے یا موصیٰ لہٗ کیلئے بینہ قائم ہو جائے اس بات پر کہ عتق صحت کی حالت میں ہوا ہے اس لئے کہ جو چیز بینہ سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جسے چشم دید طریقے پر ثابت ہو اور موصی لہٗ خصم ہوگا۔ اقامت بینہ کے سلسلہ میں اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے۔

تشریح..... وارث کا قول معتبر ہونے کی یہ دوسری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عتق پہلے سے تو ہے نہیں معلوم ہوا کہ یہ عتق حادث ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ حادث کی اضافت اقربُ الاوقات کی جانب ہوا کرتی ہے کیونکہ اس اضافت میں جو تیقن ہے وہ ابعدالاوقات کی جانب اضافت میں نہیں ہے اور اقربُ الاوقات حالت مرض ہے تو اس اعتبار سے بھی ظاہر حال وارث کے لئے شاہد ہوا اس لئے وارث کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

البتہ اگر ثلث میں عتق کو نافذ کرنے کے بعد کچھ بچ رہے تو وہ خالد (موصیٰ لہٗ) کو دیدیا جائے گا کیونکہ اس فاضل میں اب کوئی اس کا مزاحم نہیں ہے۔

یا پھر خالد گواہ قائم کر دے کہ عتق حالت صحت میں واقع ہوا ہے تو اب خالد کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ بینہ کے ذریعہ جو بات ثابت

ہو جائے وہ ایسی ہے جیسے معاینۃً ثابت ہوئی ہو۔

سوال...... امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو عتق حق العبد ہے لہٰذا جب تک غلام کی طرف سے دعویٰ نہ ہو تو اقامتِ بینہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب...... یہاں ہم نے غلام کو مدّعی نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ مدّعی موصی لہٗ ہے اور موصی لہٗ ہی وارث کا خصم ہے نہ کہ غلام اور اس کی جانب سے دعویٰ موجود ہے اور دعوے کے بعد اقامتِ بینہ درست ہے کیونکہ جہاں خالد کو ضرورت ہے کہ وہ اپنا حق ثابت کرے تو اقامت بینہ کے سلسلہ میں موصی لہٗ ہی کو خصم ٹھہرایا جائے گا۔

وارث کا عتق کا دعویٰ کرنے والے غلام اور دین کا دعویٰ کرنے والے کی تصدیق کا حکم، اقوال فقہاء

قال ومن ترک عبدا فقال للوارث اعتقني ابوک في الصحة وقال رجل لي علی ابيک الف درهم فقال صدقتما فان العبد يسعی في قيمة عندابي حنيفةؒ وقالا يعتق ولا يسعی في شی لان الدين والعتق في الصحة ظهرا معا بتصديق الوارث في کلام واحد فصارا کانهما کانا معا والعتق في الصحة لا يوجب السعاية وان کان علی المعتق دين

ترجمہ...... محمدؒ نے فرمایا اور جس نے ایک غلام چھوڑا پس اس غلام نے وارث سے کہا کہ مجھ کو تیرے باپ نے حالت صحت میں آزاد کر دیا تھا اور ایک شخص نے کہا کہ میرا تیرے باپ پر ہزار درہم قرض ہے پس وارث نے کہا کہ تم نے صحیح کہا پس غلام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنی قیمت میں کمائی کرے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلام آزاد ہوگا اور کچھ کمائی نہیں کرے گا اس لئے کہ قرض اور عتق صحت میں دونوں ایک ساتھ ظاہر ہوئے ہیں وارث کے ایک کلام میں تصدیق کرنے کی وجہ سے تو یہ دونوں ایسے ہو گئے گویا کہ یہ دونوں ایک ساتھ تھے اور حالت صحت میں عتق کمائی کو واجب نہیں کرتا اگرچہ معتق پر قرض ہو۔

تشریح...... زید کا انتقال ہوا اور ترکہ میں فقط ایک غلام چھوڑا، اس غلام نے وارث سے کہا کہ مجھ کو تیرے باپ نے حالتِ صحت میں آزاد کر دیا تھا اور کسی اور شخص نے کہا کہ میرا تیرے باپ پر قرض ہے جس کی مقدار ہزار درہم ہے، تو وارث نے ان دونوں کے جواب میں کہا کہ تم دونوں سچ کہتے ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ غلام آزاد ہوگا یا نہیں اور غلام پر اپنی قیمت کما کر دینا واجب ہوگا یا نہیں تو اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ غلام آزاد ہو گیا اور اس پر کمائی واجب ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر اپنی قیمت کما کر دینا واجب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر کچھ کمائی کرنا واجب نہیں ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ یہاں عتق فی الصحۃ اور قرض دونوں کا ظہور ایک ساتھ ہوا ہے یعنی جب وارث نے ایک کلام سے ان دونوں کی تصدیق کی تو اس سے ایک ساتھ عتق فی الصحۃ اور قرض کا ظہور ہوا ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عتق اور دَین دونوں ساتھ ساتھ واجب ہوئے ہیں یعنی دونوں کا تعلق حالت صحت سے ہے۔

اور ادھر قاعدہ یہ ہے کہ حالت صحت میں اگر عتق ہوتا ہے تو وہ غلام پر کچھ کمائی واجب نہیں کرتا خواہ معتق پر قرض بھی ہو، اس لئے صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلام پر کمائی واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

وله ان الاقرار بالدين اقوى لانه يعتبر من جميع المال والاقرار بالعتق في المرض يعتبر من الثلث والاقوى يدفع الادنى فقضيته ان يبطل العتق اصلا الا انه بعد وقوعه لا يحتمل البطلان فيدفع من حيث المعنى بايجاب السعاية

ترجمہ ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اقرار اقوی ہے اس لئے کہ قرض پورے مال سے معتبر ہوتا ہے اور حالت مرض میں عتق کا اقرار ثلث مال سے معتبر ہوتا ہے اور اقوی ادنیٰ کو دور کر دیتا ہے تو اس دور کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ عتق بالکل باطل ہو جائے مگر عتق اپنے واقع ہونے کے بعد بطلان کا احتمال نہیں رکھتا تو عتق کو معنیٰ کی حیثیت سے دفع کیا جائے گا کمائی کو واجب کرنے کے ساتھ۔

تشریح ...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے حاصل دلیل یہ ہے کہ قرض عتق سے اقوی ہے، اور قرض کے اقوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مریض اگر قرض کا اقرار کرے تو یہ اقرار دین پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر مرض میں عتق کا اقرار ہے تو یہ اقرار مال کے ثلث سے معتبر ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ قرض عتق سے اقوی ہے، اور ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اقوی ادنی کو دھکا دیدیا کرتا ہے تو اس کا تو تقاضہ یہ تھا کہ عتق بالکل ہی باطل ہو جاتا مگر کیا کیا جائے، اصول یہ ہے کہ جب عتق واقع ہو جاتا ہے تو پھر بُطلان کا احتمال نہیں رکھتا۔

اس لئے عتق کو باطل تو نہیں کر سکتے البتہ معنوی اعتبار سے عتق کو باطل کیا جا سکتا ہے۔

یعنی عتق کو نافذ مان کہ غلام پر کمائی کو واجب کر دیا جائے لہٰذا ہم نے وہی طریقہ اختیار کیا کہ غلام آزاد ہے لیکن اس پر اپنی قیمت کما کر دینا واجب ہے۔

امام صاحبؒ کی دوسری دلیل

ولان الدين اسبق لانه لا مانع له من الاسناد فيستند الى حالة الصحة ولا يمكن اسناد العتق الى تلك الحالة لان الدين يمنع العتق في حالة المرض مجانا فتجب السعاية

ترجمہ ...... اور اس لئے کہ قرض مقدم ہے اس لئے اس کے لئے کہ اسناد سے کوئی مانع نہیں ہے پس قرض کی اسناد حالت صحت کی جانب کی جائے گی اور عتق کی اسناد حالتِ صحت کی جانب کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ قرض مفت حالتِ مرض میں عتق کو روکتا ہے پس کمائی واجب ہوگی۔

تشریح ...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل ہے فرماتے ہیں کہ قرض عتق سے مقدم ہے کیونکہ اگر قرض کی اسناد حالتِ صحت کی جانب کی جائے تو اس سے یہاں کوئی چیز مانع نہیں ہے لہٰذا قرض کی اسناد حالت صحت کی جانب کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ قرض حالتِ صحت کا ہے اور عتق مذکور کی اسناد حالتِ صحت کی جانب ممکن نہیں کیونکہ اس کا ظہور تو اب ہوا ہے جب کہ موصی کا انتقال ہو چکا ہے۔

اور حالتِ صحت کی جانب اسناد کرنے میں حالتِ مرض کے اندر کو گزرنا ہوگا اور گزرنا جائز نہیں بلکہ یہ اسناد یہیں دب کر رہ جائے گی۔ کیسے؟

اس لئے کہ پہلے حالتِ صحت میں قرض موجود ہے اور جب مرض الموت میں مقروض مفت غلام آزاد کرے تو وہ مفت آزاد نہ ہوگا بلکہ غلام تو آزاد ہو جائے گا مگر اس پر کمائی کرنا واجب ہوگا لہٰذا ہم نے اس پر کمائی کو واجب کر دیا ہے۔

میت پر ایک شخص قرض کا دعویٰ کرے اور دوسرا ودیعت کا تو کس کے بارے میں فیصلہ صادر کیا جائے گا......اقوال فقہاء

وعلى هذا الخلاف اذا مات الرجل وترك الف درهم فقال رجل لى على الميت الف درهم دين وقال الاخر كان لى عنده الف درهم وديعة فعنده الوديعة اقوى وعندهما هما سواء

ترجمہ...... اور اسی اختلاف پر ہے جب کہ کوئی شخص مرگیا اور اس نے ہزار درہم چھوڑے پس ایک شخص نے کہا کہ میرا میت پر ہزار درہم قرض ہے اور دوسرے شخص نے کہا کہ میرے اس کے پاس ہزار درہم امانت تھے تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ودیعت اقویٰ ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ دونوں برابر ہیں۔

تشریح...... زید کا انتقال ہوگیا اور اس نے ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے پس ایک شخص نے کہا کہ زید میرا مقروض تھا یعنی اس پر میرے ہزار درہم قرض تھے اور دوسرے شخص نے کہا کہ اس کے پاس میرے ہزار درہم امانت تھے۔

تو اب کس کا قول ہوگا؟

تو حضراتِ صاحبینؒ نے فرمایا کہ قرض اور ودیعت دونوں کا ایک درجہ ہے اور یہ دونوں برابر ہیں یعنی موجودہ ہزار میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض سے ودیعت اقویٰ ہے لہٰذا موجودہ ہزار درہم امانت والے کے ہوں گے۔

اب رہی یہ بات کہ ودیعت کیوں اقویٰ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرض تو واجب فی الذمہ ہوتا ہے عین سے اس کا تعلق نہیں ہے اور ودیعت کا تعلق عین سے ہے یعنی یہی ہزار درہم ہیں جو میرے اسکے پاس ودیعت تھا اسلئے ودیعت کو اقویٰ شمار کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے اپنے تہائی مال میں چند چیزوں کی وصیت کی مثلاً حج، زکوٰۃ، صدقہ فطر، کفارات وغیرہ تو کس اصول کے مطابق وصیتوں کو ادا کیا جائے گا

فصل ومن اوصى بوصايا من حقوق الله تعالى قدمت الفرائض منها قد مها الموصى او اخر ها مثل الحج والزكوة والكفارات لان الفريضة اهم من النافلة والظاهر منه البداية بما هو الاهم

ترجمہ...... یہ فصل ہے اور جس نے وصیت کی چند وصایا حقوق اللہ میں سے تو ان میں سے فرائض کو مقدم کیا جائے گا موصی نے ان کو مقدم کیا ہو یا موخر کیا ہو جیسے حج اور زکوٰۃ اور کفارات اس لئے کہ فرض نافلہ سے اہم ہے اور ظاہر موصی سے شروع کرنا ہے اس چیز سے جو کہ اہم ہے۔

تشریح...... اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ کوئی اللہ تعالیٰ کا حق ہے مثلاً نماز یا روزہ یا زکوٰۃ یا حج یا کفارہ یا نذر یا صدقۂ فطر، تو اب دو صورتیں ہیں، مرنے والے نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے یا نہیں اگر نہیں کی تو ورثاء پر ان کی ادائیگی واجب نہیں ہے بلکہ ورثا کو نکالنے اور نہ نکالنے کا اختیار ہے، اور اگر اول صورت ہو یعنی اس نے وصیت کی ہو تو مرحوم کے ثلث مال سے ان کی ادائے گی واجب

ہوگی پھر وصایا میں سے کون سی وصیت مقدم ہوگی تو اس میں تفصیل ہے۔

وہ وصایا اللہ کا حق ہوں گی یا بندوں کا اور جو اللہ کا حق ہیں وہ یا تو سب وصایا فرائض میں داخل ہوں گی جیسے زکوۃ اور حج اور روزہ اور نماز یا سب واجبات میں داخل ہوں گی جیسے کفارات اور نذر اور صدقۂ فطر یا سب وصایا تطوع میں داخل ہوں گی جیسے حج نفلی کی وصیت اور فقراء پر صدقہ کی وصیت، پس اگر موصی نے ان تمام وصایا کو جمع کر دیا ہو تو اگر موصی کا ثلث مال تمام وصایا کے نفاذ کے لئے کافی ہو سکے تو ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے گا، اور اگر موصی کا ثلث مال ان تمام وصایا کے لئے کافی نہ ہو لیکن ورثہ نے اجازت دیدی ہو کہ ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے تو ان سب کو نافذ کر دیا جائے گا۔

اور اگر ورثہ نے اجازت نہ دی ہو تو اب دیکھا جائے کہ یہ تمام وصایا فرائض میں داخل ہیں یا نہیں اگر سب فرائض میں داخل ہوں تو جس وصیت کو موصی نے مقدم بیان کیا ہے اس سے ابتداء کی جائے گی، اور اگر بعض فرائض اور بعض غیر فرائض ہوں تو اولاً فرائض سے ابتدا کی جائے گی اگرچہ موصی نے ذکر میں فرائض کو موخر کیا ہو، اور واجبات اور تطوعات کو مقدم کیا ہو۔

فرائض کو کیوں مقدم کیا جائے گا؟

اس لئے کہ فرائض نفل سے اہم ہے اور ظاہر یہی ہے کہ موصی کا مقصد بھی اہم، ہی کو مقدم کرنا ہے اس لئے کہ جس شخص پر قرض ہوتا ہے وہ عموماً صدقات وخیرات میں مشغول نہیں ہوتا۔

تمام وصایا قوت، درجہ میں برابر ہوں تو کس کو مقدم کیا جائے گا، اقوال فقہاء

فان تساوت في القوة بدئى بما قدم الموصى اذا ضاق عنها الثلث لان الظاهر انه يبتدى با لا هم وذكر الطحاوى انه يبتدئى بالزكوة ويقدمها على الحج وهو احدى الروايتين عن ابى يوسف وفى رواية عنه انه يقدم الحج وهو قول محمد

ترجمہ..... پس اگر تمام وصایا قوت میں مساوی ہوں تو ابتدا کی جائے گی اس وصیت سے جس کو موصی نے مقدم کیا ہے جب کہ ثلث ان تمام وصایا سے تنگ ہو جائے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ موصی اہم سے ابتدا کرے گا اور طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ زکوۃ سے ابتدا کی جائے گی اور اس کو حج پر مقدم کیا جائے گا اور یہی ابو یوسفؒ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور ابو یوسفؒ سے دوسری روایت میں ہے کہ حج کو مقدم کیا جائے گا اور یہی محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح..... اگر تمام وصایا قوت میں برابر ہیں مثلاً سب فرائض میں سے ہیں یا سب واجبات میں سے ہیں یا سب تطوعات میں سے ہیں تو اس وقت اس وصیت کو مقدم کیا جائے گا جس کو موصی نے مقدم بیان کیا ہے اور یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ ثلث ان تمام وصایا کے لئے ناکافی ہو، اس لئے کہ موصی کے بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس وصیت کو مقدم کیا ہے جو اس کے نزدیک اہم ہے۔

امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ اگر زکوۃ اور حج دونوں جمع ہو جائیں اور یہ دونوں فرائض کے اندر داخل ہیں پھر بھی زکوۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا اور یہ جو امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے یہ امام ابو یوسفؒ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے کہ زکوۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا اور

امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے کہ حج کو زکوۃ پر مقدم کیا جائے گا۔

تنبیہ-ا شاید صاحب ہدایہ کو کوئی ایسی روایت ملی ہوگی کہ امام محمدؒ حج کو زکوۃ پر مقدم فرماتے ہیں ورنہ امام قدوریؒ نے شرح مختصر الکرخیؒ میں اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے شرح کافی میں اور شمس الائمہ بیہقیؒ نے کفایہ میں اور صاحب تحفہ نے اور شیخ ابونصرؒ نے شرح الاقطع میں امام محمدؒ کا قول یہ بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک زکوۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا۔

زکوۃ اور حج میں سے کس کو مقدم کیا جائے گا

وجه الاولى انهما وان استويا فى الفريضه فالزكوة تعلق بها حق العباد فكان اولى وجه الاخرى ان الحج يقام بالمال والنفس والزكوة بالمال قصرا عليه فكان الحج اقوى ثم تقدم الزكوة والحج على الكفارات لمزيتهما عليها فى القوة اذ قد جاء فيهما من الوعيد ما لم يات فى الكفارة والكفارة فى القتل والظهار واليمين مقدمة على صدقة الفطر لانه عرف وجوبها بالقران دون صدقة الفطر

ترجمہ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں اگرچہ فرضیت میں برابر ہیں پس زکوۃ کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہے پس زکوۃ اولی ہوگی دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ حج مال اور جان سے ادا کیا جاتا ہے پس زکوۃ فقط مال سے ادا کی جاتی ہے (جو مال پر مقصود منحصر ہے) تو حج اقوی ہوگا پھر زکوۃ اور حج تمام کفارات پر مقدم ہوں گے ان دونوں کی فضیلت کی وجہ سے کفارات پر قوت کے اندر اس لئے کہ ان دونوں کے بارے میں ایسی وعیدیں ہیں جو کفارہ کے اندر نہیں ہیں اور کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار اور کفارۂ یمین صدقۂ فطر پر مقدم ہوں گے اس لئے کہ ان کفارات کا وجوب قرآن سے معلوم ہوا ہے نہ کہ صدقۂ فطر کا۔

تشریح زکوۃ اور حج میں کس کو مقدم کیا جائے گا اس میں دو روایتیں ہیں پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ اور حج اگرچہ دونوں فرض ہیں لیکن زکوۃ کے ساتھ حق اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ بندوں کا حق وابستہ ہو گیا ہے اس لئے زکوۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا۔

اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حج مال اور جان سے ادا ہوتا ہے اور زکوۃ فقط مال سے ادا ہوتی ہے اس لئے حج زکوۃ سے اقوی ہوا لہٰذا حج زکوۃ سے مقدم کیا جائیگا۔

پھر زکوۃ اور حج اور کفارات اگرچہ سب فرائض میں داخل ہیں لیکن کفارات پر زکوۃ اور حج کو مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ زکوۃ اور حج کے بارے میں جو وعیدات وارد ہوئی ہیں وہ کفارات میں نہیں۔

پھر کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار اور کفارۂ یمین یہ سب صدقۂ فطر پر مقدم ہوں گے اس لئے کہ ان کفارات کا وجوب قرآن سے معلوم ہوا ہے اور صدقۂ فطر کا وجوب قرآن سے معلوم نہیں ہوا بلکہ حدیث سے معلوم ہوا ہے۔

صدقۃ الفطر کو قربانی سے مقدم کیا جائے گا

وصدقة الفطر مقدمة على الاضحية للاتفاق على وجوبها والاختلاف فى الاضحية وعلى هذا القياس يقدم بعض الواجبات على البعض قال وما ليس بواجب قدم منه ما قدمه الموصى لما بينا وصار كما اذا صرح بذالك

ترجمہ ...... اور صدقۂ فطر قربانی پر مقدم ہے صدقۂ فطر کے وجوب پر اتفاق کی وجہ سے اور قربانی کے اندر اختلاف کی وجہ سے اور اسی قیاس پر بعض واجبات بعض واجبات پر مقدم ہوں گے قدوریؒ نے فرمایا اور جو واجب نہیں ہے ان میں سے اس کو مقدم کیا جائے گا جس کو موصی نے مقدم کیا ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور ایسا ہو گیا جیسا کہ موصی نے اس کی صراحت کر دی ہو۔

تشریح ...... اور صدقۂ فطر کو قربانی سے مقدم کیا جائے گا اس لئے کہ صدقۂ فطر کے وجوب پر فقہاء کا اتفاق ہے اور قربانی کے وجوب پر فقہاء کا اتفاق نہیں ہے۔

اسی طرح واجبات میں سے بعض بعض پر مقدم ہوں گے، لہٰذا صدقۂ فطر نذور پر مقدم ہو گا اس لئے کہ صدقۂ فطر اللہ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہے اور نذور بندوں کے واجب کرنے سے واجب ہوتی ہیں، اور نذور اور کفارات قربانی پر مقدم ہوں گے اسلئے کہ قربانی کے وجوب میں اختلاف ہے لیکن کفارات اور نذور کے وجوب میں اختلاف نہیں ہے۔

اور قربانی نوافل پر مقدم ہو گی، پھر کفارۂ قتل دیگر کفارات پر مقدم ہو گا اس لئے کہ کفارۂ قتل تمام کفارات سے اقویٰ ہے یہی تو وجہ ہے کہ کفارۂ قتل میں غلام معتق کا مومن ہونا شرط ہے، پھر کفارۂ یمین کفارۂ ظہار پر مقدم ہو گا اس لئے کہ کفارۂ یمین کا وجوب اللہ کے نام کی بے حرمتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور کفارۂ ظہار اس لئے واجب ہوا ہے کہ اس نے بیوی کو اپنے اوپر حرام کیا ہے تو کفارۂ یمین کفارۂ ظہار سے اقویٰ ہو گا اور وصایا جب فرائض و واجبات میں سے نہ ہوں بلکہ تطوعات میں سے ہوں تو جس کو موصی نے مقدم بیان کیا ہے اسی کو مقدم کیا جائے گا جسکی وجہ ماقبل میں گزر چکی ہے یعنی یہ کہ موصی اسی سے پہل کرے گا جو اس کے نزدیک اہم ہو گی اور اگر وہ اس بات کی صراحت کر دیتا کہ میں نے جس کو مقدم کیا ہے اس کو مقدم کیا جائے تو پھر اس کو مقدم کرنا ضروری ہے تو اسی طرح وہاں بھی مقدم کیا جائے گا جب کہ اس نے صراحت نہ کی ہو لیکن ذکر میں اس کو مقدم کیا ہو۔

حق اللہ اور حق العبد میں کس کو مقدم کیا جائے گا

قالوا ان الثلث يقسم على جميع الوصايا ما كان لله تعالىٰ وما كان للعبد فما اصاب القرب صرف اليها على الترتيب الذى ذكرناه ويقسم على عدد القرب ولا يجعل الجميع كوصية واحدة لانه ان كان المقصود بجميعها رضا الله تعالىٰ فكل واحد فى نفسها مقصود فينفرد كما ينفرد وصايا الادميين

ترجمہ ...... فقہاء نے فرمایا ہے کہ ثلث کو تمام وصایا پر تقسیم کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے لئے اور جو بندہ کے لئے ہو پس جو قربات کے پرتے میں پڑے اس کو قربات پر اسی ترتیب کے مطابق صرف کیا جائے گا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اور ثلث کو قربات کے عدد پر تقسیم کیا جائے گا اور تمام کو ایک وصیت کے مثل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ مقصود تمام قربات سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہے پس ہر قربت بذات خود مقصود ہے پس ہر قربت منفرد ہو گی جیسے چند آدمیوں کی وصایا منفرد ہوا کرتی ہیں۔

تشریح ...... یہاں سے مصنفؒ ایک جدید مسئلہ بیان فرماتے ہیں مثلاً زید نے چند وصیتیں کیں زکوٰۃ کے لئے اور حج کے لئے اور کفارات کے لئے اور زید کے لئے تو اس میں اول تینوں حق اللہ ہیں اور چوتھی وصیت حق العبد ہے تو اس میں کیا صورت اختیار کی جائے گی؟

تو فرمایا کہ اولاً ثلث کے چار حصے کئے جائیں ان چار میں سے ایک حصہ زید کو دیا جائے اب باقی بچے تین حصے تو ان میں وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو ابھی بیان ہوا ہے یعنی ان تین حصوں میں ان تینوں قربات میں سے زکوٰۃ کو مقدم کیا جائے گا اگر زکوٰۃ کو ادا کر کے کچھ مال بچ جائے تو پھر حج کو کفارہ سے مقدم کیا جائے گا اگر کفارہ کے لئے کچھ بچ جائے تو اس کو بھی ادا کر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

ان کو چار وصایا شمار کر کے ثلث کے چار حصے کئے جائیں گے یہ نہ ہوگا کہ تین کو حق اللہ ہونے کی وجہ سے ایک سمجھ کر فقط ثلث کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

اب اس تقریر کو عبارت سے ملایئے کہ ثلث کو تمام وصایا پر تقسیم کر دیا جائے گا یعنی حقوق اللہ اور حق العبد میں سے سب کا مجموعہ جوڑ کر ثلث کو اس مجموعہ کے عدد رؤس پر تقسیم کر دیا جائے گا، اور ثلث کی جو مقدار حقوق اللہ کے حصّہ میں پڑے تو اس مقدار میں حقوق اللہ میں سے اس کو مقدم کر دیا جائے جس کی تقدیم ابھی ماقبل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

اور ثلث کو قربات کے عدد پر تقسیم کیا جائے گا یہ نہ ہوگا کہ تمام قربات کو ایک سمجھ کر دو سے تقسیم کر دیا جائے اگر چہ حقوق اللہ میں تمام وصایا کا مقصود رضاء الٰہی ہے لیکن ہر قربت الگ الگ مقصود ہے تو ہر ایک کو الگ الگ شمار کیا جائے گا، جیسے مختلف شخصوں کے لئے وصیت کی ہو تو سب کو الگ الگ شمار کیا جاتا ہے تو تمام قربات کو بھی الگ الگ شمار کیا جائے گا۔

مثلاً زید نے فقراء اور مساکین اور مسافرین کے لئے وصیت کی تو ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ شمار کر کے ہر فریق کا ایک ایک سہم نکالا جائے گا اگر چہ سب کا مقصود قربت ہے، اسی طرح تمام قربات میں بھی ہر قربت کو الگ شمار کیا جائے گا۔

موصی حج کی وصیت کرے تو اس کی ادائیگی کا طریقہ کار

قال ومن اوصى بحجة الاسلام احجوا عنه رجلا من بلده يحج راكبا لان الواجب لله تعالى الحج من بلده ولهذا يعتبر فيه من المال ما يكفيه من بلده والوصية لاداء ما هو الواجب عليه وانما قال راكبا لانه لا يلزمه ان يحج ماشيا فانصرف اليه على الوجه الذي وجب عليه

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے حج اسلام کی وصیت کی تو ورثاء اس کی جانب سے کسی شخص کو حج کرائیں گے موصی کے شہر سے جو سوار ہو کر حج کریگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے شہر سے حج کرنا واجب ہے اس وجہ سے وجوب حج میں اتنا مال معتبر ہوگا جو موصی کے شہر سے کافی ہو اور وصیت اس چیز کی ادائیگی کے لئے ہے جو موصی پر واجب ہے اور قدوریؒ نے راکباً فرمایا اس لئے کہ موصی پر پیدل حج کرنا لازم نہیں ہے تو حج اس غیر کی جانب اس طریقہ پر پھرے گا جس طریقہ پر موصی کے اوپر واجب ہے۔

تشریح ...... زید کے اوپر حج فرض ہے اس نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرا دینا، تو ایسی صورت میں ورثاء پر واجب ہوگا کہ اس کے مال سے حج کرائیں اور کسی شخص کو منتخب کریں کہ وہ موصی کے شہر سے حج کرے اور یہ حج پیدل چل کر نہیں بلکہ سوار ہو کر ہوگا۔

اس لئے کہ زید کے اوپر بھی جو حج فرض تھا وہ اپنے شہر سے واجب تھا اور یہی تو وجہ ہے کہ زید پر اس وقت حج فرض ہوگا جب کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کے شہر سے حج کرنے کے لئے کافی ہو ورنہ اگر زاد و راحلہ نہ ہو تو زید پر عدم استطاعت کی وجہ سے حج فرض نہ ہوگا۔

تو جب زید پر حج ادا کرنا اپنے شہر سے واجب ہے اور اس کے مرنے کے بعد جس آدمی سے حج کرایا جائے گا وہ اسی حج کی ادائیگی ہے جو زید پر واجب ہے اور زید پر اپنے شہر سے حج کرنا واجب تھا تو یہ بھی زید کے شہر سے حج کرے گا۔

اور یہ غیر جو حج کرے گا سوار ہو کر کرے گا کیونکہ زید کے اوپر پیدل چل کر حج کرنا لازم نہیں تھا بلکہ سوار ہو کر واجب تھا تو غیر پر بھی حج کو اسی طریقہ پر ادا کرے گا جس طریقہ پر زید کے اوپر واجب تھا۔

ثلث مال سے وصیت حج پوری نہ ہو سکے تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے

قال فان لم تبلغ الوصية النفقة احجوا عنه من حيث تبلغ وفي القياس لا يحج عنه لانه امر بالحجة على صفة عدمناها فيه غيرانا جوزناه لانا نعلم ان الموصى قصد تنفيذ الوصية فيجب تنفيذها ما امكن والممكن فيه ما ذكرناه وهو اولى من ابطالها راسا وقد فرقنا بين هذا وبين الوصية بالعتق من قبل

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا پس اگر مقدار وصیت نفقۂ حج کیلئے کافی نہ ہو تو ورثا اس کی جانب سے وہاں سے حج کرائیں جہاں سے پہنچ ہو سکے اور قیاس کے اندر موصی کی جانب سے حج نہیں کرایا جائے گا اس لئے کہ موصی نے حکم دیا حج کرانیکا ایسی صفت پر کہ اس مال میں ہم اس صفت کو معدوم پاتے ہیں علاوہ اس بات کے کہ ہم نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ موصی نے وصیت کو نافذ کرنے کا وعدہ کیا ہے تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تنفیذ واجب ہوگی اور اس میں وہی طریقہ ممکن ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ بالکل وصیت کے ابطال سے اولیٰ ہے اور ہم نے اس کے درمیان اور عتق کی وصیت کے درمیان پہلے فرق بیان کر دیا ہے۔

تشریح ...... ماقبل میں یہ بات متعدد مرتبہ گزر چکی ہے کہ وصیت میت کے ثلث مال میں نافذ ہوتی ہے اس سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوتی تو اگر مریض نے وصیت کی کہ میرے مال سے حج کرایا جائے گا لیکن اس کا مال اتنا نہیں ہے جس سے حج کرایا جا سکے تو ایسی صورت میں جس جگہ سے حج ہو سکے وہاں سے حج کرایا جائے، مثلاً اتنا مال ہے کہ جس سے دیوبند سے حج نہیں ہو سکتا البتہ بمبئی سے حج ہو سکتا ہے تو بمبئی سے حج کرایا جائے اور یہ حکم استحساناً ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اب موصی کی طرف سے حج ہی نہ کرایا جائے، اس لئے کہ اس کی وصیت کا مقصد یہ ہے کہ دیوبند سے حج کرایا جائے کیونکہ موصی دیوبند کا باشندہ ہے اور دیوبند سے اتنے مال سے حج ہو نہیں سکتا تو وہ صفت ہی معدوم ہوگئی جو موصی نے بیان کی ہے۔

مگر ہم نے استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کہ ہم کو یہ بات معلوم ہے کہ موصی کا مقصود یہ ہے کہ اس کی وصیت نافذ کی جائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کی وصیت کو نافذ کرنا واجب ہے۔

اور جو طریقہ بیان کیا گیا ہے یہ طریقہ ممکن ہے لہٰذا اسی کو اختیار کیا جائے گا۔

اور اس امکانی طریقہ پر وصیت کو نافذ کر دینا مطلق وصیت کو باطل کر دینے سے افضل ہے۔
اور ماقبل میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حج کی وصیت کرنے میں اور غلام آزاد کرنے کی وصیت میں کیا فرق ہے۔

ایک شخص اپنے شہر سے حج کیلئے نکلا راستہ میں فوت ہو گیا اور وصیت کی کہ اس کی جانب سے حج کرایا جائے تو حج کہاں سے کرایا جائے گا، اقوال فقہاء

قال ومن خرج من بلده حاجا فمات في الطريق واوصى ان يحج عنه يحج عنه من بلده عندابي حنيفةؒ وهو قول زفرؒ وقال ابو يوسف و محمد يحج عنه من حيث بلغ استحسا نا وعلى هذا الخلاف اذا مات الحاج عن غيره في الطريق

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جو اپنے شہر سے حج کے ارادہ سے نکلا پس وہ راستہ میں مر گیا اور یہ وصیت کی کہ اس کی جانب سے حج کرایا جائے تو اس کی جانب سے اس کے شہر سے حج کرایا جائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس جگہ سے حج کرایا جائے گا جہاں وہ پہنچ گیا تھا بناء بر استحسان اور اسی اختلاف پر ہے جب کہ غیر کی جانب سے حج کرنے والا راستہ میں مر جائے۔

تشریح ...... زید اپنے گھر سے نکلا اور فقط حج کے ارادہ سے نکلا تجارت وغیرہ مقصود نہیں اور وہ راستہ میں مر گیا اور یہ وصیت کر گیا کہ میری جانب سے حج کرایا جائے تو اس کی جانب سے حج کرایا جائے گا، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ یہ حج کہاں سے کرایا جائے گا مرنے والے کے شہر سے یا اس جگہ سے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے، حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں زید کا انتقال ہوا ہے وہیں سے زید کی طرف سے حج کرایا جائے گا اور صاحبینؒ نے یہ حکم استحسانا فرمایا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کا قول یہ ہے کہ زید کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

اور اسی طرح اگر زید نے حج کی وصیت کی تھی اور ورثاء نے اس کی جانب سے کسی شخص کو حج کے لئے بھیجا لیکن اس کا راستہ میں انتقال ہو گیا تو اب اس کی جگہ دوسرے کو بھیج کر حج کرایا جائے گا لیکن اس دوسرے کو کہاں سے بھیجا جائے گا؟

تو امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ زید کے شہر سے بھیجا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک وہاں سے بھیجا جائے گا جہاں اس کا انتقال ہوا ہے۔

صاحبینؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

لهما ان السفر بنية الحج وقع قربة وسقط فرض قطع المسافة بقدره وقد وقع اجره على الله فيبتدأ من ذالك المكان كانه من اهله بخلاف سفر التجارة لانه لم يقع قربة فيحج عنه من بلده وله ان الوصية تنصرف الى الحج من بلده على ما قررنا اداء للواجب على الوجه الذي وجب والله اعلم

ترجمہ ...... صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حج کی نیت سے سفر قربت واقع ہو چکا ہے اور اس کے بقدر قطع مسافت کا فریضہ ساقط ہو چکا ہے

اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہو چکا ہے تو اسی جگہ سے شروع کیا جائے گویا کہ وہ اسی جگہ کا باشندہ ہے بخلاف تجارت کے سفر کے اس لئے کہ وہ قربت واقع نہیں ہوا تو اس کی جانب سے اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا، اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت منصرف ہوگی اس کے شہر سے حج کرانے کی جانب اسی تفصیل کے مطابق جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں واجب کو ادا کرتے ہوئے اسی طریقہ پر جو واجب ہوا ہے واللہ اعلم۔

تشریح ...... صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب موصی سفر حج کے ارادہ سے نکلا ہے تو اس کا جتنا سفر ہوا ہے یہ قربت ہے اور اس پر اپنے شہر سے حج کرنا واجب تھا لیکن جو مسافت وہ طے کر چکا ہے اتنا فریضہ اسکے اوپر سے ادا ہو چکا ہے اور اس کا ثواب اس کو مل چکا ہے لہٰذا اب دوسرے شخص کو یہیں سے حج کیلئے بھیجا جائے گا۔

اور یوں سمجھیں گے گویا کہ موصی اسی جگہ کا باشندہ ہے اور جب وہ یہاں کا باشندہ شمار کرلیا گیا تو اس کی جانب سے یہیں سے حج کرانا واجب ہوگا، ہاں اگر بغرض تجارت سفر کر رہا ہے اور درمیان میں اس کا انتقال ہو جائے اور اس نے یہ وصیت کی ہو کہ میری جانب سے حج کرایا جائے گا تو اس کی جانب سے بالاتفاق اس کے شہر سے حج کرانا واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کا سفر کچھ قربت نہیں واقع ہوا لہٰذا اس کی جانب سے اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ جب وہ اتمام حج سے پہلے مرگیا تو اس کا خروج غیر حج کے لئے شمار کیا جائے گا تو ایسا ہو گیا جیسے تاجر کی موت کا حکم ہے تو اب یہ شمار کیا جائے گا کہ اس نے ابتداءً حج کی وصیت کی ہے اور ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب حج کی وصیت کی جائے تو موصی کے شہر سے حج کرانا واجب ہوتا ہے تاکہ جیسا واجب تھا ایسے ہی اس کی ادائیگی ہو جائے۔

بابُ الوصيّةِ للاقارب وغيرهم

ترجمہ ...... یہ اقارب اور غیر اقارب کیلئے وصیت کرنیکا باب ہے۔

تشریح ...... اس باب کے اندر ایک مخصوص قوم کے لئے وصیت کا ذکر ہے اور ابواب سابقہ میں عموم ہے اور اس میں خصوص ہے اور عموم خصوص پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اس باب کو مؤخر بیان کیا گیا ہے۔

پڑوسی کا مصداق، اقوال فقہاء

قال ومن اوصى لجيرانه فهم الملاصقون عندابى حنيفة وقالا هم الملاصقون وغيرهم ممن يسكن محلة الموصى ويجمعهم مسجد المحلة وهذا استحسان وقوله قياس لان الجار من المجاورة وهى الملاصقة حقيقة ولهذا يستحق الشفعة بهذا الجوار ولانه لما تعذر صرفه الى الجميع يصرف الى اخص الخصوص وهو الملاصق

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی پس وہ ملاصق ہوں گے ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ ملاصقون ہیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ ہیں جو موصی کے محلّہ میں رہتے ہیں اور جن کو محلّہ کی مسجد جمع کرتی ہے اور یہ استحسان ہے

اور ابوحنیفہؒ کا قول قیاس ہے اس لئے کہ جار مجاورت سے مشتق ہے اور مجاورت حقیقت میں ملاصقت ہے اسی وجہ سے جار اس پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا مستحق ہوتا ہے اور اس لئے کہ جب وصیت تمام پڑوسیوں کی طرف پھیرنا متعذر ہے تو اس کو اخص الخصوص کی جانب پھیر دیا جائے گا اور اخص الخصوص جار ملاصق ہے۔

تشریح ...... زید نے یہ وصیت کی کہ میرے مال کا ثلث میرے پڑوسیوں کیلئے ہے تو اس سے کون سا پڑوسی مراد ہوگا، کیونکہ پڑوسی کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک جار قرابت، جس سے قرابت کا پڑوس ہو۔ اور دوسرا جار ارض، یعنی زمین کا پڑوسی اور تیسرا جار دار، یعنی گھر کا پڑوسی، اور یہاں بالاتفاق جار سے مراد جار قرابت اور جار ارض نہیں ہے البتہ جار دار مراد ہے۔

پھر اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جیران سے مراد وہ پڑوسی ہیں جن کا گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملاصق ہو ان کے دروازے قریب ہوں یا دور ہوں۔

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جیران سے ملاصقین بھی ہیں اور ساتھ ہی وہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو موصی کے محلّہ میں رہتے ہیں اور جو موصی کی مسجد کے نمازی ہیں۔

صاحبینؒ کا قول استحسان ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قیاس ہے، قیاس کی دلیل یہ ہے کہ جار مجاورت سے مشتق ہے اور مجاورت حقیقۃً ملاصقت کو کہتے ہیں، لہٰذا جن کا گھر موصی کے گھر سے متصل ہے انہیں کے واسطے وصیت ہوگی اور جار ملاصق بھی پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا مستحق ہوتا ہے لوگ مستحق شفعہ نہ ہوں گے۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تمام جیران کی طرف وصیت کو پھیرنا متعذر ہے کیونکہ جار قرابت اور جار ارض اس میں داخل نہیں ہیں بلکہ اس میں تخصیص کی گئی ہے تو اس کو اخص الخصوص کی طرف پھیرا جائے گا اور اخص الخصوص جار ملاصق ہے۔

استحسانی دلیل

وجه الاستحسان ان هولاء كلهم يسمون جيرانا عرفا وقد تايد بقوله ﷺ لا صلوة لجار المسجد الافى المسجد و فسره بكل من سمع النداء ولان المقصد برا لجيران واستحبابه ينتظم الملاصق وغيره الاانه لا بد من الاختلاط و ذالك عند اتحاد المسجد

ترجمہ ...... استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام لوگ عرفاً پڑوسی کہلاتے ہیں اور رسول ﷺ کے فرمان سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں اور (حضرت علیؓ نے) اس کی تفسیر کی ہے ہر اس شخص کے ساتھ جو اذان کو سنے اور اس لئے کہ وصیت کا مقصد پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنا ہے اور اس کا استحباب ملاصق اور غیر ملاصق دونوں کو شامل ہے مگر اختلاط ضروری ہے اور اختلاط مسجد کے اتحاد کے وقت ہوگا۔

تشریح ...... یہ استحسان کی دلیل ہے کہ عرف میں ان تمام لوگوں کو جو ایک محلّہ میں رہتے ہیں اور ایک مسجد کے نمازی ہیں پڑوسی کہا جاتا ہے، اور ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، حدیث میں ہے،، لاصلوٰۃ لجارِ المسجد الا فی المسجد، یعنی مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوگی، تو یہاں مسجد کے پڑوسی وہ شخص مراد نہیں ہے جس کا گھر مسجد سے متصل ہے بلکہ ہر وہ شخص مراد ہے جو بھی مسجد کی اذان کو

نے حضرت علیؓ سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے نیز موصی کا مقصد یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرے اور یہ امر مستحب ہے لیکن بھلائی کا یہ استحباب فقط ملاصق ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ملاصق اور غیر ملاصق دونوں کو شامل ہے لیکن موصی اور موصی لہ میں کچھ نہ کچھ تو اختلاط ہونا چاہئے تو اتحاد مسجد کی وجہ سے اختلاط متحقق ہے۔

پڑوسی کے بارے میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

وما قاله الشافعي الجوار الى اربعين دار ابعيد وما يروى فيه ضعيف قالو او يستوى فيه الساكن والمالك والذكر والانثى والمسلم والذمى لان اسم الجاريتنا ولهم ويدخل فيه العبد الساكن عنده لا طلاقه ولا يدحل عندهما لان الوصية له وصية لمولاه وهو غير ساكن

ترجمہ...... اور جو بات کی شافعیؒ نے فرمائی ہے کہ پڑوس چالیس ۴۰ گھروں تک ہے یہ بات بعید ہے اور اس میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے مشائخ نے فرمایا ہے اور اس میں ساکن اور مالک اور مرد اور عورت اور مسلم اور ذمی سب برابر ہیں اس لئے کہ لفظ جار ان تمام کو شامل ہے اور اس میں ساکن غلام داخل ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک جار کے مطلق ہونے کی وجہ سے اور صاحبینؒ کے نزدیک داخل نہیں ہے اس لئے کہ غلام کے لئے وصیت ہوگی حالانکہ آقا ساکن نہیں ہے۔

تشریح...... امام شافعیؒ نے فرماتے ہیں کہ پڑوس چالیس گھروں تک ہے یعنی ہر سمت سے دس دس گھر تک۔ اور یہ حدیث بھی ہے جس سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے، تو اس کے بارے میں مصنفؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کی یہ بات بعید از قیاس ہے اور جو حدیث انہوں نے پیش کی ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔

پھر علی اختلاف القولین جار میں خواہ وہ ہو جو اس مکان یا محلّہ میں مالکانہ حیثیت سے رہتا ہو یا وہ ہو جو عاریت وغیرہ کے طریقہ پر رہتا ہو اور خواہ مرد ہو یا عورت ہو اور خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو اس لئے کہ لفظ جار میں یہ سب داخل ہیں۔

اور اگر کوئی غلام رہتا ہو اور اس کا گھر موصی کے گھر سے ملاصق ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ غلام بھی وصیت میں داخل ہوگا اس لئے کہ جار کے اطلاق میں غلام بھی داخل ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غلام ساکن جار کے اندر داخل ہوگا اور وہ وصیت کا حقدار نہ ہوگا کیوں کہ اگر غلام کے لئے وصیت کو جائز مان لیا جائے تو یہ وصیت اس کے آقا کیلئے ہو جائے گی حالانکہ یہاں نہیں رہتا اور نہ وہ موصی کا پڑوسی ہے۔

اصہار کا مصداق اول

قال ومن اوصى لا صهار ه فالو صية لكل ذى رحم محرم من امراته لماروى ان النبى عليه السلام لما تزوج صفية اعتق كل من ملك من ذى رحم محرم منها اكراما لها وكانو ا يسمون اصهار النبى عليه السلام وهذا التفسير اختيار محمد وابى عبيدة

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے اصہار کے لئے وصیت کی تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لئے ہوگی بوجہ اس کے کہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب صفیہؓ سے نکاح کیا تو ہر اس شخص نے آزاد کر دیا تھا جو ان کے ذی رحم محرم کا مالک تھا صفیہؓ کے اکرام

میں اور یہ لوگ نبی ﷺ کے اصہار کے ساتھ نام رکھے جاتے تھے اور یہ تفسیر محمدؒ اور ابوعبیدہؒ کا مختار ہے۔

تشریح ...... ایک شخص نے اپنے اصہار کے لئے وصیت کی تو اس وصیت میں کون لوگ داخل ہوں گے تو فرمایا کہ بیوی کے تمام ذورحم محرم اس میں داخل ہوں گے، یعنی اس کی بیوی کے اہل قرابت میں سے وہ مرد داخل ہوں گے جس کی قرابت اس کی زوجہ کے ساتھ از راہ نسب اس طرح ہو کہ شرعاً وہ اس کا محرم ہو یعنی اس کی زوجہ کو اس کے ساتھ دائمی نکاح کرنا حرام ہو جیسے زوجہ کا باپ اور بھائی اور ماموں اور چچا وغیرہ، پس عورت کے ایسے قرابتی اس کے شوہر کے اصہار ہیں اور یہ عرب کا عرف ہے اور ہمارے ملک میں صہر کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

اب اس پر مصنفؒ نے ایک روایت کا حوالہ دیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تھا تو ان کے ذی رحم محرم جس صحابیؓ کی ملکیت میں تھا اس نے صفیہؓ کے اکرام میں اس کو آزاد کر دیا اور یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے اصہار کہلاتے تھے اور اصہار سے یہ لوگ مراد ہیں، اس تفسیر کو امام محمدؒ نے اور ابوعبیدہؒ نے اختیار کیا ہے۔

تنبیہ-ا ...... یہاں مصنفؒ نے حضرت صفیہؓ کا ذکر کیا ہے جو یہودِ خیبر کے شرفاء میں سے تھیں، جب خیبر فتح کیا گیا تو یہ گرفتار ہو کر آئیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمالیا اور پھر آزاد کر کے اسی آزادی پر ان سے نکاح فرمالیا، اور یہودِ خیبر کو رہا کر کے بطور کاشتکاروں کے بٹائی پر جب تک چاہیں چھوڑ دیا پس صفیہؓ کے اقارب کو بصفت مذکورہ آزاد نہیں کیا گیا لہٰذا صفیہؓ کا ذکر سہواً ہوا ہے، اور حقیقت میں یہ واقعہ جویریہ بنت الحارث کا ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ جویریہؓ کا باپ بنومصطلق کا سردار تھا جب نبی مصطلق سے جہاد کیا گیا اور ان کو قید کیا گیا تو جویریہؓ بھی قید ہو کر آئیں اور یہ ثابت بن قیسؓ یا ان کے چچیرے بھائی کے حصہ میں پڑیں اور انھوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ کرلیا اور جویریہؓ بہت خوبصورت تھیں۔

خلاصۂ کلام ...... جویریہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں جویریہ بنت الحارث ہوں اور جو کچھ میرا واقعہ ہوا وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے اور میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں پڑی ہوں، پس میں نے اپنی جان کو مکاتبہ کرلیا ہے پس میں آپ کے دربار میں اس لئے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ سے اداءِ کتابت کے بارے میں سوال کروں۔

تو آپ نے فرمایا کہ تو اس سے بہتر چاہتی ہے اس نے کہا وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں تیرا بدلِ کتابت ادا کردوں اور تجھ سے نکاح کرلوں اس نے اس کو منظور کرلیا۔ اور آپ نے بدلِ کتابت ادا کر دیا اور آپ نے ان سے نکاح کرلیا جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے جویریہؓ سے نکاح کرلیا ہے تو جس کے قبضہ میں بنومصطلق سے کوئی قیدی مملوک تھا اس نے اس کو رہا کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ لوگ تو اب آنحضرت ﷺ کے اصہار ہیں الخ۔

مصداق ثانی

وكــذا يدخل فيه كل ذى رحم محرم من زوجة ابيه و زوجة ابنه و زوجة كل ذى رحم محرم منه لان الكل اصهار

ترجمہ ...... اور ایسے ہی اس میں موصی کے باپ بیوی کا ہر ذی رحم محرم داخل ہے اور موصی کے بیٹے کی بیوی کا اور موصی کے ہر ذی رحم محرم

کی بیوی کا اسلئے کہ یہ تمام اصہار ہیں۔

تشریح..... فرماتے ہیں کہ صہار میں عموم ہے اپنی بیوی کے ذورحم محرم جیسے اصہار میں داخل ہیں اسی طرح اس میں باپ کی بیوی کے ذورحم محرم اور بیٹے کی بیوی کے ذورحم محرم اور ہر ذی رحم محرم کی بیوی کے ذی رحم محرم داخل ہیں۔اس لئے کہ یہ تمام لوگ اصہار میں داخل ہیں لیکن یہ عرب کا عرف ہے اور ہمارے عرف میں اس سے مراد فقط خسر کو لیتے ہیں۔

اصہار وصیت کے کب تک مستحق ہوتے ہیں

ولو مات الموصى والمراة فى نكاحه اوفى عدته من طلاق رجعي فالصهر يستحق الوصية وان كانت فى عدة من طلاق رجعي فالصهر النكاح وهو شرط عندالموت

ترجمہ..... اور اگر موصی مرجائے اور عورت اس کے نکاح میں ہو یا اس کی طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو صہر وصیت کا مستحق ہوگا اور اگر وہ طلاقِ بائن کی عدت میں ہو تو صہر وصیت کے مستحق نہ ہوں گے اس لئے کہ صہریت کا بقاء نکاح کے بقاء کی وجہ سے ہوتا ہے اور نکاح موت کے وقت شرط ہے۔

تشریح..... جب موصی کا انتقال ہوا اس وقت عورت اس کے نکاح میں ہو یا اس وقت وہ طلاقِ رجعی کی عدت میں ہو تو اصہار وصیت کے مستحق ہوں گے کیونکہ نکاح باقی رہنے کی وجہ سے رشتۂ صہریت باقی ہے، اور اگر وہ طلاق بائن کی عدت میں ہو تو اصہار وصیت کے مستحق نہ ہوں گے اس لئے کہ نکاح باقی نہ ہونے کی وجہ سے رشتۂ صہریت ختم ہو چکا ہے اور استحقاق کے لئے ضروری ہے کہ موت کے وقت نکاح باقی ہو۔

اختان کیلئے وصیت کا حکم ومصداق اختان

قال ومن اوصى لا ختانه فالو صية لزوج كل ذات رحم محرم منه وكذا محارم الازواج لان الكل يسمى ختنا قيل هذا فى عرفهم وفى عرفنا لا يتنا ول الا زواج المحارم و يستوى فيه الحر والعبد والاقرب والابعد لان اللفظ يتناول الكل

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے اختان کے لئے وصیت کی تو اسکے ہر ذی رحم محرم کے شوہر کے لئے وصیت ہوگی اور اسی طرح ازواج کی ذورحم محرم (بھی داخل ہیں) کیونکہ سب کو ختن کہتے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ اہل عرب کے عرف میں ہے اور ہمارے عرف میں شامل نہ ہوگا۔مگر محارم کے شوہروں کو اور اس میں آزاد اور غلام اور اقرب اور ابعد سب برابر ہیں اس لئے کہ یہ لفظ سب کو شامل ہے۔

تشریح..... اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے اختان کو اتنا مال دے دینا تو اختان میں ہر اس عورت کا شوہر داخل ہوگا جو موصی کی ذی رحم محرم ہے جیسے بہن، پھوپھی وغیرہ۔

اور اگر عورت وصیت کرے تو اس کے شوہر کے ذورحم محرم اس میں داخل ہونگے اس لئے کہ ان سب کو ختن کہتے ہیں، اس پر بعض

مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ اہل کوفہ کا عرف ہے ورنہ ہمارے عرف میں اختان سے مراد صرف محارم عورتوں کے ازواج مراد ہوں گے۔

اور جب اس سے مراد محارم عورتوں کے ازواج ہیں تو پھر ان ازواج میں عموم ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو موصی کا قریبی رشتہ دار ہو یا نہ ہو اس لئے کہ لفظ ختن ان تمام کو شامل ہے۔

اقارب کیلئے وصیت کی تو کون کون اقارب میں داخل ہوگا، اقوال فقہاء

قال و من اوصى لا قاربه فهي للاقرب فالا قرب من كل ذى رحم محرم منه و لا يدخل فيه الوالدان و الولد و يكون ذالك للاثنين فصا عدا و هذا عند ابى حنيفة و قال صاحباه الوصية لكل من ينسب الى اقصى اب له فى الاسلام وهو اول اب اسلم او اول اب ادرك الاسلام و ان لم يسلم على حسب ما اختلف فيه المشائخ و فائدة الاختلاف تظهر فى اولا دابى طالب فانه ادرك الاسلام ولم يسلم

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے اقارب کے لئے وصیت کی تو وصیت اقرب کے لئے ہوگی پھر اس کے لئے جو اس کے بعد اقرب ہو یعنی موصی کا ہر ذی رحم محرم اور اس میں والدین اور اولا د داخل نہیں ہوں گے اور یہ وصیت دو یا زیادہ کے لئے ہوگی اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وصیت ہر اس شخص کیلئے ہوگی جو اسلام میں آخری باپ کی جانب منسوب ہو اور آخری باپ وہ پہلا باپ ہے جو مسلمان ہوا ہو یا وہ پہلا جس نے اسلام کو پایا ہو اگر چہ وہ مسلمان نہ ہوا ہو اس میں مشائخ کے اختلاف کے مطابق اور اختلاف کا فائدہ ظاہر ہوگا ابوطالب کی اولاد میں کہ ابوطالب نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان نہیں ہوا۔

تشریح ...... زید نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی تو اس میں کون داخل ہوگا تو اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اقرباء میں وہ تمام حضرات داخل ہوں گے جو اسلام کے اندر آخری باپ کی جانب منسوب ہوں گے، اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کی تفسیر میں مشائخ کے دو قول ہیں:-

۱- یعنی وہ پہلا باپ جو اولاً اسلام لایا ہو جیسے اولادِ علیؓ۔

۲- پہلا وہ باپ جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اور وہ مسلمان نہ ہوا ہو جیسے اولادِ ابوطالب، کہ جب کوئی علوی اپنے اقرباء کے لئے وصیت کرے تو پہلی تفسیر کے اعتبار سے اقرباء میں فقط اولادِ علی داخل ہوگی اور اولادِ جعفر اور اولادِ عقیل اس میں داخل نہ ہوگی۔
اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے اس میں اولادِ علیؓ کے ساتھ ساتھ اولادِ جعفر اور اولادِ عقیل بھی داخل ہوگی۔

خلاصۂ کلام ...... موصی سے لے کر آخری باپ تک جو اسلام میں ہے صاحبینؒ کے نزدیک درمیان کی تمام اولادِ خواہ مرد ہوں یا عورتیں، اقرب ہوں یا ابعد سب اس وصیت میں داخل ہوں گے، یہ سب تفصیل صاحبینؒ کے قول پر ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں چھ چیزیں ملحوظ ہیں:-

۱- مستحق وہ ہوگا جو موصی کا ذی رحم محرم ہوگا۔

۲- وہ ذی رحم محرم خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے۔

۳- اور اس وصیت کا حقدار صرف وہ ہوگا جو موصی کا وارث نہ ہو۔

۴- اس میں الاقرب فالاقرب کالحاظ ہوگا لہٰذا اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وصیت نہیں ملے گی۔

۵- مستحق وصیت یہاں دو یا اس سے زیادہ ہوں اس لئے کہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے جس کا اقل فرد یہاں دو ہے۔

۶- اس وصیت میں والدین اور اولاد داخل نہ ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل

لهما ان القريب مشتق من القرابة فيكون اسما لمن قامت به فينتظم بحقيقته مواضع الخلاف

ترجمہ ..... صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قریب قرابت سے مشتق ہے تو قریب ہر اس شخص کا نام ہوگا جس کے ساتھ قرابت قائم ہو تو قریب اپنی حقیقت کے اعتبار سے مواضع خلاف کو شامل ہوگا۔

تشریح ..... یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے فرماتے ہیں کہ قریب قرابت سے مشتق ہے تو جس کے ساتھ قرابت قائم ہوگی اسی کو قریب کہا جائے گا تو جو شخص اپنے خاندان میں سے ہے خواہ ذو رحم محرم ہو یا محرم نہ ہو قرابت تو ہر ایک کے ساتھ ہی قائم ہے لہٰذا سب کو قریب کہا جائے گا۔

امام صاحبؒ کی دلیل

وله ان الوصية اخت الميراث و فى الميراث يعتبر الاقرب فالأقرب والمراد بالجمع المذكور فيه اثنان فكذا فى الوصية

ترجمہ ..... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں الاقرب فالاقرب کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس جمع سے مراد جو میراث میں ذکر کی جاتی ہے دو ہیں پس ایسے ہی وصیت میں۔

تشریح ..... یہاں سے امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کا آغاز ہے فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں الاقرب فالاقرب کا اعتبار ہوتا ہے جس کی تفصیل باب العصبات سراجی میں مذکور ہے تو اسی طرح وصیت کے اندر بھی الاقرب فالاقرب کا اعتبار ہوگا، نیز میراث کے اندر جمع سے مراد دو ہیں تو اسی طرح وصیت کے اندر بھی جمع سے مراد کم از کم دو ہوں گے۔

اقرباء کیلئے وصیت کا مقصد

والمقصد من هذه الوصية تلافى ما فرط فى اقامة واجب الصلة وهو يختص بذى الرحم المحرم منه ولا يدخل فيه قرابة الولاد فانهم لا يسمون اقرباء ومن سمى والده قريبا كان منه عقوقا وهذا لان القريب فى عرف اللسان من يتقرب الى غيره بوسيلة غيره و تقرب الوالد والولد بنفسه لا بغيره ولا معتبر بظاهر اللفظ بعد انعقاد الاجماع على تركه فعنده يقيد بما ذكرنا وعندهما باقصى الاب فى الاسلام وعند الشافعىؒ بالاب الادنى

ترجمہ ..... اور اس وصیت کا مقصد اس کوتاہی کی تلافی ہے جو اس سے واجب صلہ کے ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے اور یہ (صلہ رحمی کا وجوب) موصی کے ذو رحم محرم کے ساتھ مختص ہے اور اس میں ولاد کی قرابت داخل نہ ہوگی اس لئے کہ ان کا نام اقرباء نہیں

رکھا جاتا اور جس نے اپنے والد کا نام قریب رکھا تو یہ نام رکھنا اس کی جانب سے نافرمانی ہوگا اور یہ اس لئے کہ قریب عرفِ لسانی میں وہ شخص ہے جو اپنے غیر کی جانب اپنے غیر کے وسیلہ سے قرابت رکھے اور والد اور اولاد کی قرابت بذاتِ خود ہوتی ہے اور ظاہر لفظ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اجماع کے منعقد ہونے کے بعد ظاہر کے چھوڑنے پر پس ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقرباء مقدر رہوں گے اس طریقہ کے ساتھ جس کو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اسلام کے اندر آخری باپ کے ساتھ اور شافعیؒ کے نزدیک قریبی باپ کے ساتھ۔

تشریح ...... نیز امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شریعت نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور قطع رحمی سے منع کیا ہے اور قطع رحمی کرنے والوں کے متعلق وعید شدید وارد ہوئی ہے، تو موصی کا مقصد اقرباء کے لئے وصیت کرنے سے یہ ہے کہ زندگی کے اندر صلہ رحمی کے سلسلہ میں جو کوتاہی اس سے ہوئی ہے اس کی تلافی ہو سکے، اور صلہ رحمی ذو رحم محرم کے ساتھ واجب ہے اوروں کے ساتھ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ذو رحم محرم تنگدست ہو تو اس پر ان کا نفقہ واجب ہے اور جو ذو رحم محرم نہ ہو اس کا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے۔

اور والدین اور اولاد اقرباء میں داخل نہیں ہیں لہٰذا وہ اس وصیت کے اندر بھی داخل نہ ہوں گے۔

کیونکہ ارشادِ باری ہے "الوصیۃُ للوالدین والا قربین بالمعروف حقاً علی المتقین" تو اقربین کے والدین پر عطف کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اقربین میں والدین داخل نہیں ہیں اور جب اقربین سے والدین خارج ہوگئے تو اولاد بھی خارج ہو جائے گی لہٰذا ان دونوں کو قریب نہیں کہا جائے گا۔

اور جو اپنے باپ کو قریب کہے تو وہ نافرمان اور عساق کہلاتا ہے جیسے بعض احمقوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ وہ معمولی سا کوئی عہدہ پا کر باپ کو باپ کہنے سے شرماتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے قریبی ہیں۔

نیز امام صاحبؒ کی دلیل ...... یہ بھی ہے کہ عرفِ لسانی میں قریب اس کو کہتے ہیں جس کے قرابت کے غیر کے واسطہ سے ہو اور والدین اور اولاد کی قرابت بلا واسطہ ہوتی ہے۔

سوال ...... اقرباء میں بظاہر تمام قریبی لوگ داخل ہیں تو الاقرب فالاقرب کے قاعدہ سے قرابت کے باوجود ان کو خارج کرنا لازم آتا ہے؟

جواب ...... پھر تو ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے تمام انسان اقرباء میں داخل ہیں کیونکہ سب موصی کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، تو تمام انسانوں کو وصیت میں داخل کرنا چاہئے مگر بالا جماع ظاہر کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ جب ظاہر کا اعتبار نہیں کیا گیا تو پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقرباء میں وہ قیودات ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک اقرباء سے مراد اسلام کے اندر جو آخری باپ ہے اس کی اولاد ہے (کما ذکرنا) اور امام شافعیؒ کے نزدیک جو قریبی باپ ہے اس کی اولاد اقرباء میں داخل ہوگی۔

چچا اور ماموں میں کون زیادہ اقرب ہے، اقوال فقہاء

قال و اذا اوصی لا قاربه وله عمان و خالان فالوصية لعميه عنده اعتبارا للاقرب كما فی الارث وعندهما بينهم ارباعاً اذهما لا يعتبر ان الاقرب

ترجمہ۔۔۔۔ قدوریؒ نے فرمایا اور جب کہ اس نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو اس کے دونوں چچاؤں کے لئے ہوگی ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقرب کا اعتبار کرتے ہوئے جیسے میراث میں اور صاحبینؒ کے نزدیک وصیت چار حصوں پر ہوگی اس لئے کہ صاحبینؒ اقرب کا اعتبار نہیں کرتے۔

تشریح۔۔۔۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وصیت میں میراث کے مثل الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جاری ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ قاعدہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں سے دو چچا اور دو ماموں موجود ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چچا ماموں سے اقرب ہیں لہٰذا پوری وصیت دونوں چچا لیں گے اور ماموں کو کچھ نہیں ملے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک وصیت کے چار حصے کردیئے جائیں اور ہر ایک برابر کا شریک ہوگا۔

موصی نے اقرباء کیلئے وصیت کی اور فقط چچا اور دو ماموں ہیں حکم

ولو ترک عما و خالين فللعم نصف الوصية والنصف للخالين لانه لا بد من اعتبار معنى الجمع وهو الاثنان فی الوصية كما فی الميراث

ترجمہ۔۔۔۔ اور اگر موصی نے ایک چچا اور ماموں چھوڑے تو چچا کے لئے وصیت کا نصف ہے اور نصف دونوں ماموں کے لئے اس لئے کہ جمع کے معنیٰ کا اعتبار ضروری ہے اور وہ وصیت میں دو ہیں جیسے میراث میں۔

تشریح۔۔۔۔ اگر موصی نے اقرباء کے لئے وصیت کی تھی اور اس نے فقط ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے ہیں تو چونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے جس کے لئے کم از کم دو افراد درکار ہیں اور چچا صرف ایک ہے اس لئے وہ چچا صرف نصف کا حقدار ہوگا اور نصف بچ گیا تو اس کو دونوں ماموں لیں گے۔

واحد کا صیغہ استعمال کرنے کی صورت میں کون سا اقرب شمار کیا جائے گا

بخلاف ما اذا اوصى لذی قرابته حيث يكون للعم كل الوصية لان اللفظ للفرد فيحرز الواحد كلها اذ هو الاقرب

ترجمہ۔۔۔۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی نے اپنے قرابت والے کے لئے وصیت کی ہو اس حیثیت سے کہ پوری وصیت چچا کے لئے ہوگی اس لئے کہ یہ واحد کا لفظ ہے پس ایک پوری وصیت کو لے گا اس لئے کہ یہی اقرب ہے۔

تشریح۔۔۔۔ اگر موصی نے جمع کا صیغہ اقرباء استعمال نہ کیا ہو بلکہ واحد کا صیغہ استعمال کیا ہو یعنی یوں کہا ہو کہ میرے قرابت والے کیلئے وصیت ہے تو اب فقط چچا تنہا پوری وصیت کا حقدار ہوگا اور دونوں ماموں بالکل وصیت سے محروم ہونگے کیونکہ یہاں اکیلا چچا ہی اقرب

ہونے کی وجہ سے پوری وصیت کو لے لیگا۔

جمع کے صیغے (اقرباء) سے وصیت کی اور موصی کا ایک چچا ہے تو حکم

ولو کان له عم واحد فله نصف الثلث لما بيناه

ترجمہ۔۔۔۔۔۔اور اگر اس کے لئے ایک چچا ہو تو اس کے لئے ثلث کا نصف ہے اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح۔۔۔۔۔۔اگر موصی نے جمع کے لفظ سے وصیت کی یعنی لفظ اقرباء کے ساتھ اور موصی کا فقط ایک ہی چچا ہے تو اصولِ مذکور کے مطابق اس چچا کو صرف ثلث کا نصف ملے گا۔

چچا اور پھوپھی کی قرابت ماموں اور خالہ کی قرابت سے اقوی ہے

ولو ترك عما وعمة وخالا و خالة فالوصية للعم والعمة بينهما بالسوية لا ستواء قرابتهما وهي اقوى والعمة وان لم تكن وارثة فهي مستحقة للوصية كما لو كان القريب رقيقاً او كافراً

ترجمہ۔۔۔۔۔۔اور اگر موصی نے ایک چچا اور ایک پھوپھی اور ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑے ہوں تو وصیت چچا اور پھوپھی کے لئے ہوگی ان دونوں کے درمیان برابر ہوگی ان دونوں کی قرابت کے برابر ہونے کی وجہ سے اور یہ قریب (چچا اور پھوپھی کی) اقویٰ ہے (ماموں اور خالہ کی قرابت سے) اور پھوپھی اگر چہ وارث نہیں ہے پس وہ وصیت کی مستحق ہے جیسے اگر قرابت غلام یا کافر ہو۔

تشریح۔۔۔۔۔۔چچا اور پھوپھی کی قرابت ماموں اور خالہ کی قرابت سے اقویٰ ہے لہٰذا جب یہ چاروں جمع ہو جائیں تو وصیت چچا اور پھوپھی کو ملے گی اور ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دی جائے گی کیونکہ دونوں کی قرابت مساوی ہے۔

اور پھوپھی اگر چہ وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ نہ اصحاب الفرائض میں سے ہے اور نہ عصبہ ہے لیکن وصیت کی وہ مستحق ہوگی جیسے کافر اور غلام وارث نہیں ہوتے لیکن اگر اقرباء کے لئے وصیت کی جائے اور اس کے اقرباء میں کافر یا غلام ہے تو وہ وصیت کے حقدار ہوتے ہیں اسی طرح یہاں پھوپھی وصیت کی حقدار ہوگی۔

جمع کے صیغے اقربا سے وصیت کی اور محرم کوئی نہیں ہے تو وصیت باطل ہے

وكذا اذا اوصى لذوي قرابته او لا قربائه او لانسبائه في جميع ما ذكرنا لان كل ذالك لفظ جمع ولو انعدم المحرم بطلت الوصية لانها مقيدة بهذا الوصف

ترجمہ۔۔۔۔۔۔اور ایسے ہی جب کہ موصی نے وصیت کی اپنے قرابت والوں کے لئے یا اپنے اقرباء کے لئے یا اپنے نسب والوں کے لئے ان تمام تفصیلات کے بارے میں جو کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک جمع کا لفظ ہے اور اگر محرم معدوم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ وصیت اس وصف کے ساتھ مقید ہے۔

تشریح۔۔۔۔۔۔جمع کا لفظ اقرباء استعمال کرنے کا کیا حکم ہے اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے اور یہاں جو الفاظ مذکور ہیں سب جمع کے الفاظ ہیں لہٰذا ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو جمع کے لفظ اقرباء کا گزر چکا ہے اور اگر موصی نے اقرباء کے لئے وصیت کی ہے اور اس کا کوئی محرم نہیں ہے تو

وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ اس کی غرض صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی ذو رحم محرم کے ساتھ مختص ہے تو محرم کے معدوم ہونے کی صورت میں وصیت ہی کو باطل قرار دیا جائے گا۔

فلاں کے اہل کیلئے وصیت کی تو کون مصداق ہوگا، اقوال فقہاء

قال ومن اوصى لاهل فلان فهي على زوجته عند ابي حنيفة و قالا يتناول من يعولهم و تضمهم نفقته اعتبارا للعرف وهو مؤيد بالنص قال الله تعالىٰ و اتوني باهلكم اجمعين وله ان اسم الاهل حقيقة في الزوجة يشهد بذالك قوله تعالىٰ و سار باهله ومنه قولهم تاهل ببلدة كذا و المطلق ينصرف الى الحقيقة

ترجمہ ...... مصنفؒ نے فرمایا اور جس نے فلاں کے اہل کے لئے وصیت کی تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک وصیت اس کی زوجہ پر محمول ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو شامل ہوگی جو اسکی عیال میں ہیں اور جن کو اس کا نفقہ ملتا ہے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اور نص سے اس کی تائید ہوتی ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "و أتوني باهلكم "اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اہل زوج کے اندر حقیقت ہے فرمان باری تعالیٰ "وسار باهله" اس کا شاہد ہے اور اسی سے ان کا قول ہے "تأهل ببلدة كذا "اور مطلق کامل کی جانب منصرف ہوتا ہے۔

تشریح ...... زید نے وصیت کی کہ فلاں کے اہل کو میرا اتنا مال دیدینا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل سے مراد زوجہ ہوگی اور وہی وصیت کی حقدار ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک اہل میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو زید کی عیال میں داخل ہوں اور زید ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہو جیسے بیوی بچے اور غلام و خادم وغیرہ۔

صاحبینؒ نے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ عرف میں یہ تمام لوگ اہل میں داخل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کا یہ قول نقل کیا ہے "و أتوني باهلكم اجمعين" جو انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم اپنے اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ، تو یہاں اہل میں سب داخل ہیں یعنی بیوی اور بچے اور غلام و خادم وغیرہ۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ لفظ اہل کے حقیقی معنیٰ زوجہ کے ہیں اور دوسروں پر بطریق مجاز بولا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "وسار باهله" یعنی وہ اپنی بیوی کو لے چلے، اور اہل عرب کا قول ہے "تأهل ببلده كذا" یعنی فلاں شہر میں اہل بنایا یعنی زوجہ نکاح میں لی۔

اور جب لفظ مطلق بولا جاتا ہے اور کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو اس کو معنی مجازی کی طرف پھیر دے تو لفظ سے اس کے حقیقی معنیٰ مراد ہوا کرتے ہیں اور اگر کوئی قرینہ موجود ہو جیسے حضرت یوسفؑ کے کلام میں تو معنی مجازی مراد لیے جاتے ہیں۔

لفظ "آل فلاں" سے وصیت کا حکم

ولو اوصى لأل فلان فهو لاهل بيته لان الال القبيلة التي ينسب اليها ولو اوصى لاهل بيت فلان يدخل فيه ابوه وجده لان الاب اصل البيت

ترجمہ ...... اور اگر اس نے آل فلاں کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت اس کے اہل بیت کے لئے ہوگی اس لئے کہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی

جانب وہ شخص منسوب کیا جاتا ہے اور اگر اس نے فلاں کے اہل بیت کے لئے وصیت کی تو اس میں فلاں کا باپ اور اس کا دادا داخل ہوں گے اس لئے کہ باپ بیت کی اصل ہے۔

تشریح..... اگر زید نے مثلاً آل خالد کے لئے وصیت کی تو خالد کے گھرانے اور خاندان کے لوگ اس میں داخل ہوں گے اس لئے کہ یہاں آل سے وہ قبیلہ ہے جس کی جانب خالد کی نسبت ہوتی ہے، مثلاً آل امام زین العابدینؒ کے لئے وصیت کی تو اس سے مراد ان کا گھرانہ ہوگا یعنی پورا قبیلہ یعنی اولاد علیؓ میں سے جو مذکر ہیں وہ اور جو مؤنث ہیں البتہ بنات و اخولت کی اولاد اس میں شامل نہ ہوگی۔

اور اگر زید نے خالد کے اہل بیت کے لئے وصیت کی تو خالد کا گھرانہ اس وصیت میں داخل ہوگا اور خالد کے باپ دادا بھی اس وصیت میں داخل ہوں گے اس لئے کہ گھرانہ کی اصل تو باپ دادا ہی ہیں۔

''اہل نسب یا اپنی جنس'' کے الفاظ سے وصیت کا حکم اور مصداق کی تعیین

ولو اوصى لاهل نسبه او لجنسه فالنسب عبارة عمن ينسب اليه والنسب يكون من جهة الاباء وجنسه اهل بيت ابيه دون امه لان الانسان يتجنس بابيه بخلاف قرابته حيث يكون من جانب الام والاب

ترجمہ..... اور اگر اس نے اپنے ہم نسب یا اپنی جنس کے لئے وصیت کی تو نسب مراد ہے ان لوگوں سے جن کی جانب یہ منسوب کیا جاتا ہے اور نسب آباء کی جانب سے ہوا کرتا ہے اور اس کی جنس اپنے باپ کے گھرانے کے لوگ ہیں نہ کہ اس کی ماں کے گھرانے کے اس لئے کہ انسان اپنے باپ کی جنس سے ہوتا ہے بخلاف انسان کی قرابت کے اس حیثیت سے کہ وہ ماں اور باپ کی جانب سے ہوتی ہے۔

تشریح..... اگر زید نے اپنے اہل نسب کے لئے یا اپنی جنس کے وصیت کی تو ان دونوں صورتوں میں وصیت کے اندر اس کے گھرانے کے وہ لوگ داخل ہوں گے جن کا نسب اس شخص سے ملتا ہے جس سے موصی کا ملتا ہے مثلاً کوئی علوی وصیت کرتا ہے کہ یہ میرے اہل نسب کے لئے یا میری جنس کے لئے وصیت ہے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جن کا نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے یعنی باپ کی طرف سے وہ علوی ہوں کیونکہ نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماں کی طرف سے نہیں ہوتا، اور جنس سے بھی اس کے باپ کا گھرانہ مراد ہے۔ اس لئے کہ انسان اپنے باپ کے گھرانے کا ہم جنس ہوتا ہے ماں کے گھرانے کا ہم جنس نہیں ہوتا اور قرابت دونوں کے لئے عام ہے تو اہل قرابت باپ کی طرف کے لوگ بھی ہوں گے اور ماں کی طرف کے بھی۔

بنوفلاں کے یتیموں، اپاہجوں، اندھوں اور بیوہ عورتوں کیلئے وصیت کا حکم

ولو اوصى لايتام بنى فلان او لعميا نهم اولزمناهم او لا راملهم ان كانوا قوما يحصون دخل فى الوصية فقراؤهم واغنياؤهم ذكورهم واناثهم لانه امكن تحقيق التمليك فى حقهم والوصية تمليك وان كانوا لا يحصون فالوصية فى الفقراء منهم لان المقصود من الوصية القربة و هى فى سد الخلة ورد الجوعة وهذا الاسامى تشعر بتحقق الحاجة فجاز حمله على الفقراء

ترجمہ...... اور اگر اس نے بنوفلاں کے یتیموں کے لئے یا ان کے اندھوں کے لئے یا ان کے اپاہجوں کے لئے یا ان کی بیوہ عورتوں کے لئے وصیت کی تو اگر وہ ایسے لوگ ہیں جن کو گنا جا سکتا ہو تو وصیت میں ان کے فقراء اور ان کے مالدار داخل ہوں گے ان کے مرد اور ان کی عورتیں، اس لئے کہ ان کے حق میں تملیک کی تحقیق ممکن ہے اور وصیت تملیک ہی ہے اور اگر وہ گنے نہ جا سکتے ہوں تو وصیت ان میں سے فقراء کے لئے ہوگی اس لئے کہ وصیت کا مقصود قرابت ہے اور قرابت حاجت کے دور کرنے میں ہے اور بھوک کے دور کرنے میں اور یہ اسامی حاجت کے تحقق کی خبر دیتے ہیں تو اس کو فقراء پر محمول کرنا جائز ہے۔

تشریح...... زید نے وصیت کی کہ بنوخالد میں سے جو یتیم ہوں ان کے لئے وصیت ہے یا بنوخالد میں سے جو لوگ اندھے ہیں ان کے لئے وصیت ہے یا بنوخالد میں سے جو اپاہج ہیں ان کے لئے وصیت ہے یا بنوخالد میں سے جو بیوہ عورتیں ہیں ان کے لئے وصیت ہے تو ان میں کون کون داخل ہوں گے۔ جب کہ بعض یتیم فقیر ہوتے ہیں اور بعض مالدار ہوتے ہیں ایسے ہی کچھ اندھے غریب ہوتے ہیں اور کچھ بہت مالدار ہوتے ہیں اور اپاہجوں اور بیوگان کا بھی یہی حال ہے، تو اس وصیت میں جو یتیم اور اندھے وغیرہ ہیں سب داخل ہیں خواہ غریب ہوں یا مالدار یا فقط فقراء اور مساکین ہی داخل ہوں گے؟

تو اس کے لئے ایک اصول بیان فرمایا کہ اگر یہ لوگ یعنی بنوخالد کے ایتام وغیرہ قابل احصاء ہوں تو اور حکم ہے اور اگر قابل احصاء نہ ہوں تو اور حکم ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب بغیر حساب و کتاب یعنی مردم شماری کے ان کا احصاء ہو سکے تو یہ قابل احصاء شمار کئے جائیں گے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر وہ سو سے زیادہ ہوں تو وہ نا قابل احصاء ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمدؒ کا قول بھی اسی کی جانب مشیر ہے۔ (کذا فی فتاویٰ قاضیخان)

تو اگر یہ لوگ قابل احصاء ہوں تو وصیت میں فقراء اور مالدار لوگ جو اپاہج وغیرہ ہیں سب داخل ہوں گے اور اگر نا قابل احصاء ہوں تو فقط فقراء داخل ہونگے اور مالدار داخل نہ ہوں گے، کیوں؟

اس لئے کہ اول صورت میں ان سب کو مالک بنا دینا ممکن ہے اور مالک بنا دینا ہی وصیت ہے لہذا پہلی صورت میں ثلث مال کو ان لوگوں میں سے جو ہیں خواہ فقراء یا اغنیاء سب کے درمیان برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور یہ دوسری صورت میں فقط فقراء اس لئے داخل ہیں کہ یہاں موصی کا مقصود قربت ہے اور قربت کا مقصد یہاں یہ ہے کہ ان کی حاجت دور ہو سکے اور ان کے بھوک کی حالت دور ہو سکے اور ایتام و اپاہج وغیرہ یہ سب ایسے نام ہیں جو عموماً فقراء ہوتے ہیں تو یہ نام ہی خود تحقق حاجت کی جانب مشعر ہیں لہذا اب وصیت کو فقط فقراء پر محمول کیا جائے گا۔

بنوفلاں کے نوجوانوں یا نوجوان لڑکیوں کیلئے وصیت کرنے کا حکم

بخلاف ما اذا اوصی لشبان بنی فلان وھم لا یحصون او لا یامی بنی فلان وھم لا یحصون حیث تبطل الوصیة لانہ لیس فی اللفظ ما ینبئ عن الحاجة فلا یمکن صرفه الی الفقراء ولا یمکن تصحیحه تملیکا فی حق الکل للجهالة المتفاحشة وتعذر الصرف الیهم

ترجمہ...... بخلاف اس صورت کے جب کہ اس نے بنوفلاں کے جوانوں کے لئے وصیت کی ہو اور وہ گنے نہیں جا سکتے یا بنوفلاں کی جوان عورتوں کے لئے اور وہ گنی نہیں جا سکتیں اس حیثیت سے کہ وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ اس لفظ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حاجت کی خبر دے تو اس کو فقراء کی جانب صرف کرنا ممکن نہ ہوگا اور نہ تمام کو مالک بنا کر اس وصیت کی تصحیح ممکن ہے شدید جہالت کی وجہ سے اور ان تمام کی جانب صرف کے متعذر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح...... زید نے بنوخالد کے نوجوانوں کے لئے یا بنوخالد کی نوجوان لڑکیوں کے لئے وصیت کی اور یہ نوجوان طبقہ اتنا وسیع ہے کہ جس کو گنا نہیں جا سکتا تو یہاں وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ اگر تمام نوجوانوں کے لئے وصیت کو رکھا جائے اور تمام کو مالک بنایا جائے تو یہ متعذر ہے چونکہ وہ ان گنت ہیں اور ان میں بے شمار ہونے کی وجہ سے شدید جہالت ہے تو یہ صورت تو ممکن نہیں ہے اور اگر ان میں سے فقط فقراء کے حق میں وصیت سمجھی جائے تو یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ لفظ شبان سے اور اسی طرح لفظ ایامی سے کچھ حاجت کے معنی مترشح نہیں ہوئے جیسے ایتام وعمیان سے حاجت کے معنی مترشح ہوئے تھے لہذا جب کوئی صورت باقی نہ رہی تو ہم نے مجبوراً کہا کہ وصیت باطل ہے۔

فقراء اور مساکین کیلئے وصیت کرنا

و فی الوصیة للفقراء والمساکین یجب الصرف اثنین منهم اعتباراً لمعنی الجمع و اقله اثنان فی الوصایا علی مامر

ترجمہ...... اور فقراء اور مساکین کے لئے وصیت کرنے میں ان میں سے دو کی جانب صرف کرنا واجب ہے جمع کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اور جمع کا اقل فرد وصایا میں دو ہیں اس تفصیل کے مطابق جو گذر چکی ہے۔

تشریح...... ماقبل میں متعدد مرتبہ یہ بحث گذر چکی ہے کہ وصیت میں جمع کا اقل فرد دو ہے لہذا جب زید نے فقراء اور مساکین کے لئے وصیت کی تو ثلث کو کم از کم دو مسکین اور دو فقیر کو دینا واجب ہوگا۔

بنوفلاں کے الفاظ سے کون کون مستحق وصیت قرار پائے گا، اقوال فقہاء

و لو اوصی لبنی فلان یدخل فیه الاناث فی قول ابی حنیفة اول قوله وهو قولهما لان جمع الذکور یتناول الاناث ثم رجع و قال یتناول الذکور خاصة لان حقیقة الاسم للذکور وانتظامه للاناث تجوز الکلام لحقیقته بخلاف ما اذا کان بنو فلان اسم قبیلة او فخذ حیث یتناول الذکور و الاناث لانه لیس یرادبها اعیانها اذ هو مجرد الانتساب کبنی ادم ولهذا یدخل فیه مولی العتاقة والموالات و حلفاؤهم

ترجمہ...... اور اگر اس نے بنوفلاں کے لئے وصیت کی تو ابوحنیفہؒ کے پہلے قول کے مطابق اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے اس میں عورتیں داخل ہوں گی اس لئے کہ جمع مذکر عورتوں کو شامل ہوتی ہے پھر ابوحنیفہؒ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ فقط مردوں کو شامل ہوگا اس لئے کہ لفظ کی حقیقت مردوں کے لئے ہے اور اس کا عورتوں کو شامل ہونا بطور مجاز کے ہے اور کلام اپنی حقیقت پر محمول ہوتا ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ بنوفلاں قبیلہ یا فخذ کا نام ہو اس حیثیت سے کہ یہ (بنوفلاں) مردوں اور عورتوں کو شامل ہوگا اس لئے کہ اس سے مراد

ان کے اعیان نہیں ہوئے اس لئے کہ یہ تو محض انتساب ہے جیسے بنوآدم اور اسی وجہ سے اس میں مولی العتاقہ اور مولی الموالات اور ان کے خلفاء داخل ہیں۔

تشریح...... اگر زید نے بنوخالد کے لئے وصیت کی تو اب سوال یہ ہے کہ اس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی داخل ہیں یا نہیں تو اس میں تفصیل ہے موصی نے جو بنوخالد کہا ہے تو یہ دیکھا جائے کہ اس نام سے کوئی قبیلہ ہے یا موصی نے محض خالد کے بیٹوں کی تخصیص کے لئے بنون کہا ہے تو اگر اس نام سے کوئی قبیلہ ہو یعنی بنوخالد قبیلہ کا نام ہو جیسے بنوہاشم، بنوامیہ وغیرہ تو اب موصی کا مقصد بعینہ بیٹوں کو مراد لینا نہیں ہے کیونکہ یہاں بیٹوں کی تخصیص محض انتساب کی غرض سے ہے نہ کہ اس غرض سے کہ خصوصاً بنون ہی مراد ہیں جیسے بنوآدم بولا جاتا ہے اور یہ محض انتساب کے لئے ہے جس میں مرد اور عورتیں سب داخل ہیں۔

بہر حال اگر بنوخالد قبیلہ کا نام ہو تو اس میں مرد وعورت سب داخل ہوں گے اور بنوخالد میں بنوخالد کے معتق اور مولی الموالات اور ان کے خلفاء بھی داخل ہوں گے۔

اور اگر بنوخالد کسی قبیلہ کا نام نہ ہو تو صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ اس میں عورتیں بھی داخل ہوں گی اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا پہلا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کا قول مرجوع الیہ یہ ہے کہ اس میں عورتیں داخل نہ ہوں بلکہ یہ صرف مردوں کے لئے ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ جمع مذکر میں بھی عورتیں داخل ہیں جیسے مسلمون میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ بنون کے حقیقی معنی مردوں کے ہیں اور اس لفظ کا عورتوں کو شامل ہونا مجازاً ہے اور جب تک حقیقت سے کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو تو کلام کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔

تنبیہ-۱...... مولی العتاقہ، مثلاً بنوعباس یا بنوامیہ ایک غیر محصور جماعت ہے تو انہوں نے جس غلام کو آزاد کیا وہ ابھی بنوالعباس یا بنوامیہ ہی سے کہلائے گا۔ یعنی اسی قبیلہ کی طرف منسوب رہے گا حالانکہ وہ اولاد میں سے نہیں ہے۔

مولی الموالات، اس کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو ہم درس سراجی میں بیان کر چکے ہیں اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی قبیلہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تو وہ انھیں میں سے شمار کیا جائے گا اور اس کو مولی الموالات کہا جائے گا۔

حلیف، اس کی جمع حلفاء، جو قسم سے باہم مددگاری پر جمع ہو جائیں۔

تنبیہ-۲...... عرب کے انساب میں بیان اس طرح معروف تھا،

۱- اول شعب جس میں کئی قبائل ہوں جیسے قریش کہ شعب تو خزیمہ ہے جس کے تحت میں کئی قبائل ہیں اور شعیب کے تحت میں،

۲- عمارہ ہے جیسے قریش عمارہ ہے، اور عمارہ کے تحت میں،

۳- بطون ہوتے ہیں چنانچہ قصی بطن ہے اور بطن کے تحت میں،

۴- فخذ ہوتے ہیں چنانچہ ہاشم فخذ ہے اور فخذ کے تحت میں،

۵- فصیل ہے چنانچہ عباس فصیل ہے۔

ولدِ فلان کے الفاظ سے وصیت کا مصداق

قال ومن اوصى لولد فلان فالوصية بينهم والذكر والانثى فيه سواء لان اسم الولد ينتظم الكل انتظاماً واحدا

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے ولد فلاں کے لئے وصیت کی تو وصیت ان کے درمیان ہوگی اور مرد وعورت اس میں برابر ہوں گے اس لئے لفظ ولد سب کو شامل ہے انتظام واحد کے ساتھ۔

تشریح ..... ابن، فقط بیٹا مراد ہوتا ہے اور لفظ ولد سے بیٹا اور بیٹی دونوں مراد ہوتے ہیں بالفاظ دیگر ولد حقیقتاً مطلق اولاد کو شامل ہے لہذا جب زید نے ولد خالد کے لئے وصیت کی تو خالد کے لڑکے اور لڑکیاں اس وصیت میں برابر کے شریک ہوں گے۔

ورثا فلاں کے الفاظ سے وصیت کا مصداق

ومن اوصى لورثة فلان فالوصية بينهم للذكور مثل حظ الانثيين لانه لما نص على لفظ الورثة اٰذن ذالک بان قصده التفصيل كما في الميراث

ترجمہ ..... اور جس نے فلاں کے ورثا کے لئے وصیت کی پس وصیت ان کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر ہوگی اس لئے کہ جب اس نے لفظ ورثا کی تصریح کر دی تو اس نے اس بات کی خبر دیدی کہ اس کا ارادہ تفصیل کا ہے جیسے میراث میں۔

تشریح ..... زید نے وصیت کی کہ فلاں کے ورثا کے لئے وصیت ہے تو یہاں لڑکے اور لڑکی میں میراث کے مطابق بٹوارہ ہوگا یعنی جو لڑکی کو ملے گا اس سے دوگنا لڑکے کو ملے گا اس لئے کہ لفظ ورثا کی تصریح اس کی جانب مشعر ہے کہ زید کا ارادہ یہی ہے کہ لڑکوں کا حق لڑکیوں سے زیادہ ہو جیسے میراث میں ہوتا ہے۔

موالی کے لئے وصیت کی اور تعیین نہ کی تو کون لوگ مراد ہوں گے؟

و من اوصى لمواليه وله موال اعتقهم وموال اعتقوه فالوصية باطلة و قال الشافعيؒ في بعض كتبه ان الوصية لهم جميعاً و ذكر في موضع اخرانه يوقف حتى تصالحوا

ترجمہ ..... اور جس نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی اور اس کے کچھ موالی ہیں جن کو موصی نے آزاد کیا ہے اور کچھ ایسے موالی ہیں کہ جنھوں نے اس کو آزاد کیا ہے تو وصیت باطل ہے اور شافعیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ وصیت ان تمام لوگوں کے لئے ہوگی اور دوسری جگہ میں ذکر فرمایا ہے کہ اس کو روکا جائے گا یہاں تک کہ وہ اتفاق کر لیں۔

تشریح ..... زید پہلے غلام تھا تو اس کو اس کے ایک مولی یا چند نے آزاد کیا تھا تو وہ اس کے مولی اور موالی ہوں گے اور اس نے بھی کچھ غلاموں کو خرید کر آزاد کیا ہے تو یہ ان کا معتق اور مولی ہے اب زید وصیت کرتا ہے کہ میرے موالی کے لئے وصیت ہے اور اس کو واضح نہیں کیا کہ موالی سے کون مراد ہیں معتق مراد ہے یا معتَق تو اب کیا حکم ہوگا؟

ہمارے نزدیک تو یہ حکم ہے کہ وصیت باطل ہے،، اور شوافع کی بعض کتب میں یہ ہے کہ ان تمام موالی کے درمیان وصیت کو نافذ کر دیا

اوران کی بعض کتابوں میں یوں ہے کہ ابھی ٹھہرا جائے اور توقف سے کام لیا جائے اور جب دونوں فریق اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ثلث ہم دونوں فریق کے درمیان مساوی ہے تب ثلث کوان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔

امام شافعیؒ کی دلیل، احناف کی دلیل

له ان الاسم يتناولهم لان كلامنهم يسمى مولى فصار كالاخوة ولنا ان الجهة مختلفة لان احدهما يسمى مولى النعمة والاخر منعم عليه فصار مشتركا فلا ينتظمهما لفظ واحد في موضع الاثبات بخلاف ما اذا حلف لا يكلم موالى فلان حيث يتناول الاعلى والاسفل لانه مقام النفي ولاتنافي فيه

ترجمہ ...... شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ موالی ان تمام کو شامل ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کا نام مولیٰ رکھا جاتا ہے تو یہ اخوۃ کے مثل ہوگیا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت مختلف ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ایک کا نام مولی النعمۃ کہا جاتا ہے اور دوسرے کا منعم علیہ تو یہ لفظ مشترک ہوا تو لفظ واحد موضع اثبات میں ان دونوں قسموں کو شامل نہ ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کہ اس نے قسم کھائی ہو کہ فلاں کے موالی سے بات نہیں کرے گا اس حیثیت سے کہ یہ اعلیٰ اور اسفل کو شامل ہوگا اس لئے کہ یہ مقام نفی ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

تشریح ...... یہاں سے ہر فریق کی دلیل بیان کی جارہی ہے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جیسے لفظ ''اخوۃ'' ہر قسم کے بھائیوں کو شامل ہے اور بھائیوں کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں ہر قسم کے بھائی وصیت کے مستحق ہوتے ہیں اسی طرح لفظ موالی بھی ان دونوں قسم کے موالی کو شامل ہے تو یہاں بھی دونوں قسم کے موالی کے لئے وصیت صحیح ہونی چاہیے۔

ہماری دلیل ...... یہ ہے کہ موالی کو اخوۃ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ لفظ اخوۃ مشترک نہیں ہے بلکہ عام ہے جو تمام بھائیوں کو شامل ہے اور لفظ موالی عام نہیں ہے بلکہ مشترک ہے کیونکہ یہاں جہات مختلف ہیں ایک کو موالی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ مولی نعمت ہے یعنی وہ معتق ہے اور دوسرے کو مولی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ منعم علیہ یعنی معتق ہے تو لفظ موالی عام نہ ہوا بلکہ مشترک ہے کیونکہ یہاں جہالت مختلف ہیں ایک کو مولیٰ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ منعم علیہ ہے یعنی معتق ہے تو لفظ موالی عام نہ ہوا بلکہ مشترک ہوا اور قاعدہ یہ ہے کہ جب اس کا استعمال مقام اثبات میں ہو تو لفظ مشترک اپنے تحت میں داخل والوں سب کو شامل نہ ہوگا کیونکہ مشترک میں عموم نہیں ہوتا تو ان میں سے کسی ایک ہی کو مراد لیں گے اور یہ ترجیح بلا مرجح ہے لہذا وصیت کو باطل کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

اور نفی کے اندر مشترک میں عموم ہوتا ہے لہذا اگر زید نے قسم کھائی کہ میں خالد کے موالی سے نہیں بولوں گا اور خالد کے دونوں طرح کے موالی ہیں یعنی معتق بھی اور معتق بھی تو زید جونسے (جس) مولی سے بولے گا حانث ہو جائے گا اس لئے کہ یہ مقام نفی ہے جہاں موالی دونوں کو شامل ہے اور نفی کی صورت میں دو قسموں کو مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہاں حقیقت میں دونوں معنی کا جمع کرنا لازم ہی نہیں آتا، اور نفی کرنا مختلف بلکہ متضاد چیزوں کی ایک کلمہ سے ممکن ہے حتیٰ کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں اور باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں سب سے الوہیت کی نفی کلمۂ توحید سے کی گئی ہے لہذا معلوم ہوا کہ جو لفظ مشترک ہو اس کے معانی میں سے

اثبات کرنا ایک استعمال میں ایک سے زیادہ نہیں ہوتا اور نفی کرنا سب معانی کا ممکن ہے لہذا موالی سے کلام نہ کرنے میں دونوں فریق سے نفی ہے۔

موالی کیلئے کسی نے وصیت کی اور موالی میں صرف آزاد کردہ غلام ہوں تو وصیت کا حکم اور ام ولد اور مدبر بھی داخل ہیں یا نہیں

و یدخل فی هذه الوصیة من اعتقه فی الصحة والمرض و لا یدخل مد بروه و امهات او لاده لان عتق هؤلاء یثبت بعد الموت والوصیة تضاف الی حالة الموت فلا بد من تحقق الاسم قبله وعن ابی یوسف انهم یدخلون لان سبب الاستحقاق لازم و یدخل فیه عبد قال له مولاه ان لم اضربک فانت حر لان العتق یثبت قبیل الموت عند تحقق عجزه

ترجمہ...... اور اس وصیت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جن کو موصی نے صحت اور مرض میں آزاد کیا ہو اور موصی کے مدبر اور اس کی امہات اولاد داخل نہ ہوں گے اس لئے کہ ان کا عتق موت کے بعد ثابت ہوا ہے اور وصیت حالت موت کی جانب مضاف ہوتی ہے پس موت سے پہلے لفظ (مولیٰ و عتق) کا تحقق ضروری ہے اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ یہ سب داخل ہوں گے اس لئے کہ استحقاق کا سبب لازم ہے اور اس میں وہ غلام داخل ہے جس کو اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ اگر میں نے تجھے نہ مارا تو تو آزاد ہے اس لئے کہ عتق ثابت ہوگا موت سے پہلے اس کی عاجزی کے تحقق کے وقت۔

تشریح...... زید نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی اور اس کے موالی میں فقط اس کے آزاد کردہ غلام ہیں تو وہ تمام وصیت میں داخل ہوں گے جن کو زید نے صحت کی حالت میں آزاد کیا ہو اور جن کو حالت مرض میں آزاد کیا ہو سب کا حکم برابر ہے اور سب وصیت میں داخل ہوں گے۔

البتہ مدبر اور امہات اولاد موالی میں شامل ہو کر وصیت کے حقدار نہ ہوں گے اس لئے کہ مدبر اور امہات اولاد کا عتق آقاء کے مرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے یعنی بوقت موت آقا یہ آزاد نہیں ہوئے اور وصیت کے اندر داخل ہونے کیلئے ضروری ہے کہ زید کی موت سے پہلے یہ آزاد ہو گئے ہوں اور یہاں ایسا ہوا نہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ وصیت میں داخل نہ ہوں گے۔

اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ مدبر اور امہات اولاد بھی وصیت میں داخل ہیں، کیونکہ تدبیر اور استیلاد دونوں استحقاق عتق کے ایسے سبب ہیں جو لازم ہیں، اور آقاء کو اب تدبیر سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے، اور اگر زید نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی تھی اور اس کا ایک غلام تھا جس کو اس نے یہ کہا تھا کہ اگر میں تجھے نہ ماروں تو تو آزاد ہے اور اس نے ابھی مارا نہیں یہاں تک کہ زید مر گیا تو یہ غلام بھی موالی کے اندر داخل ہو کر وصیت کا حقدار ہوگا یا نہیں۔

تو فرمایا کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ یہ غلام وصیت کے اندر داخل ہوگا اسلئے کہ جب زید اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس غلام کو مارنے سے عاجز ہو گیا تو اسی وقت موت سے پہلے ہی غلام آزاد ہو گیا ہو تو وہ موالی کی فہرست میں داخل ہو کر وصیت کا مستحق ہوگا۔

لفظ موالی سے معتقین اور معتقین کی اولاد وصیت میں داخل ہوگی

ولو كان له موال واولاد موال و موالى موالات يدخل فيها معتقوه واولادهم دون موالى الموالاة وعن ابى يوسف انهم يدخلون ايضاً والكل شركاء لان الاسم يتناولهم على السواء ومحمد يقول الجهة مختلفة فى العتق الانعام و فى الموالى عقد الالتزام والاعتاق لازم فكان الاسم له احق ولايدخل فيهم موالى الموالى لانهم موالى غيره حقيقة بخلاف مواليه واولادهم لانهم ينسبون اليه باعتاق وجد منه و بخلاف ما اذا لم يكن له موال ولا اولاد الموالى لان اللفظ لهم مجاز فيصرف اليه عند تعذر اعتبار الحقيقة

ترجمہ..... اور اگر اس کے لئے موالی ہوں اور موالی کی اولاد ہوں اور موالی موالات ہوں تو وصیت میں موصی کے معتقین اور ان کی اولاد داخل ہوں گے نہ کہ موالی موالات اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ یہ (موالی موالات) بھی داخل ہوں گے اور تمام شرکاء ہوں گے اس لئے کہ لفظ موالی ان تمام کو برابری کے ساتھ مشتمل ہے اور محمدؒ فرماتے ہیں کہ جہت مختلف ہے معتق میں انعام کی جہت ہے اور موالی میں عقد التزام کی اور اعتاق لازم ہے تو لفظ موالی معتق ہی کے لئے زیادہ حقدار ہوگا اور موالی میں موالی کے موالی داخل نہ ہوں گے اس لئے کہ یہ حقیقۃً موصی کے غیر کے موالی ہیں بخلاف موصی کے موالی اور موالی کی اولاد کے اس لئے کہ یہ (موالی و اولادہ) معتق کی جانب منسوب ہیں اس اعتاق کی وجہ سے جو موصی کی جانب سے پایا گیا ہے اور بخلاف اس صورت کے جب کہ موصی کے لئے موالی اور موالی کی اولاد نہ ہو اس لئے کہ لفظ ان کے لئے (موالی الموالی کے لئے) مجاز ہے تو مجاز کی طرف پھیر دیا جائے گا حقیقت کے اعتبار کے متعذر ہونے کی وقت میں۔

تشریح..... زید نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی اور اس کے کچھ تو موالی ہیں یعنی زید کے آزاد کردہ غلام اور کچھ اس کے موالی کی اولاد ہیں یعنی معتقین کی اولاد، اور کچھ لوگ اور ہیں جو زید کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے تھے یعنی موالی موالات تو اس صورت میں موالی کے اندر کون داخل ہوگا اور کون وصیت کا مستحق ہوگا۔

تو فرمایا زید کے معتقین اور معتقین کی اولاد وصیت میں داخل ہوگی اور موالی موالات وصیت میں داخل نہ ہوں گے۔

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ موالی موالات بھی موالی میں داخل ہوں گے اور یہ تمام ثلث کے اندر شریک ہوں گے اس لئے کہ لفظ موالی ان تمام کو برابری کیساتھ شامل ہے

امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... پر امام محمدؒ نے فرمایا کہ موالی ان تمام کو کیسے شامل ہوسکتا ہے جبکہ جہت کے اندر اختلاف ہے معتق کو مولیٰ کہا گیا ہے کہ اس پر زید نے انعام کیا ہے اور مولیٰ الموالات کو مولیٰ کہا گیا ہے اس اعتبار سے کہ اس کے ساتھ عقد موالات کا التزام کیا گیا ہے۔

سوال..... جب جہت مختلف ہے جیسے آپ نے فرمایا تو پھر تو وصیت باطل ہونی چاہیے؟

جواب..... جہت کے مختلف ہونے کی وجہ سے وصیت وہاں باطل ہوتی ہے جہاں ترجیح ممکن نہ ہو اور یہاں ترجیح ممکن ہے کہ اعتاق لازم ہے جو معتق کے فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوسکتا اور ولاء موالات فسخ کا احتمال رکھتا ہے تو مولیٰ بننے کا زیادہ مستحق معتق ہوا اس لئے اسی کو

ترجیح دی گئی اور وصیت کو باطل نہیں کیا گیا۔

سوال ...... موالی کے اندر زید کے معتقین کے معتقین داخل ہوں گے یا نہیں؟

جواب ...... نہیں۔ اسلئے کہ حقیقتاً موالی زید کے معتقین ہیں اور یہ زید کے معتقین نہیں ہیں بلکہ زید کے غیر یعنی اس کے معتق کے معتقین ہیں۔

سوال ...... تو پھر زید کے معتقین کی اولاد زید کے موالی میں کیوں داخل ہوگئی؟

جواب ...... موالی زید اور اولاد موالی زید سب زید کی جانب اعتاق کی وجہ سے منسوب ہیں یعنی جس اعتاق کی وجہ سے معتق زید، زید کا مولیٰ بنا ہے بعینہٖ اسی اعتاق کی وجہ سے معتق کی اولاد زید کے موالی ہوئے ہیں اور اگر زید نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی اور زید کا کوئی معتق نہیں ہے اور نہ معتق کی اولاد ہے بلکہ موالی موالات ہیں تو اب وصیت کے مستحق موالی موالات ہوں گے، کیوں؟

اس لئے کہ لفظ موالی کے وہ حقیقی معنیٰ ہیں اور موالی موالی اس کے مجازی معنی ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب حقیقت پر عمل متعذر ہو جائے تو مجازی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ اور یہاں موالی کے حقیقی معنیٰ متعذر ہیں کیونکہ زید کے معتق اور اس کی اولاد نہیں ہیں، تو مجازی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

سوال ...... اگر زید نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی اور اس کا صرف ایک مولیٰ (معتق) ہے اور کچھ موالیِ موالی ہیں تو اب کیا حکم ہے؟

جواب ...... وصیت کا نصف معتق کے لئے ہوگا اور باقی نصف موصی کے ورثا کا ہوگا۔

سوال ...... ایسا کیوں ہوا، یہاں بھی وہی کہنا چاہیے ماقبل میں کہا گیا تھا کہ معتق کا نصف اور باقی نصف موالی موالی کا ہوگا جیسے ماقبل میں چچا اور دو ماموں ہونے کی صورت میں کہا گیا تھا؟

جواب ...... اگر یہاں ایسا کیا جائے تو حقیقت اور مجاز کا جمع کرنا لازم آئے گا اور یہ متعذر اور محال ہے اور وہاں حقیقت ومجاز کا اجتماع لازم نہیں آتا کیونکہ وہاں ماموں کا مستحق نصف ہونا قرابت کی وجہ سے ہے، آئندہ اس عبارت میں یہی مسئلہ مذکور ہے۔

معتق اور موالی الموالی کیلئے وصیت کی تو کون مستحق ہوگا

ولو كان له معتق واحد و موالى الموالى فالنصف لمعتقه والباقي للورثة لتعذر الجمع بين الحقيقة والمجاز

ترجمہ ...... اور اگر موصی کا ایک معتق ہو اور موالیِ موالی ہوں تو نصف اس کے معتق کا ہے اور باقی ورثا کے لئے ہے جمع کے متعذر ہونے کی وجہ سے حقیقت اور مجاز کے درمیان۔

مطلب اس کا ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے۔

موالی کیلئے وصیت کی صورت میں موالی ابن اور موالی اب بھی داخل نہ ہوں گے

ولا يدخل فيه موال اعتقهم ابنه او ابوه لانهم ليسوا بمواليه لا حقيقة ولا مجازا وانما يحرز ميراثهم بالعصوبة بخلاف معتق معتق لانه ينسب اليه بالولاء والله اعلم بالصواب

ترجمہ...... اور داخل نہ ہوں گے موالی میں وہ موالی جن کو موصی کے بیٹے یا اس کے باپ نے آزاد کیا ہو اس لئے کہ وہ موصی کے موالی نہیں نہ حقیقۃً اور نہ مجازاً اور یہ ان کی میراث کو عصوبت کی وجہ سے حاصل کرتا ہے بخلاف معتق کے معتق اس لئے کہ وہ موصی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے ولاء کے ذریعہ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح...... اگر زید نے اپنے موالی کے لئے وصیت کی اور زید کے بیٹے یا زید کے باپ نے کسی کو آزاد کیا ہے تو کیا موالی ابن اور موالی اب زید کے موالی میں داخل ہو کر وصیت کے مستحق ہوں گے۔

تو فرمایا کہ نہیں کیونکہ جو لوگ زید کے باپ یا اس کے بیٹے کے موالی ہیں وہ زید کے موالی نہ حقیقۃً ہیں اور نہ حکماً۔

سوال...... جب زید کے بیٹے یا باپ کے موالی زید کے موالی نہ حقیقتاً ہیں نہ حکماً تو جب باپ یا بیٹے کے موالی میں کوئی مرے اور ترکہ چھوڑے اور اپنا کوئی وارث نہ چھوڑے اور اس کا معتق یعنی زید کا باپ یا بیٹا بھی مر چکا ہے اور زید موجود ہے تو زید اس کا وارث کیوں ہوتا ہے؟

جواب...... صورت مذکورہ میں میراث کا مستحق ہونا عصوبت کی بنیاد پر ہے اور عصوبت کی دو قسمیں،

۱- نسبی ۲- سببی

یہ سببی عصوبت ہے اور رہا معتق کا معتق تو وہ مجازاً زید کا مولیٰ ہے اس لئے کہ معتق کے معتق کا ولاء زید کی جانب مجازاً منسوب ہے بخلاف معتق الابن کے کہ یہ زید کی طرف نہ حقیقۃً منسوب ہے اور نہ مجازاً۔

تنبیہ-۱...... یہاں مروجہ نسخوں میں عبارت یوں ہے "بخلاف معتق البعض" حالانکہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے بخلاف معتق المعتق۔

باب الوصية بالسكنى والخدمة والثمرة

ترجمہ...... سکنیٰ کی وصیت اور خدمت اور پھلوں کی وصیت کرنے کا باب

تشریح...... کچھ چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں جو بالفعل بطور عین کے موجود ہیں جیسے زید یا گھر وغیرہ اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بالفعل بطور عین موجود نہیں ہیں بلکہ حاصل ہو سکتی ہیں جیسے زید نے کہا کہ میری وفات پر میرے باغ میں جو امسال پھل آویں وہ میں نے بکر کے لئے وصیت کئے یا کہا کہ میری اس باندی یا غلام کی یا ایک غلام یا ایک باندی کی خدمت ایک سال کے لئے بکر کے لئے وصیت ہے یا بکر کے لئے ایک سال تک میرے اس مکان میں رہنے کی وصیت ہے۔

بہر حال مصنفؒ اعیان کی وصیت سے فراغت کے بعد اب ان وصایا کا ذکر فرما رہے ہیں جن کا تعلق منافع سے ہے اور منافع اعیان سے مؤخر ہوتے ہیں اس لئے اس باب کو مؤخر کیا گیا ہے۔

غلام کی خدمت یا گھر میں رہائش یا کسی چیز کے منافع کی وصیت صحیح ہے یا نہیں

قال و تجوز الوصية بخدمة عبده و سكنى داره سنين معلومة و تجوز بذالك ابدا لان المنافع يصح تمليكها

فی حالة الحیوة ببدل وغیر بدل فکذا بعد الممات لحاجته کما فی الاعیان و یکون محبوساً علی ملکه فی حق المنفعة حتی یتملکها الموصی له علی ملکه کما یستوفی الموقوف علیه منافع الوقف علی حکم ملک الواقف

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے دار کے سکنیٰ کی چند معین سالوں کے لئے وصیت جائز ہے اور ان کی وصیت ہمیشہ کے لئے کرنا جائز ہے اس لئے کہ زندگی کی حالت میں منافع کی تملیک صحیح ہے بدل کے ذریعہ اور غیر بدل کے ساتھ پس ایسے ہی مرنے کے بعد موصی کی حاجت کی وجہ سے جیسے اعیان میں اور وہ (غلام یا دار) موصی کی ملک پر محبوس ہوگا منفعت کے حق میں یہاں تک کہ موصیٰ لہٗ موصی کی ملک پر منفعت کا مالک ہوگا جیسے موقوف علیہ منافع وقف کو واقف کی ملک کے حکم پر وصول کرتا ہے۔

تشریح ...... انسان جس طرح اپنی زندگی میں اپنی چیز کے منافع کا مالک دوسروں کو بنا سکتا ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱- کرایہ پر دیدے تو کرایہ پر لینے والا اجرت کے بدلہ منافع کا مالک ہوگیا۔

۲- عاریت پر دیدے، عاریت کی صورت میں عاریت پر لینے والا مفت میں منافع کا مالک ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی موت کے بعد کسی کو اپنی چیز کے منافع کا مالک بنادے۔

کیونکہ اگر ان کو جس طرح اعیان کی وصیت کی حاجت پیش آتی ہے اسی طرح اس کو منافع کی وصیت کی حاجت بھی پیش آتی ہے۔

اب یہ سوال ہوگا کہ اس چیز کا مالک کون ہوگا موصی ہوگا یا موصی کے ورثا، یا موصی لہٗ بالمنافع تو فرمایا کہ اگرچہ اس کی عین کے اندر ملکیت ورثا کی ہو جاتی ہے لیکن منفعت کے حق میں یہ چیز موصی کی ملک پر باقی ہے یعنی موصیٰ لہٗ اسی منفعت کا مالک موصی کی ملکیت پر ہوا ہے جیسے وقف میں موقوف علیہ جو منافع وقف کو حاصل کرتا ہے ملک واقف پر کرتا ہے۔

وصیت وقت مقرر کیلئے ہوتی ہے یا ہمیشہ کیلئے؟

و تجوز موقتا و مؤبداً کما فی العاریة فانها تملیک علی اصلنا بخلاف المیراث لانه خلافة فیما یتملکه المورث و ذالک فی عین تبقی والمنفعة عرض لا یبقی وکذا الوصیة بغلة العبد والدار لانه بدل المنفعة فاخذ حکمها والمعنی یشملها

ترجمہ ...... اور وصیت جائز ہے موقت اور مؤبد طریقہ پر جیسے عاریت کے اندر اس لئے کہ عاریت ہمارے اصل پر تملیک ہے بخلاف میراث کے اس لئے کہ میراث خلافت ہے اس چیز میں جس کا مالک مورث ہے اور خلافت ایسی عین میں ہوتی ہے جو باقی رہے اور منفعت ایسا عرض ہے جو باقی نہیں رہتا اور ایسے ہی غلام اور گھر کی آمدنی کی وصیت کرنا اس لئے کہ آمدنی منفعت کا بدل ہے تو آمدنی منفعت کا حکم لے گی اور معنیٰ ان دونوں (منفعت اور آمدنی) کو شامل ہے۔

تشریح ...... جب منافع کی وصیت جائز ہے تو پھر چند ایام کی کرے وہ بھی جائز ہے اور ہمیشہ کے لئے کردے وہ بھی جائز ہے، جیسے عاریت میں یہ دونوں باتیں جائز ہیں اس لئے کہ ہماری اصل کے مطابق عاریت تملیک ہے اور وصیت بھی تملیک ہے۔

البتہ میراث میں رقبہ کے بغیر محض منافع کے اندر میراث جاری نہ ہوگی اس لئے کہ میراث تملیک نہیں ہے بلکہ خلافت ہے اور

خلافت اعیان باقیہ میں جاری ہوتی ہے نہ کہ اعراض میں اور منافع اعراض ہیں جو باقی نہیں رہتے اس لئے منافع کے اندر خلافت جاری نہیں ہوسکتی۔

اور جس طرح اپنے غلام اور گھر کے منافع کی وصیت کرنا جائز ہے ایسے ہی یہ بھی جائز ہے کہ غلام کو اجرت پر دینے اور مکان کو کرایہ پر دینے سے جو کرایہ حاصل ہو اس کی وصیت کردی جائے۔

کیونکہ یہ کرایہ منافع کا بدل ہے تو جب منافع کی وصیت جائز ہے تو منافع کے بدل کی وصیت بھی جائز ہوگی۔

اور جن وجوہات کے پیش نظر منافع کی وصیت جائز ہوئی ہے انہیں وجوہات کے پیش نظر غلات کی وصیت بھی جائز ہے۔

موصی نے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور وہ غلام تہائی سے خارج ہے تو غلام موصیٰ لہ کے سپرد کردیا جائے گا

قال فان خرجت رقبة العبد من الثلث يسلم اليه ليخدمه لان حق الموصى له في الثلث لا تزاحمه الورثة وان كان لامال له غيره خدم الورثة يومين والموصى له يوما لان حقه في الثلث وحقهم في الثلثين كما في الوصية في العين ولا تمكن قسمة العبد جزاء لانه لا يتجزى فصرنا الى المهايا ة ايفاء للحقين

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا پس اگر غلام کا رقبہ تہائی سے نکل جائے تو غلام موصیٰ لہٗ کی خدمت کرے اس لئے کہ موصیٰ لہٗ کا حق تہائی میں ہے جس میں ورثا مزاحم نہیں ہوسکتے اور اگر موصی کا غلام کے علاوہ مال نہ ہو تو غلام دو دن ورثا کی خدمت کرے گا اور ایک دن موصیٰ لہٗ کی اس لئے کہ موصیٰ لہٗ کا حق تہائی میں ہے اور ورثا کا حق دو تہائی میں ہے جیسے عین کی وصیت اور اجزاء کے طریقہ پر غلام کا بٹوارہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ غلام غیر متجزی ہے تو ہم نے مہایات کا رخ کیا دونوں حقوں کو پورا کرنے کے لئے۔

تشریح ..... زید نے خالد کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی تھی اور غلام کی قیمت سے دو ثلث یا اس سے زیادہ مال اور بھی موجود ہے یعنی غلام ثلث سے نکل جاتا ہے تو غلام خالد کے سپرد کردیا جائے تا کہ غلام خالد کی خدمت کرتا رہے اس لئے کہ خالد کا حق ثلث میں ہے اس ثلث میں ورثا اس کے مزاحم نہیں ہوسکتے۔

اور اگر موصی کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو پھر یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ یہ غلام ورثا کی خدمت دو دن کرے گا اور خالد کی ایک دن اس لئے کہ ورثا کا حق ثلثان ہے اور خالد کا ثلث ہے جیسے اعیان کی وصیت میں ہوتا ہے اور غلام کے تین حصے اور اجزاء کر کے بٹوارہ ہو نہیں سکتا کیونکہ غلام اس اعتبار سے غیر متجزی ہے لہذا اب مہایات کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا تو مہایات کو اختیار کیا جائے گا تا کہ دونوں حق پورے ہوسکیں ورثا کا حق بھی اور موصیٰ لہٗ کا حق بھی۔

موصی نے گھر کے سکنی کی وصیت کی اور وہ گھر تہائی مال سے خارج نہیں تو وصیت پر کس طریقے سے عمل کیا جائے گا

بخلاف الوصية بسكنى الدار اذا كانت لا تخرج من الثلث حيث تقسم عين الدار اثلاثا للانتفاع لانه يمكن القسمة بالاجزاء وهو اعدل للتسوية بينهما زماناً و ذاتاً و في المهاياة تقديم احدهما

ترجمہ...... بخلاف دار کے اندر سکنی کی وصیت کے جب کہ دار ثلث سے نہ نکلتا ہو اس حیثیت سے کہ دار کے عین کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا انتفاع کے لئے اسلئے کہ اجزاء کے ساتھ بٹوارہ ممکن ہے اور یہی اعدل ہے ان دونوں کے درمیان زمان اور ذات کے اعتبار سے برابری کی وجہ سے اور مہایات میں ان دونوں میں سے ایک کی تقدیم ہے۔

تشریح...... اگر زید نے بجائے غلام کے منافع کے گھر کے اندر سکنی کی وصیت کی ہو اور گھر کے علاوہ زید کا اور کوئی مال نہ ہو تو یہاں گھر کو باعتبار اجزاء تقسیم کر دیا جائے گا یعنی دو ثلث ورثہ کے اور ایک موصی لہٗ کا اور یہی اجزاء کے ذریعہ تقسیم کرنا اعدل ہے اس لئے کہ اس طریقہ کار میں موصی لہٗ اور ورثہ کے درمیان برابری ہے ذات کے اعتبار سے بھی کہ دونوں فریق کو مکان مل گیا اور زمان کے اعتبار سے بھی کہ دونوں فریق کو ایک زمانہ میں گھر مل گیا ہے اور مہایات میں ایک فریق کو مقدم کرنا پڑتا۔

دار کے اندر اجزاء سے بٹوارہ ہوسکتا ہے

ولو اقتسموا الدار مهاياة من حيث الزمان تجوز ايضاً لان الحق لهم الا ان الاول وهو الاعدل اولى وليس للورثة ان يبيعوا ما في ايديهم من ثلثي الدار و عن ابي يوسف ان لهم ذالك لانه خالص ملكهم

ترجمہ...... اور اگر انہوں نے گھر کو بطور مہایات کے تقسیم کیا زمانہ کے اعتبار سے تو بھی جائز ہے اس لئے کہ حق انھیں کا ہے مگر اول اور یہی اعدل ہے اولیٰ ہے اور ورثہ کو یہ حق نہیں کہ گھر کے دو ثلث جو ان کے قبضہ میں ہیں ان کو فروخت کر دیں اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ ان کو اس کا حق ہے اس لئے کہ یہ خالص انکی ملکیت ہے

تشریح...... دار کے اندر اجزاء سے بٹوارہ ہوسکتا ہے تو یہی طریقہ اختیار کیا جائے کیونکہ یہ اعدل ہے اور اس میں برابری زیادہ ہے اور اگر انہوں نے گھر کا بٹوارہ بطور مہایات کے کیا تو یہ بھی جائز ہے مگر اولیٰ وہ اول ہے۔

ورثہ کے پاس جو گھر کا دو ثلث ہے وہ اگر اس کو فروخت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ نہیں، اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جائز ہے کیونکہ وہ خالص اپنے حق میں تصرف کر رہے ہیں۔

ظاہر الروایۃ کی دلیل

وجه الظاهر ان حق الموصى له ثابت في سكنى جميع الدار بان ظهر للميت مال اخر و تخرج الدار من الثلث وكذا له حق المزاحمة فيما في ايديهم اذا خرب ما في يده والبيع يتضمن ابطال ذالك فمنعوا عنه

ترجمہ...... ظاہر الراویہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی لہٗ کا حق پورے گھر کے سکنی میں ثابت ہے اس طریقہ پر کہ میت کے لئے دوسرا مال ظاہر ہو

جائے اور گھر ثلث سے خارج ہو جائے اور ایسے ہی موصی لہ کے لئے مزاحمت کا حق ہے اس گھر میں جو ورثا کے قبضہ میں ہے جب کہ وہ حصہ خراب ہو جائے جو موصی لہ کے قبضہ میں ہے اور بیع متضمن ہے اس کے ابطال کو تو ورثا کو اس سے روکا جائے گا۔

تشریح ... یہ ظاہر الروایہ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت کا ترکہ ظاہر ہو جائے اور یہ مکان تہائی سے خارج ہو جائے تو اس کو پورے مکان کے سکنیٰ کا حق حاصل ہوگا اور ایسے ہی موصی لہ کو ورثا سے مزاحمت کا حق ہے گھر کے اس حصہ میں جو ورثا کے قبضہ میں ہے یعنی موصی لہ کے قبضہ میں جو ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو اس کو حق ہوگا کہ ورثا سے وہ حصہ طلب کرے جو ورثا کے قبضہ میں ہے کیونکہ اس گھر کی مرمت ذمہ داری ورثا پر ہے اور موصی لہ کو فقط حق سکونت ہے تو مزاحمت کا حق ہوگا اور اگر ورثا کو بیع کی اجازت دیدی جائے تو موصی لہ کے حق کا ابطال لازم آتا ہے لہذا ورثا کو اس سے منع کیا جائے گا۔

مکان کے منافع یعنی رہائش کی کسی کیلئے وصیت کی پھر موصیٰ لہ فوت ہوگیا تو موصیٰ بہ ورثا کی طرف لوٹ آئے گی

قال فان كان مات الموصى له عادالى الورثة لان الموصى اوجب الحق للموصى له ليستوفى المنافع على حكم ملكه فلو انتقل الى وارث الموصى له استحقها ابتداء من ذالك الموصى من غير مرضاته و ذالك لايجوز ولو مات الموصى له فى حيوة الموصى بطلت لان ايجابها تعلق بالموت على ما بيناه من قبل

ترجمہ ... قدوریؒ نے فرمایا پس اگر موصی لہ مرگیا تو موصی بہ ورثا کی جانب لوٹ آئے گا اس لئے کہ موصی نے موصی لہ کے لئے حق کو واجب کیا تھا تا کہ منافع موصی کی ملک پر حاصل ہوں پس اگر حق موصی لہ کے وارث کی جانب منتقل ہو جائے تو وارث منافع کا ابتداء اس مدعی کی جانب سے اس کی رضامندی کے بغیر مستحق ہوگا اور یہ نا جائز ہے اور اگر موصی کی زندگی میں موصی لہ مر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ وصیت کا ایجاب موصی کی موت پر معلق ہے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ... زید نے خالد کے لئے اپنے مکان میں رہنے کی وصیت کی تھی اور زید کے انتقال کے بعد حسب وصیت خالد مکان میں رہتا ہے اور اب خالد کا انتقال ہوگیا تو موصی بہ موصی کے ورثا کے حوالہ ہو جائے گا اس لئے کہ زید نے موصی لہ کے لئے یہ وصیت کی تھی تا کہ وہ موصی کی ملک کے حکم پر اس سے نفع حاصل کرتا رہے، اور اگر اب موصی بہ خالد کے ورثا کو دیدیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ موصی کی رضامندی کے بغیر ابتداء موصی لہ کے ورثا منافع کے مستحق ہو رہے ہیں حالانکہ یہ جائز نہیں ہے تا کہ مالک کی رضامندی کے بغیر ملک کا استحقاق ہو جائے۔

اور اگر زید کی زندگی میں خالد کا انتقال ہو جائے تو وصیت ہی باطل ہو جائے گی کیونکہ وصیت بھی ایک عقد ہے جس میں ایجاب وقبول کی ضرورت ہے موصی کا قول ایجاب ہے اور بعد موت موصی موصی لہ کا اس ایجاب کو قبول کرنا قبول کہلائے گا۔

اور موصی اپنی زندگی میں ایجاب کرتا ہے اور اس کا ظہور باعتبار اثر کے موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے اور یہاں موصی لہ جب موصی کی زندگی ہی میں مر گیا تو موصی کا ایجاب باطل ہوگیا، جیسے اگر بائع نے ایجاب کیا تھا اور ابھی مشتری نے قبول نہیں کیا تھا کہ مشتری کا انتقال ہوگیا تو بائع کا ایجاب باطل ہو جائے گا اس کے بارے میں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو ماقبل میں ''فصل فی اعتبار حالة

الوصیۃ''میں بیان کر چکے ہیں۔

کسی شخص کیلئے اپنے غلام کی مزدوری یا گھر کے کرایہ وصول کرنے کی وصیت کرنے کا حکم

ولو اوصى بغلة عبده او داره فاستخدمه بنفسه او سكنها بنفسه قيل يجوز ذالک لان قيمة المنافع كعينها فى تحصيل المقصود والاصح انه لا يجوز لان الغلة دراهم اودنانير و قد وجبت الوصية بها و هذا استيفاء المنافع وهما متغايران و متفاوتان فى حق الورثة فانه لو ظهر دين يمكنهم اداؤه من الغلة بالاسترد ادمنه بعد استغلا لها ولا يمكنهم من المنافع بعد استيفائها بعينها

ترجمہ......اور اگر موصی نے اپنے غلام کی یا اپنے گھر کی آمدنی کی وصیت کی پس موصی لہٗ نے غلام سے خود خدمت لی یا گھر میں خود رہا کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اس لئے کہ منافع کی قیمت عین منافع کے مثل ہے مقصود کی تحصیل میں اور اصح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ آمدنی تو دراہم یا دنانیر ہیں اور وصیت انہیں کی (دراہم ودنانیر) ثابت ہوئی ہے اور یہ (استخدام وسکنیٰ) منافع کو وصول کرنا ہے اور یہ دونوں (آمدنی اور استخدام) متغائر ہیں اور ورثا کے حق میں دونوں متفاوت ہیں اس لئے کہ اگر میت پر قرض ظاہر ہو جائے تو ورثا کو آمدنی سے قرض کی ادائیگی ممکن ہے موصی لہٗ سے واپس لے کر اس سے آمدنی حاصل کر لینے کے بعد اور بعینہٖ منافع کو حاصل کرنے کے بعد ورثا کو منافع سے ادائیگی ممکن نہیں ہے۔

تشریح......اگر زید نے خالد کے لئے یہ وصیت کی کہ خالد میرے غلام کی مزدوری لیا کرے گا یا میرے گھر کا کرایہ لیا کرے گا تو وصیت جائز ہے، لیکن اگر گھر میں خالد خود رہنا شروع کر دے یا غلام سے خود خدمت لینے لگے تو یہ جائز ہے یا نہیں تو مصنفؒ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے پھر مصنفؒ نے قول ثانی کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو اصح قرار دیا ہے اور درمختار وغیرہ میں اسی کو مفتیٰ بہ قول قرار دیا ہے۔

اب دونوں قولوں کی دلیل سنئے

قول اول کی دلیل...... یہ ہے کہ جب خالد کے لئے غلام اور دار کے منافع کی قیمت لینے کا حق ہے تو عین منافع حاصل کرنے کا بھی حق ہوگا کیونکہ تحصیل مقصود میں دونوں برابر ہیں۔

قول ثانی کی دلیل...... یہ ہے کہ موصیٰ بہ آمدنی ہے نہ کہ عین منافع اور ان دونوں میں تغایر ہے اس لئے کہ آمدنی دراہم ودنانیر ہیں اور یہی موصیٰ بہ ہیں اور ان دونوں کا تغایر ظاہر ہے۔

اور اسی طرح ورثا کے حق میں بھی دونوں میں تفاوت ہے، اور وہ اس طرح کہ اگر خالد نے اس سے آمدنی حاصل کی ہوتی اور اتفاق سے زید پر قرض ظاہر ہوتا تو ورثا کے لئے جائز تھا کہ خالد سے اس آمدنی کو واپس لے کر قرض ادا کر دیں، اور اگر خالد نے خود منافع حاصل کئے ہوں تو منافع کو واپس لینا ممکن نہیں لہذا منافع واپس لے کر قرض کی ادائیگی ممکن نہیں ہے۔

غلام کی خدمت، گھر میں رہائش یا کسی چیز کے منافع کی وصیت صحیح ہے، یا نہیں

و ليس للموصى له بالخدمة والسكنى ان يواجر العبد او الدار و قال الشافعي له ذالك لانه بالوصية ملك المنفعة فيملك تمليكها من غيره ببدل او غير بدل لانها كالاعيان عنده بخلاف العارية لانها اباحة على اصله وليس بتمليك

ترجمہ ...... اور موصی لہٗ بالخدمت والسکنیٰ کے لئے غلام یا گھر اجارہ پر دینے کا حق نہیں ہے اور شافعیؒ نے فرمایا کہ موصی لہٗ کو اس کا حق ہے اس لئے کہ موصی لہٗ وصیت کی وجہ سے منفعت کا مالک ہو گیا ہے تو موصی لہٗ اپنے غیر کو منفعت کی تملیک کا مالک ہوگا بدل یا غیر بدل کے ذریعہ اس لئے کہ منفعت ان کے نزدیک اعیان کے مثل ہے بخلاف عاریت کے اس لئے کہ عاریت ان کی اصل کے مطابق اباحت اور تملیک نہیں ہے۔

تشریح ...... اگر زید نے خالد کے لئے وصیت کی لیکن غلام کی خدمت یا گھر میں رہنے کی وصیت کی تو وصیت جائز ہے، اب خالد چاہتا ہے کہ ان کو کرایہ **حاصل** کروں اور آمدنی حاصل کروں، تو یہ جائز ہے کہ نہیں اس میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ خالد وصیت کی وجہ سے منافع کا مالک ہو گیا اور جب وہ مالک ہو گیا تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی اور کو اس کا مالک بنا دے خواہ مفت مالک بنائے یا معاوضہ کے ساتھ جیسے اجارہ پر دیدے، اس لئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جیسے دراہم و دنانیر موجودات عینیہ ہیں اسی طرح ان کے نزدیک منافع بھی موجودات عینیہ ہیں (ومر فی کتاب الاجارۃ) تو جیسے اعیان کی تملیک جائز ہے اسی طرح منافع کی تملیک بھی جائز ہوگی۔

سوال ...... جب امام شافعیؒ کے نزدیک منافع مثل اعیان کے ہیں تو جب زید نے خالد کو اپنا گھوڑا بطور عاریت دیا ہو تو خالد کے لئے جائز ہونا چاہئے کہ وہ گھوڑا دوسرے کو بطور عاریت دیدے حالانکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستعیر کے لئے جائز نہیں کہ وہ عاریت کو عاریت پر دیدے؟

جواب ...... منافع ان کے نزدیک اعیان کے مثل تو ہیں مگر کیا کیا جائے ان کے نزدیک وصیت میں موصی لہٗ موصی بہ کا مالک ہو جاتا ہے اور مستعیر عاریت میں مالک نہیں ہوتا تو جب مستعیر خود ہی منافع کا مالک نہیں بنا تو دوسروں کو کیسے مالک بنا سکتا ہے کیونکہ عاریت ان کے نزدیک اباحت ہے نہ کہ تملیک، اور اباحت و تملیک میں یہی فرق ہے کہ اول میں مالک نہیں بنا سکتا اور ثانی میں بنا سکتا ہے۔

احناف کی پہلی دلیل

ولنا ان الوصية تمليك بغير بدل مضاف الى ما بعد الموت فلا يملك تمليكه ببدل اعتبارا بالاعارة فانها تمليك بغير بدل فى حالة الحيوة على اصلنا ولا يملك المستعير الاجارة لانها تمليك ببدل كذا هذا و تحقيقه ان التمليك ببدل لازم و بغير بدل غير لازم ولا يملك الاقوى بالاضعف والاكثر بالاقل والوصية تبرع غير لازم الا ان الرجوع للمتبرع لا لغيره والمتبرع بعد الموت لا يمكنه الرجوع فلهذا انقطع اما هو فى

وضعه فغير لازم

ترجمہ...... اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت بغیر بدل کے تملیک ہے جو مابعد الموت کی جانب مضاف ہے تو موصٰی لہٗ بدل کے ساتھ اس کی تملیک کا مالک نہ ہوگا عاریت پر قیاس کرتے ہوئے اس لئے کہ عاریت زندگی کی حالت میں بغیر بدل کے تملیک ہے ہماری اصل کے مطابق اور مستعیر اجارہ کا مالک نہیں ہے اس لئے کہ اجارہ بدل کیساتھ تملیک ہے تو ایسے ہی یہ ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ تملیک بالبدل لازم ہے اور بغیر بدل کے غیر لازم ہے اور اقویٰ اضعف کی وجہ سے اور اکثر اقل کی وجہ سے مملوک نہیں ہوتا اور وصیت ایسا تبرع ہے جو کہ غیر لازم ہے مگر رجوع کرنے کا حق متبرع کو ہے نہ کہ اس کے غیر کو اور متبرع (موصی) موت کے بعد اس کو رجوع ممکن نہیں ہے پس اسی وجہ سے رجوع منقطع ہو گیا بہر حال وصیت کرنا اپنی وضع کے اعتبار سے غیر لازم ہے۔

تشریح...... یہ ہماری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وصیت منافع کمزور ہے اور کرایہ پر دینا قوی ہے اور ضعیف قوی کا محتمل نہیں ہو سکتا اس لئے خالد جس کو منافع کی وصیت کی گئی ہے وہ غلام اور دار کو اجارہ پر دینے کا حقدار نہیں ہے، اب اس حاصل کو عبارت سے منطبق کر لیجئے۔

وصیت میں تملیک ہے مگر تملیک فی الحال نہیں ہے بلکہ موصی کی موت کے بعد ہے اور وصیت میں تملیک ہے مگر تملیک مفت ہے موصی نے اس تملیک کا کوئی بدل اور عوض نہیں لیا ہے تو جب موصٰی لہٗ کو موصی نے مفت میں مالک بنایا ہے تو موصٰی لہٗ کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ دوسروں کو بدل اور عوض کے ساتھ اس کا مالک بنائے۔

جیسے عاریت میں بھی یہی حکم ہے کہ عاریت میں معیر مستعیر کو اپنی زندگی میں منافع کا مالک بناتا ہے اور مفت بناتا ہے تو مستعیر کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ دوسروں کو بدل اور عوض کا مالک بنائے لہذا مستعیر عاریت کو اجارہ پر نہیں دے سکتا تو ایسے ہی موصٰی لہٗ غلام یا گھر کو کرایہ پر نہیں دے سکتا۔

اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ تملیک بالبدل لازم ہے لہذا تملیک بالبدل میں مملک رجوع نہیں کر سکتا اور تملیک بغیر البدل غیر لازم ہے لہذا موصی کو رجوع کرنے کا حق ہوا کرتا ہے اور یہ اصول مسلم ہے کہ آدمی کو اضعف واقل کی وجہ سے اقویٰ اور اکثر کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور وصیت ایک تبرع ہے جو غیر لازم ہے اور اجارہ عقد لازم ہے لہذا وصیت کی وجہ سے موصٰی لہٗ کو اجارہ کا استحقاق نہ ہوگا۔

مگر تبرع کے اندر رجوع کرنے کا حق فقط متبرع کو ہوتا ہے غیر کو نہیں ہوتا تو موصی کو حق تھا کہ وہ رجوع کرے لیکن جب موصی مر گیا تو موت کے بعد موصی کے رجوع کرنے کا امکان ختم ہو گیا ویسے وصیت اپنی وضع کے اعتبار سے عقد غیر لازم ہے۔

احناف کی دوسری دلیل

لان المنفعة ليست بمال على اصلنا و فى تمليكها بالمال احداث صفة المالية فيها تحقيقاً للمساواة فى عقد المعاوضة فانما تثبت هذه الولاية لمن يملكها تبعاً لملك الرقبة اولمن يملكها بعقد المعاوضة حتى يكون مملكاً لها بالصفة التى تملكها اما اذا تملكها مقصودة بغير عوض ثم ملكها بعوض كان مملكا اكثر مما تملكه معنى وهذا لا يجوز

ترجمہ ...... اور اس لئے کہ منفعت ہماری اصل کے مطابق مال نہیں ہے اور منفعت کو مال کے ذریعہ مالک بنانے میں منفعت کے اندر مالیت کی صفت پیدا کرنا ہے عقد معاوضہ میں مساوات کو ثابت کرنے کی غرض سے پس یہ ولایت صرف اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو جو منفعت کا مالک ہوا ہو ملک رقبہ کی تبعیت سے یا اس شخص کو جو منفعت کا مالک ہوا ہو عقد معاوضہ کی وجہ سے یہاں تک کہ یہ شخص منفعت کا مملک ہو سکتا ہے اسی صفت کے ساتھ جس کے ساتھ وہ اس منفعت کا مالک ہوا ہے بہر حال جب کہ وہ منفعت کا مالک ہوا ہے درانحالیکہ منفعت ہی مقصود ہے، بغیر عوض کے پھر وہ منفعت کا مالک بنائے عوض کے ساتھ تو وہ معنی اس سے زیادہ کا مملک ہو گیا جس کا وہ مالک ہوا تھا اور یہ جائز نہیں ہے۔

تشریح ...... یہ ہماری دوسری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی لہ بالخدمت والسکنیٰ کو اجارہ پر دینے کی اجازت دیدی جائے تو یہ خلاف اصول بات ہو گی جس میں غیر مال کو مال بنانا لازم آجائے گا حالانکہ یہاں بنانے والے کو اس کا حق نہیں ہے اب اس مجمل تقریر کو عبارت سے منطبق کیجئے۔

ہماری اصل کے مطابق منافع مال نہیں ہیں اور اگر موصی لہ کو یہ اجازت دیدی جائے کہ وہ اس کو کرایہ پر دے تو چونکہ کرایہ پر لینے والا بدلہ میں مال دے رہا ہے تو ضروری ہو گا کہ منافع کے اندر بھی مالیت کی صفت پیدا کی جائے تاکہ عقد معاوضہ میں مساوات اور برابری ثابت ہو کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے۔

حالانکہ موصی لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ منافع کے اندر مالیت کی صفت پیدا کردے اس لئے کہ منافع میں مالیت کی صفت پیدا کرنے کی صلاحیت جن حضرات کو ہے ان میں سے موصی لہ نہیں ہے۔

جو منافع میں مالیت کی صفت پیدا کر سکتے ہیں وہ دو فریق ہیں،

۱- جو عقد معاوضہ کی وجہ سے منافع کا مالک ہوا ہو جیسے مستاجر لہذا اس کو اجارہ پر دینے کا حق ہو گا۔

۲- جو منافع کا مالک ملک رقبہ کی تبعیت میں ہوا ہو جیسے مشتری اور وارث وغیرہ وغیرہ، تو یہ دونوں فریق جس نہج پر منافع کے مالک ہوئے ہیں اسی نہج پر دوسروں کو بھی منافع کے مالک بنا سکتے ہیں۔

اور جو فقط منافع ہی کا مالک ہوا ہے اور وہاں فقط منافع ہی مقصود ہیں اور مالک بھی بغیر عوض کے بنا ہے تو اس کو یہ حق نہ ہو گا کہ عوض کے ساتھ دوسروں کو اس کا مالک بنائے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ جتنی چیز کا وہ خود مالک نہ ہو سکا اس کا دوسروں کو مالک بنا رہا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے، اور یہی حال یہاں مذکور موصیٰ لہ کا ہے۔

موصی نے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت موصی لہ کیلئے کی کیا موصیٰ لہ اس غلام کو شہر سے باہر لے جا سکتا ہے یا نہیں

ولیس للموصی له ان یخرج العبد من الکوفة الا ان یکون الموصی له واهله فی غیر الکوفة فیخرجه الی اهله للخدمة هنالک اذا کان یخرج من الثلث کان الوصیة انما تنفذ علی ما یعرف من مقصود الموصی فاذا کانوا فی مصره فمقصوده ان یمکنه من خدمة فیه بدون ان یلزمه مشقة السفر و اذا کانوا فی غیره فمقصوده ان یحمل العبد الی اهله لیخدمهم

ترجمہ......اور موصی لہ کو یہ حق نہیں ہے یہ وہ غلام کو کوفہ سے نکالے مگر یہ کہ موصی لہ اور اس کے گھر والے غیر کوفہ میں ہوں تو موصی لہ غلام کو اپنے اہل کی جانب نکالے گا وہاں پر خدمت کے لئے جب کہ غلام ثلث سے نکل جائے اس لئے کہ وصیت اسی طریقہ پر نافذ ہوتی ہے جو کہ موصی کا مقصود معلوم ہو چکا ہے پس جب کہ موصی لہ کے اہل موصی کے شہر میں ہوں تو موصی کا مقصود یہ ہے کہ وہ موصی لہ کو اسی شہر میں غلام سے خدمت لینے کی قدرت دیتا ہے بغیر اس کے کہ وہ غلام پر سفر کی مشقت لازم کرے اور جب کہ اہل موصی کے شہر کے غیر میں ہوں تو موصی کا مقصود یہ ہے کہ موصی لہ غلام کو اپنے اہل میں لیجائے تاکہ غلام ان کی خدمت کرے۔

تشریح...... زید نے خالد کے لئے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی تو کیا خالد کو یہ حق ہے کہ اس غلام کو باہر لے جائے تو فرمایا کہ اس کا مدار موصی کے ارادہ اور اس کی اجازت پر ہے اور موصی اس وقت زندہ نہیں تو قرائن سے اس کو دیکھا جائے گا۔

اگر زید اور خالد دونوں مثلاً بغداد کے رہنے والے ہیں اور خالد کے اہل وعیال بھی بغداد ہی میں رہتے ہیں تو خالد کو یہ حق نہ ہوگا کہ غلام کو کہیں باہر لے جائے کیونکہ یہاں زید کا مقصد یہ تھا کہ غلام بغداد ہی میں رہتے ہوئے خالد کی خدمت کرے اور غلام پر سفر کی مشقت لازم نہ ہوگی۔

اور اگر خالد کے اہل وعیال بغداد میں نہیں رہتے بلکہ باہر کسی شہر میں رہتے ہیں تو وہاں زید کا مقصود یہ ہے کہ خالد اس غلام کو اپنے اہل کے پاس لے جائے تاکہ وہاں جا کر اس کی خدمت کرے لہذا اب خالد کو حق ہوگا کہ اس غلام کو باہر لے جائے لہذا اس صورت میں بھی خالد کو باہر لے جانے کا حق صرف اسی وقت ہوگا جب کہ غلام تہائی سے خارج نہ ہو تو پھر خالد کو یہ حق نہ ہوگا کہ غلام کو باہر لے جائے مگر جب کہ ورثا اجازت دیدیں۔

موصی کا اپنے غلام یا گھر کی آمدنی دوسرے کیلئے وصیت کرنے کا حکم

ولو اوصى بغلة عبده او بغلة داره يجوز ايضا لانه بدل المنفعة فاخذحكم المنفعة فى جواز الوصية به كيف انه عين حقيقة لانه دراهم اودنا نير فكان بالجواز اولى ولو لم يكن له مال غيره كان له ثلث غلة تلك السنة لانه عين مال يحتمل القسمة بالاجزاء

ترجمہ......اور اگر موصی نے وصیت کی اپنے غلام کی آمدنی کی یا اپنے گھر کی آمدنی کی تو بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ منفعت کا بدل ہے تو بدل (آمدنی) منفعت کا حکم لے لیگی اس کے ساتھ وصیت کے جواز کے سلسلہ میں کیسے جائز نہ ہو حالانکہ آمدنی حقیقت میں مال عین ہے اس لئے کہ آمدنی دراہم یا دنانیر ہیں تو آمدنی جواز کے سلسلہ میں اولی ہوگی اور اگر اس کے علاوہ موصی کا مال نہ ہو تو موصی لہ کے لئے اسی سال کی آمدنی کا ثلث ہوگا اس لئے کہ آمدنی ایسا مال عین ہے جو اجزاء کے ساتھ بٹوارہ کا احتمال رکھتا ہے۔

تشریح...... یہ مسئلہ تو ماقبل میں گذر چکا ہے اور وہاں اس کا جواز معلوم ہو چکا ہے مگر جو مسئلہ اس کے بعد مذکور ہے اس کی تمہید کے لئے اس مسئلہ کو دوبارہ بیان کر دیا گیا ہے۔

زید نے وصیت کی کہ میرے غلام یا میرے گھر کی آمدنی خالد کے لئے وصیت ہے تو یہ وصیت جائز ہے اس لئے کہ منافع کی وصیت جائز ہے تو آمدنی کی وصیت بدرجۂ اولی جائز ہوگی اس لئے کہ آمدنی منفعت کا بدل ہے تو جب منفعت کی خدمت جائز ہے تو منفعت کے

بدل کی وصیت بدرجۂ اولی جائز ہوگی۔

کیونکہ آمدنی تو دراہم ودنانیر ہیں جو مال عین ہے تو اس کی وصیت بدرجۂ اولی جائز ہے لیکن اگر اس غلام یا اس گھر کے علاوہ موصی کا اور کوئی مال نہ ہو اور ورثہ اس کی اجازت نہ دیں کہ پوری آمدنی موصی لہٗ کو ملے تو موصی لہٗ کو سالانہ آمدنی کا ثلث ملے گا یعنی اگر کرایہ سالانہ وصول ہو تو سالانہ آمدنی کا ثلث ملے گا اور اگر آمدنی ماہانہ وصول ہو تو ماہانہ آمدنی کا ثلث دیا جائے گا۔

اور یہ بات ماقبل میں گذر چکی ہے کہ جو چیز باعتبار اجزاء تقسیم ہو سکتی ہے تو اس کا بٹوارہ اجزاء کے طریقہ پر ہی ہوگا بطریق مہایات نہ ہوگا۔

آگے اصل مسئلہ بیان کیا جاتا ہے جس کی یہ تمہید تھی فرماتے ہیں۔

موصی لہٗ اس بات کا ارادہ کرے کہ گھر کے ثلث کو ورثا کے ساتھ تقسیم کر کے خود کرایہ پر دے یہ جائز ہے یا نہیں

فلو اراد الموصی له قسمة الدار بينه و بين الورثة ليكون هو الذى يشتغل ثلثها لم يكن له ذالک الا فی رواية عن ابی يوسف فانه يقول الموصی له شريک الوارث وللشريک ذالک فكذا لک للموصی له الا انا نقول المطالبة بالقسمة تبتنی علی ثبوت الحق للموصی له فيما يلاقيه القسمة اذ هو المطالب ولا حق له فی عين الدار وانما حقه فی الغلة فلا يملک المطالبة بقسمة الدار

ترجمہ ..... پس اگر موصی لہٗ نے اپنے درمیان اور ورثا کے درمیان گھر کے بٹوارہ کا ارادہ کیا تاکہ موصی لہٗ ہی گھر کے ثلث کو کرایہ پر دے تو اس کو اس کا حق نہ ہوگا مگر ابو یوسفؒ سے ایک روایت کے اندر پس ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ موصی لہٗ وارث کا شریک ہے اور شریک کو یہ حق ہے پس ایسے ہی موصی لہٗ کو ہوگا مگر ہم کہتے ہیں کہ بٹوارہ کا مطالبہ موصی لہٗ کے لئے حق کے ثبوت پر مبنی ہے اس چیز میں جس سے بٹوارہ ملاقی ہو اس لئے کہ مطالب وہی ہے اور عین دار میں موصی لہٗ کا کوئی حق نہیں ہے اور اس کا حق تو صرف آمدنی میں ہے تو موصی لہٗ گھر کے بٹوارہ کے مطالبہ کا مالک نہ ہوگا۔

تشریح ..... زید نے خالد کے لئے گھر کی آمدنی کی وصیت کی تھی تو یہ جائز تھی اور گھر تہائی سے نہیں نکلتا ہے تو اس کی آمدنی کا ثلث خالد کو دیا جایا کرے گا، لیکن اب خالد چاہتا ہے کہ گھر کا ثلث ورثا سے تقسیم کر کے اس کو خود کرایہ پر دیا کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں تو تمام روایات میں یہ حکم ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت میں اس کا جواز منقول ہے۔

اس روایت کی دلیل ..... یہ ہے کہ موصی لہٗ ورثا کا شریک ہے اور شریک گھر کے بٹوارہ کا مطالبہ کر سکتا ہے تو موصی لہٗ بھی کر سکتا ہے۔

عدم جواز کی دلیل ..... یہ ہے کہ مطالبہ موصی لہٗ جب کر سکتا تھا جب کہ موصی لہٗ کا اس چیز میں کوئی حق ہوتا جس کا بٹوارہ ہوگا حالانکہ اس کا حق فقط آمدنی میں ہے اور بٹوارہ عین دار کا ہوگا جس میں موصی لہٗ کا کوئی حق نہیں ہے لہذا خالد اس مطالبہ کا حقدار نہ ہوگا۔

موصی اپنے غلام کے رقبہ کی وصیت ایک کیلئے اور اس کی خدمت دوسرے کیلئے وصیت کرے اور غلام ثلث سے خارج ہے تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا

ولو اوصى له بخدمة عبدد ولأخر برقبته وهو يخرج من الثلث فالرقبة لصاحب الرقبة والخدمة عليها لصاحب الخدمة لانه اوجب لكل واحد منهما شيئاً معلوماً عطفاً منه لاحدهما على الاخر فتعتبر هذه الحالة بحالة الانفراد

ترجمہ...... اور اگر موصی نے موصیٰ لہٗ کے لئے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے غلام کے رقبہ کی اور وہ غلام تہائی سے نکل جاتا ہے تو رقبہ صاحب رقبہ کے لئے ہے اور رقبہ کے اوپر خدمت صاحب خدمت کی ہے اس لئے کہ موصی نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے شئی معلوم کا ایجاب کیا ہے موصی کی جانب سے ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے پر عطف کرتے ہوئے تو حالت عطف کو حالت انفراد پر قیاس کیا جائے گا۔

تشریح...... زید نے خالد کے لئے رقبۂ غلام کی وصیت کی اور بکر کے لئے اس کی خدمت کی وصیت کی یعنی مثلاً یوں کہا کہ میں نے رقبۂ غلام کی وصیت خالد کے لئے اور خدمت کی وصیت بکر کے لئے کی یعنی خدمت کا رقبہ پر عطف کرتے ہوئے، اور غلام ثلث سے خارج ہو جاتا ہے تو رقبہ خالد کے لئے ہے اور خدمت بکر کے لئے کیونکہ زید نے ہر ایک کے لئے الگ الگ ایجاب کیا ہے اور ہر ایک کے لئے متعین چیز کا ایجاب کیا ہے اور بطریق عطف کیا ہے اور عطف شرکت کا تقاضہ نہیں کرتا بلکہ مغایرت کو چاہتا ہے تو عطف کی صورت میں وہی حکم ہوگا جو انفراداً وصیت کرنے کی صورت میں ہوتا۔

یعنی اگر زید خالد کے لئے رقبہ کی وصیت الگ سے کرے، اور بکر کے لئے خدمت کی وصیت الگ سے کرے تو رقبہ خالد کے لئے ہوتا ہے اور خدمت بکر کے لئے تو عطف کرنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ثم لما صحت الوصية لصاحب الخدمة فلو لم يوص في الرقبة بشئي لصارت الرقبة ميراثا للورثة مع كون الخدمة للموصى له فكذا اذا اوصى بالرقبة للانسان اخراذ الوصية اخت الميراث من حيث ان الملك يثبت فيهما بعد الموت

ترجمہ...... پھر جب کہ صاحب خدمت کے لئے وصیت صحیح ہوگئی پس اگر موصی رقبہ کے سلسلہ میں کچھ وصیت نہ کرتا تو رقبہ ورثا کی میراث ہو جاتا خدمت موصیٰ لہٗ کیلئے ہونے کے ساتھ پس ایسے ہی جب کہ موصی نے رقبہ کی وصیت دوسرے انسان کے لئے کردی اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اس حیثیت سے کہ ان دونوں میں ملکیت موت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

تشریح...... سوال...... یہ تو عجیب سی بات ہے کہ رقبہ کسی کیلئے اور خدمت کسی کے لئے؟

جواب...... یہ کوئی عجیب بات نہیں، اس لئے کہ اگر زید فقط بکر کے لئے خدمت کی وصیت کرتا اور کسی کے لئے رقبہ کی وصیت نہ کرتا تو رقبۂ

غلام ورثہ کی ملک ہوتی اور خدمت بکر کے لئے ہوتی اور اس میں کوئی تعجب نہیں کیا جاتا حالانکہ یہاں بھی یہی بات ہے کہ رقبہ کسی کا اور خدمت کسی کی اور جب میراث میں یہ بات تعجب خیز بات نہ ہوگی اس لئے کہ وصیت اور میراث میں مناسبت ہے کہ دونوں کے اندر ملکیت موت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

حاشیہ میں اس عبارت کو حالت انفراد کی تفسیر وتوضیح قرار دیا گیا ہے یعنی اگر فقط خدمت کی وصیت کرتا اور بس تو رقبہ ورثاء کا ہوتا ہے اور بکر کے لئے خدمت ہوتی تو حالت انضمام میں بھی یہی اشتراک رہے گا کہ خالد کے لئے رقبہ ہوگا اور بکر کے لئے خدمت ہوگی۔

مسئلہ مذکورہ کے نظائر

ولها نظائر وهو ما اذا اوصى بامة لرجل وبما في بطنها لاخر وهي تخرج من الثلث او أوصى لرجل بخاتم والاخر بفصه او قال هذه القوصرة لفلان وما فيها من التمر لفلان كان كما اوصى ولا شئ لصاحب الظرف في المظروف وفي هذه المسائل كلها

ترجمہ...... اور اس مسئلہ کے بہت سے نظائر ہیں اور وہ یہ جب کہ موصی نے کسی شخص کے لئے باندی کی وصیت کی ہو اور دوسرے کے لئے اس کی جو اس کے پیٹ میں ہے اور باندی تہائی سے نکل جاتی ہے یا موصی نے کسی شخص کے لئے انگوٹھی کی وصیت کردی اور دوسرے کے لئے اس کے نگینہ کی یا موصی نے کہا کہ یہ ٹوکری فلاں کے لئے ہے اور جو اس میں کھجور ہیں وہ فلاں کے لئے ہے تو ایسے ہی ہوگا جیسے موصی نے وصیت کی اور مظروف میں سے صاحب ظرف کے لئے کچھ نہ ہوگا ان تمام مسائل میں۔

تشریح...... شاید یہ بات آپ کو عجیب سی اب بھی معلوم ہو کہ رقبۂ غلام خالد کا اور غلام کی خدمت بکر کے لئے اس لئے مصنفؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بہت سے نظائر ہیں، اب ان میں سے تین نظائر یہاں پیش فرماتے ہیں۔

۱- زید نے وصیت کی کہ میری باندی خالد کے لئے ہے اور جو حمل اس کے پیٹ میں ہے وہ بکر کے لئے اور یہ باندی تہائی ترکہ سے نکل جاتی ہے تو باندی خالد کی ہوگی اور اس کا حمل بکر کے لئے ہوگا۔ مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ حمل چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو جائے ورنہ اگر چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ پیدا ہوگا تو حمل کی وصیت صحیح نہ ہوگی۔ (کذافی شرح الطحاوی)

۲- زید نے خالد کے لئے انگوٹھی کی وصیت کی اور بکر کے لئے اس کے نگینہ کی تو حلقہ خالد کا ہوگا اور نگینہ بکر کے لئے ہوگا۔

۳- زید نے وصیت کی کہ یہ ٹوکری خالد کے لئے وصیت ہے اور اس میں جو کھجور ہیں یہ بکر کے لئے وصیت ہیں، تو ٹوکری خالد کے لئے ہو گی اور کھجور بکر کیلئے ہوں گی ہیں اور باندی والے کا کوئی حصہ حمل میں نہیں نہ ہوگا، اور باندی ظرف کے درجہ میں ہے اور اس کا حمل مظروف کے درجہ میں ہے اور ایسے ہی بقیہ دونوں مسئلوں میں صاحب ظرف (خالد) کا کوئی حصہ مظروف میں نہ ہوگا۔

تنبیہ...... اب یہاں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس غلام کا نفقہ کس پر واجب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کے لئے خدمت کی وصیت کی گئی ہے اسی پر غلام کا نفقہ واجب ہے اس لئے کہ خدمت اسی وقت لینا ممکن ہے جب کہ اس پر خرچ بھی کیا جائے جیسے شئی مستعار کا نفقہ مستعیر پر واجب ہوتا ہے۔

اور اگر وہ غلام چھوٹا ہے جو خدمت کے قابل نہیں ہے تو قابل خدمت ہونے تک اس کا نفقہ صاحب رقبہ پر واجب ہوگا

پھر جب وہ صاحب خدمت کی خدمت کرنے لگے تو اس کا نفقہ صاحب خدمت پر واجب ہوگا۔

دو وصیتوں کا اعتبار اس وقت ہے کہ دونوں موصولاً ہوں، اگر مفصولاً ہوں تو کیا حکم ہے، اقوال فقہاء

اما اذا فصل احد الایجابین عن الاخر فیها فکذالک الجواب عند ابی یوسف و علی قول محمد الامة للموصی له بها والولد بینهما نصفان و کذالک فی اخواتها

ترجمہ...... بہر حال جب کہ موصی نے دو ایجابوں میں سے ایک کو دوسرے سے الگ کیا ہو ان تمام مسائل میں تو ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے ہی جواب ہے اور محمدؒ کے قول کے مطابق باندی اس کے لئے جس کے لئے باندی کی وصیت کی گئی ہو اور بچہ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور ایسے ہی اس کی اخوت میں۔

تشریح...... ان تمام مسائل مذکورہ میں یہ حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں وصیتوں کا ذکر موصولاً ہو۔

اور اگر مفصولاً ہو یعنی پہلے باندی کی وصیت خالد کے لئے کر دی اور پھر کلام مفصول کے ساتھ اس کے بچہ کی وصیت بکر کے لئے کر دی تو اب کیا حکم ہے۔

تو فرمایا کہ اس میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ اب بھی وہی فرماتے ہیں جو وصل کی صورت میں فرمایا تھا کہ باندی خالد کی ہوگی اور بچہ بکر کا ہوگا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کلام کے مفصول ہونے کی صورت میں باندی تو اس کی ہوگی جس کے لئے باندی کی خدمت کی گئی ہے اور بچہ خالد اور بکر کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

اور ان دونوں حضرات کا یہ اختلاف فقط باندی اور اس کے بچہ کے درمیان ہی نہیں ہے بلکہ خاتم اور نگینہ اور ٹوکری اور کھجور، ان تمام مسائل میں یہی اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل

لابی یوسف ان بایجابه فی الکلام الثانی تبیّن ان مراده من الکلام الاول ایجاب الامة للموصی له بهادون الولد وهذا البیان منه صحیح وان کان مفصولا لان الوصیة لا تلزم شیئا فی حال حیوة الموصی فکان البیان المفصول فیه والموصول سواء کما فی وصیة الرقبة والخدمة

ترجمہ...... اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اس ایجاب سے جو اس کے کلام ثانی میں ہے یہ بات واضح کر دی کہ کلام اول سے موصی کی مراد موصیٰ لہٗ کے لئے باندی کا ایجاب ہے نہ کہ بچہ کا اور موصی کی جانب سے یہ بیان صحیح ہے اگرچہ مفصول ہے اس لئے کہ وصیت موصی کی حیات کی حالت میں کسی چیز کو لازم نہیں کرتی تو اس میں بیان مفصول اور موصول برابر ہوگا جیسے رقبہ اور خدمت کی وصیت میں۔

تشریح...... یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیان تغیر میں وصل ضروری نہیں ہے اور یہاں موصی کا کلام ثانی بیان تفسیر نہیں ہے۔ یعنی جب زید نے کلام ثانی سے بکر کے لئے ایجاب کیا تو اس کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلام اول سے زید کی مراد فقط

باندی کا ایجاب تھا اس کا بچہ ایجاب میں داخل نہیں تھا، اور زید کا یہ بیان صحیح ہے اگر مفصول بھی ہو اس لئے کہ یہ بیان تغیر نہیں ہے۔ کیونکہ موصی کی زندگی میں وصیت سے کچھ لازم نہ ہوگا بلکہ جو کچھ لازم ہوگا وہ موصی کی موت کے بعد ہوگا تو جب لزوم سے پہلے بیان آ گیا تو یہ مفسر محض ہوگا لہذا بیان موصولاً ہو یا مفصولاً سب کا حکم یکساں ہے۔

جیسے اگر زید نے خالد کے لئے غلام کے رقبہ کی وصیت کی اور بکر کے لئے اس کی خدمت کی وصیت کی تو خواہ موصولاً کرے یا مفصولاً کرے بہر صورت یہی حکم ہے کہ خالد کے لئے رقبہ ہے اور بکر کے لئے خدمت ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل

و لمحمدؒ ان اسم الخاتم یتناول الحلقة و الفص و كذالک اسم الجارية يتناولها و ما فی بطنها و اسم القوصرة كذالک و من اصلنا ان العام الذی موجبه ثبوت الحكم على سبيل الاحاطة بمنزلة الخاص

ترجمہ..... اور محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ خاتم، حلقہ اور نگینہ دونوں کو شامل ہے اور ایسے ہی لفظ جاریہ باندی کو شامل ہے اور اس کو جو اسکے پیٹ میں ہے اور لفظ قوصرہ ایسے ہی ہے اور ہماری اصل میں سے یہ ہے کہ وہ عام جس کا موجب حکم کا علی سبیل الاحاطہ ثبوت ہو وہ خاص کے درجہ میں ہے۔

تشریح..... یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تعارض کے وقت تطبیق کی یہی صورت نکلتی ہے، لہذا فرماتے ہیں کہ۔ لفظ ختم اگر چہ اصطلاح عام نہیں لیکن عام کے درجے میں ہیں جس کے تحت میں حلقے اور نگینہ دونوں داخل ہیں اور ایسے ہی لفظ جاریہ عام کے درجے میں ہے جو باندی کو بھی شامل ہے اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے وہ بھی شامل ہے اور ایسے ہی لفظ قوصرہ ٹوکری کو شامل ہے اور جو ٹوکری میں ہو اس کو بھی شامل ہے اور یہ اصول مسلم ہے کہ عام اصطلاحی ایسے ہی قطعی ہوتا ہے لہذا خاتم بھی اپنے معنی کے سلسلے میں قطعی ہے اول عام ہونے کی وجہ سے اور ثانی خاص ہونے کی وجہ سے۔

تو جب زید نے انگوٹھی کی وصیت خالد کے لئے کی تو خاتم میں حلقہ اور نگینہ دونوں قطعیت کے ساتھ داخل ہیں اور جب اس نے کلام مفصول کیساتھ نگینہ کی وصیت بکر کے لئے کی تو اب صورت یہ ہوئی کہ حلقہ میں تو کچھ تعارض نہیں ہے وہ تو فقط خالد کا ہے البتہ نگینہ کے اندر تعارض ہوا تو عام کا تقاضہ یہ ہے کہ نگینہ بھی خالد کا ہے اور خاص کا تقاضہ یہ ہے کہ نگینہ بکر کا ہے اور عام و خاص دونوں قطعی ہیں تو ہم نے تعارض کو ختم کرنے کے لئے نگینہ کو دونوں کے درمیان مشترک قرار دیا اور آدھا آدھا دونوں کا قرار دے دیا، یہ مصنفؒ کے کلام کا ماحصل ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نور الانوار۔ ص۳ ۷

تنبیہ..... نتائج الافکار ص ۴۸۴ ج ۸ پر مصنفؒ کے اس کلام پر شدید طعن کیا گیا ہے اور آخر میں یہ فرمایا گیا ہے فقولہٗ و من اصلنا ان العام بمنزلة الخاص بمنزلة اللغو ههنا كمالا يخفى قلت یہ بات انصاف سے بعید ہے جب تقریر اس طرح کی جائے گی جو فقیر نے عرض کی تو کوئی اشکال نہ ہوگا۔

تقریر اول کی مزید وضاحت

فقد اجتمع فی الفص و صيتان و كل منهما و صية بايجاب على حدة فيجعل الفص بينهما نصفين و لا يكون

ایجاب الوصیة فیه للثانی رجوعاً عن الاول کما اذا اوصی للثانی بالخاتم

ترجمہ..... پس نگینہ میں دو وصیتیں جمع ہوگئیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ ایجاب کے ساتھ ہے تو نگینہ کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا کر دیا جائے گا اور اس میں ثانی کے لئے وصیت کا ایجاب اول سے رجوع نہ ہوگا جیسا کہ جب کہ موصی نے دوسرے کے لئے خاتم کی وصیت کی ہو۔

تشریح..... تقریر اول کی یہ مزید توضیح ہے کہ یہاں نگینہ کے بارے میں دو وصیتیں ہیں اور دونوں الگ الگ ایجاب سے ثابت ہوئی ہیں تو اب یہاں دو صورتیں ہیں:۔

۱- نگینہ کو ان دونوں کے درمیان مشترک قرار دیدیا جائے۔

۲- دوسرے ایجاب کو اول سے رجوع قرار دے دیا جائے۔

مگر یہاں ثانی طریقہ تو مناسب نہیں بلکہ اول طریقہ انسب ہے لہذا اس پر عمل کیا گیا ہے اور اس کو اول سے رجوع قرار نہیں دیا گیا ہے۔

جیسے اگر موصی خالد کے لئے نگینہ کی وصیت کرے اور پھر بکر کے لئے خاتم کی وصیت کرے تو اب بھی نگینہ فقط خالد کا ہوگا اور حلقہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

امام محمدؒ کی طرف سے امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب

بخلاف الخدمة مع الرقبة لان اسم الرقبة لا یتناول الخدمة و انما یستخدمه الموصی له بحکم ان المنفعة حصلت علی ملکه فاذا اوجب الخدمة لغیره لا یبقی للموصی له فیه حق بخلاف ما اذا کان الکلام موصولاً لان ذالک دلیل التخصیص و الاستثناء فتبین انه اوجب لصاحب الخاتم الحلقة خاصة دون الفص

ترجمہ..... بخلاف خدمت کے رقبہ کے ساتھ اس لئے کہ لفظ رقبہ خدمت کو شامل نہیں ہے اور موصی لہٗ اس سے خدمت لیتا ہے اس حکم سے کہ منفعت موصیٰ لہٗ کی ملک پر حاصل ہوئی ہے پس جب موصی نے اس کے غیر کے لئے خدمت کا ایجاب کیا تو خدمت میں موصیٰ لہٗ کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کلام موصول ہو اس لئے کہ تخصیص اور استثناء کی دلیل ہے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ صاحب خاتم نے خصوصیت سے حلقہ کا ایجاب کیا ہے نہ کہ نگینہ کا۔

تشریح..... یہ امام محمدؒ کی طرف سے امام ابو یوسفؒ کا جواب ہے امام ابو یوسفؒ نے مسائل ثلاثہ مذکورہ کو رقبہ اور خدمت کے مسئلہ پر قیاس کیا تھا تو امام محمدؒ نے جواب دیا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

کیونکہ خاتم تو نگینہ کو شامل ہے اور باندی کے اندر کا حصہ بھی داخل ہے مگر رقبہ میں خدمت شامل نہیں ہے۔

سوال..... تو پھر جس شخص کے لئے غلام کی وصیت کی گئی ہو اور کسی دوسرے شخص کے لئے اس کی خدمت کی وصیت نہ کی گئی ہو وہ خدمت لینے کا مستحق کیوں ہوتا ہے؟

جواب..... اس موصیٰ لہٗ کو جو خدمت لینے کا حق ہوا ہے اس بنا پر نہیں ہوا کہ رقبہ خدمت کو شامل ہے بلکہ اس بنا پر ہوا ہے کہ یہاں منافع

خدمت موصی لہٗ کی ملکیت پر حاصل ہوں گے۔
لیکن جب موصی نے خدمت کا ایجاب دوسرے شخص کے لئے کر دیا تو اب خدمت میں پہلے موصی لہٗ کا حق نہیں رہا۔
اور یہاں اشتراک کے قول کو اختیار نہیں کیا گیا کیونکہ رقبہ پہلے ہی سے خدمت کو شامل نہیں ہے لہذا ہم نے کہا کہ رقبہ پہلے موصی لہٗ کے لئے ہوگا اور خدمت دوسرے موصی لہٗ کے لئے ہوگی۔
اور اگر مقیس میں دوسرا ایجاب موصولاً ہو تو اس بیان کو دلیل خصوص اور استثناء کے درجہ میں رکھا جائے گا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ موصی نے پہلے ہی سے خالد کے لئے پوری انگوٹھی کا ایجاب نہیں کیا بلکہ صرف حلقہ کا کیا ہے نگینہ کا نہیں کیا ہے۔

موصی نے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی تو موصی کی موت کے وقت کا پھل موصی لہ کیلئے ہوگا

قال ومن اوصى لاخر بثمرة بستانه ثم مات و فيه ثمرة فله هذه الثمرة و حدها وان قال له ثمرة بستاني ابداً فله هذه الثمرة وثمرته فيما يستقبل ما عاش وان اوصى له بغلة بستانه فله الغلة القائمة و غلته فيما يستقبل

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جس نے دوسرے کے لئے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی پھر موصی مر گیا اور باغ میں پھل ہیں تو اس کے لئے فقط یہی پھل ہوگا اور اگر موصی نے کہا ہو کہ اس کے لئے ہمیشہ میرے باغ کا پھل ہے تو موصی لہٗ کے لئے یہ پھل ہوگا اور اس باغ کا آئندہ پھل ہوگا جب تک کہ موصی زندہ رہے اور گر موصی نے موصی لہٗ کے لئے اپنے باغ کی آمدنی کی وصیت کی تو موصی لہٗ کیلئے موجودہ آمدنی اور اس کی آئندہ کی آمدنی ہوگی۔
تشریح..... زید نے خالد کے لئے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی تو موصی کے موت کے وقت جو پھل ہے خالد فقط اسی کا مستحق ہوگا اور جو آئندہ پھل آئے گا اس کا مستحق نہ ہوگا اور اگر خالد کے لئے اس نے اپنے باغ کے پھل کی وصیت ہمیشہ کے لئے کر دی تو جو پھل بوقت موت موصی ہے وہ بھی داخل ہے اور جو آئندہ پھل آئے گا وہ بھی داخل ہوگا اور موصی لہٗ کی حیات تک باغ کا پھل موصی لہٗ کو ملتا رہے گا۔
اور اگر زید نے بجائے پھل کے آمدنی کہا ہو تو پھر بغیر لفظ ابد کے موجودہ آمدنی اور آئندہ کی آمدنی وصیت میں داخل ہو جائے گی جب تک کہ خالد زندہ ہے۔

ثمرہ اور غلہ کے فرق کی وجہ

والفرق ان الثمرة اسم للموجود عرفا فلا يتناول المعدوم الابد لالة زائدة مثل التنصيص على الابد لانه لا يتابد الابتناول المعدوم والمعدوم مذكور وان لم يكن شيئا اما الغلة تنتظم الموجود وما يكون بعرض الوجود مرة بعد اخرى

ترجمہ..... اور وجہ فرق یہ ہے کہ ثمرۃ عرفاً موجود کا نام ہے پس وہ معدوم کو شامل نہ ہوگا مگر دلالت زائدہ کی وجہ سے جیسے ابد پر تصریح کر دینا اس لئے کہ پھل تابیدی نہ ہوگا مگر معدوم کو شامل ہونے کے ساتھ اور معدوم قابل ذکر ہے اگر چہ وہ شئی نہیں ہے بہر حال لفظ غلہ شامل ہے موجود کو اور اس کو جو یکے بعد دیگرے وجود کی صلاحیت رکھے عرفاً۔

تشریح ...... ثمرۃ اور غلۃ میں فرق کیوں کیا گیا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ عرف میں پھل اسی کو کہتے ہیں جو موجود ہو لہذا اس میں وہ پھل داخل نہ ہوگا جو کہ معدوم ہے ہاں اگر کوئی زائد لفظ ایسا آ جائے جو ہمیشگی کے معنی پر دلالت کرے جیسے ابد کی صراحت کر دینا تو وقت ثمرۃ آئندہ پھل شامل ہوگا۔

کیونکہ پھل میں بذات خود تو دوام نہیں ہے اور اگر اس میں دوام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تو اس میں آئندہ پھل کو داخل کرنا پڑے گا جو فی الحال معدوم ہے اور معدوم اگر چہ شئی نہیں ہے لیکن وہ قابل ذکر ہے لہذا اگر صراحۃً اس کا ذکر آ گیا تو تابید ثابت ہو جائے گی اور رہا لفظ غلہ (آمدنی) تو یہ اپنی وضع کے اعتبار سے موجود اور اس معدوم کو شامل ہے جو موجود ہو سکتا ہے اور یہ آمدنی کے عرفی معنی ہیں لہذا ان دونوں کے درمیان فرق کر دینا پڑا۔

مثال سے وضاحت

یقال فلان یاکل من غلة بستانه ومن غلة ارضه و داره فاذا اطلقت تتناولهما عرفا غیر موقوف علی دلالة اخری اما الثمرة اذا اطلقت لایراد بها الا الموجود فلهذا یفتقر الانصراف الی دلیل زائد

ترجمہ ...... بولا جاتا ہے کہ فلاں اپنے باغ کی آمدنی کھاتا ہے اور اپنی زمین کی آمدنی اور اپنے گھر کی آمدنی پس جب لفظ غلہ مطلق بولا جائے تو عرفاً دونوں کو (موجود کو اور جو موجود ہونے کی صلاحیت رکھے) شامل ہوگا جو کسی دوسری دلیل پر موقوف نہ ہوگا بہر حال پھل جب کہ مطلق بولا جائے تو اس سے صرف موجود مراد ہوگا اسی وجہ سے پھل ابد کی جانب پھیرنے کے لئے دلیل زائد کا محتاج ہوگا۔

تشریح ...... ثمرۃ اور غلۃ میں فرق ہے کہ اول میں تابید نہیں ہے اور ثانی میں ہے اس کو ایک مثال سے واضح کر رہے ہیں۔

جب کسی کے بارے میں پوچھا جائے کہ وہ کہاں سے کھاتا ہے یعنی ضروریات کہاں سے پوری ہوتی ہیں تو یوں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے باغ کے پھل کھاتا ہے کیونکہ پھل ہمیشہ نہیں کھائے جا سکتے۔

جب ان دونوں کے درمیان یہ فرق واضح ہو گیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ جب لفظ غلہ مطلق بولا جائے تو وہ عرفاً موجود اور غیر موجود دونوں کو شامل ہوگا اور دونوں پر شامل ہونے کے لئے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ ہوگی کہ لفظ ابد کی قید کا اضافہ کیا جائے۔

اور جب لفظ پھل مطلق بولا جائے تو اس سے صرف وہ پھل مراد ہوگا جو موجود ہے لہذا ابد کی طرف پھیرنے کے لئے کسی دلیل زائد کی حاجت پیش آئے گی

موصی نے اپنی بکریوں کی اون، اولاد اور دودھ کی وصیت کی تو موصی لہ کو کب تک اون، دودھ اور اولاد ملے گی

قال ومن اوصی لرجل بصوف غنمه ابداً او باولادها او بلبنها ثم مات فله ما فی بطونها من الولد وما فی ضروعها من اللبن وما علی ظهورها من الصوف یوم یموت الموصی سواء قال ابدا اولم یقل لانه ایجاب عند الموت فیعتبر قیام هذه الاشیاء یومئذ وهذا بخلاف ما تقدم

ترجمہ...... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جس نے کسی شخص کے لئے ہمیشہ کے لئے اپنی بکریوں کی اون کی وصیت کی یا ان کے اولاد کی یا ان کے دودھ کی پھر موصی مر گیا تو موصیٰ لہٗ کے لئے وہ بچے ہیں جوان کے بطون میں ہو اور وہ دودھ ہے جو ان کے تھنوں میں ہو اور وہ اون ہے جو ان کی پشتوں پر ہو جس دن کہ موصی مرا ہو خواہ اس نے ابداً کہا ہو یا نہ کہا ہو اس لئے کہ یہ وصیت موت کے وقت ایجاب ہے تو ان اشیاء کے قیام کا اسی دن اعتبار کیا جائے گا اور یہ پہلے مسئلہ کے خلاف ہے۔

تشریح...... زید نے خالد کے لئے یہ وصیت کی کہ خالد کو ہمیشہ میری غنم کی اون ملے گی یا ان کا دودھ ملے گا یا جو ان کے بچے پیدا ہوں گے وہ ملیں گے، تو فقط خالد کو وہ اون اور اولاد اور دودھ ملے گا جو زید کی موت کے وقت ان کے پیٹوں میں پشتوں پر اور تھنوں میں ہے خواہ زید نے ہمیشگی کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو اس لئے کہ وصیت موت ہی کے وقت ایجاب شمار ہوتا ہے تو ان اشیاء کے اسی دن قیام کا اعتبار ہوگا نہ کہ اس کے بعد کا بخلاف ثمرۃ اور غلۃ والے مسئلہ کے کہ غلۃ میں تو خود ہی تابید ہے اور ثمرۃ میں اگرچہ بذات خود تابید نہیں ہے لیکن اگر اس میں ابد کی قید کا اضافہ کر دیا جائے تو اس میں بھی تابید پیدا ہو جاتی ہے مگر یہاں کسی طرح بھی تابید نہیں ہے۔

اون، دودھ، اولادِ غنم ابد کی صراحت کے باوجود معدوم کو کیوں شامل نہیں

والفرق ان القياس يابى تمليك المعدوم لانه لا يقبل الملك الا ان فى الثمرة والغلة المعدومة جاء الشرع بورود العقد عليها كالمعاملة والاجارة فاقتضى ذالك جوازه فى الوصية بالطريق الاولى لان بابها اوسع اما الولد المعدوم واختاه فلا يجوز ايراد العقد عليها اصلاولا تستحق بعقد ما فكذالك لا يدخل تحت الوصية بخلاف الموجود منها لانه يجوز استحقاقها بعقد البيع تبعا و بعقد الخلع مقصوداً فكذا بالوصية والله اعلم بالصواب

ترجمہ...... اور وجہ فرق یہ ہے کہ قیاس انکار کرتا ہے معدوم کی تملیک کا اس لئے کہ معدوم ملک کو قبول نہیں کرتا مگر ثمرۂ معدومہ اور غلۂ معدومہ کے بارے میں شریعت وارد ہوئی ہے ان پر (ثمرہ اور غلۂ معدومہ) عقد کے بارے میں جیسے مساقات اور اجارہ پس یہ بطریق اولی اس کی وصیت کے جواز کو مقتضی ہے اس لئے کہ وصیت کا باب بہت وسیع ہے اور بہر حال ولد معدوم اور اس کی دونوں بہنیں پس ان پر بالکل عقد وارد کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی عقد سے ان کا استحقاق ہو سکتا ہے پس ایسے ہی یہ وصیت کے تحت میں داخل نہ ہونگے بخلاف اس کے جو ان میں سے موجود ہو اس لئے کہ موجودات کا استحقاق تبعاً عقد بیع کے ساتھ جائز ہے اور مقصود بن کر عقد خلع کے ساتھ پس ایسے ہی وصیت کے ساتھ۔

تشریح...... یہاں سے اس کی وجہ بتا رہے ہیں کہ اون اور دودھ اور اولادِ غنم ابد کی صراحت کے باوجود معدوم کو کیوں شامل نہیں ہے اور ثمرۃ ابد کو ذکر کرنے کے بعد حادث کو کیوں شامل ہو جاتا ہے۔

تو فرمایا کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ معدوم کی تملیک نہ ہو کیونکہ معدوم جب ملک کو قبول نہیں کرتا تو اس کا دوسروں کو مالک کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

سوال ...... پھل اور آمدنی بھی تو معدوم ہیں حالانکہ آمدنی میں آپ نے بغیر ابد کی صراحت کے اور پھل میں ابد کی صراحت کے ساتھ آپ نے اس کو معدوم پر مشتمل مان لیا ہے؟

جواب ...... قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے مگر کیا کیا جائے مساقات اور اجارہ کے متعلق شریعت وارد ہوگئی اور شریعت نے اس کو جائز قرار دے دیا اور پھل میں وہی مساقات کا مسئلہ ہے اور آمدنی میں اجارہ کا اس لئے ان دونوں میں معدوم ہونے کے باوجود جب شریعت نے ان کو جائز قرار دیدیا تو ان کی وصیت کا جواز بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا اس لئے کہ باب وصیت وسیع ہے اور اون اور دودھ اور بکری کی اولاد جو معدوم ہوں یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن پر معدوم ہونے کی صورت میں کوئی عقد نہیں ہوسکتا اور نہ کسی عقد سے ان کا استحقاق ثابت ہوسکتا اس لئے یہ وصیت کے تحت بھی داخل نہیں ہو سکتے البتہ ان اشیاء ثلاثہ میں سے جو چیزیں موجود ہیں تو ان کا عقد بیع کے ضمن میں تبعاً استحقاق ثابت ہو جاتا ہے۔

مثلاً کسی نے بکری خریدی تو تبعاً اس کی اون دودھ اور اس کا بچہ بھی بیع میں داخل ہوگیا۔

اور عقد خلع میں قصداً ان کا استحقاق ہوسکتا ہے۔

مثلاً کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میری باندی یا میری بکری کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کے بدلہ مجھ سے خلع کر لیجئے اور شوہر نے قبول کیا تو خلع صحیح ہوگیا اور جو بکری کے پیٹ میں ہے وہی شوہر کو ملے گا تو جب یہ اشیاء ثلاثہ جب کہ موجود ہوں تبعاً بیع میں داخل ہو سکتی ہیں اور خلع میں قصداً پس وصیت میں بھی داخل ہوں گی اور ان کی وصیت کرنا صحیح ہوگا۔

باب وصية الذمي

ترجمہ ...... یہ باب ذمی کی وصیت کا ہے

تشریح ...... مسلمانوں کی وصیت کے احکام بیان کرنے کے بعد اب مصنفؒ ذمی کی وصیت کے احکام بیان کر رہے ہیں اس لئے کہ کفار معاملات کے حق میں مسلمانوں کے تابع ہیں۔ (وفیہ کلامٌ فی النتائج)

یہودی کا بنایا ہوا کنیسہ اور نصرانی کا بنایا ہوا بیعہ ان کے مرنے کے بعد میراث بن جائے گا، اقوال فقہاء

قال و اذا صنع يهودی او نصرانی بيعة او كنيسة فی صحته ثم مات فهو ميراث لان هذا بمنزلة الوقف عند ابی حنيفة والوقف عنده يورث لا يلزم فكذا هذا واما عندهما فلان هذه معصية فلا تصح عندهما

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا اور جب کہ یہودی یا نصرانی نے بیعہ یا کنیسہ بنایا اپنی صحت کی حالت میں پھر وہ مرگیا تو وہ میراث ہے اس لئے کہ یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف کے درجہ میں ہے اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف میراث ہوتا ہے اور لازم نہیں ہوتا پس ایسے ہی یہ ہوگا اور بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک پس اس لئے کہ یہ معصیت ہے تو ان کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔

تشریح ...... کسی یہودی نے کنیسہ (اپنا عبادت گھر) اور کسی نصرانی نے بیعہ (اپنا عبادت گھر) اپنی صحت کی حالت میں بنایا اور پھر وہ یہودی یا نصرانی مرگیا تو یہ بیعہ یا کنیسہ میراث ہو کر جانے والے کے ورثا کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا۔

کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں اس کو بنا چکا ہے تو یہ وصیت تو ہے نہیں بلکہ یہ وقف ہوگا اور وقف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں ہوتا بلکہ میراث میں تقسیم ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک وقف لازم ہوتا ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معصیت نہ ہو اور یہ وقف معصیت ہے اس لئے بالاتفاق یہ وقف صحیح نہ ہوگا۔ اور بالاتفاق میراث میں تقسیم کردیا جائے گا۔

یہودی یا نصرانی نے کسی معین قوم کیلئے اپنے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنانے کی وصیت کی ایسی وصیت کا حکم

قال و لو اوصى بذالک لقوم مسمين فهو من الثلث معناه اذا اوصى ان تبنى داره بيعة او كنيسة فهو جائز من الثلث لان الوصية فيها معنى الاستخلاف و معنى التمليک و له ولاية ذالک فامكن تصحيحه على اعتبار المعنيين

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور اگر اس نے (یہودی یا نصرانی نے) اس کی (بیعہ یا کنیسہ بنانے کی) کسی معین قوم کیلئے وصیت کی پس وہ ثلث سے معتبر ہوگی اس کے معنی ہیں جبکہ وہ یہ وصیت کرے کہ اس کے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنادیا جائے تو یہ جائز ہے ایک تہائی سے اسلئے کہ وصیت میں استخلاف اور تملیک کے معنی ہیں اور ذمی کو اس کی (استخلاف اور تملیک کی) ولایت ہے تو دونوں معنی کے اعتبار سے اس کی تصحیح ممکن ہے۔

تشریح ...... پہلا مسئلہ تو میراث سے متعلق نہیں تھا اور یہ وصیت سے متعلق ہے فرماتے ہیں کہ اگر یہودی یا نصرانی نے یہ وصیت کی کہ میرے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنادیا جائے تو یہ وصیت جائز ہے اور ثلث کے اندر نافذ ہوگی اور یہ حکم بالاتفاق ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف نہیں ہے مگر یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ کسی معین مخصوص قوم کیلئے بیعہ یا کنیسہ بنانے کی وصیت کرے۔

کیونکہ یہ وصیت ہے اور وصیت کے اندر دو معنی پائے جاتے ہیں۔

۱- استخلاف ۲- تملیک

اور ذمی کیلئے استخلاف بھی جائز ہے اور تملیک بھی جائز ہے تو خواہ اول معنی کا اعتبار کیا جائے تب بھی یہ وصیت جائز ہوگی اور خواہ دوسرے معنی تملیک کا لحاظ کیا جائے تب بھی یہ وصیت جائز ہوگی۔ تو استخلاف کی رعایت سے ہم نے ثلث تک اس کو جائز قرار دیا ہے اور تملیک کے معنی کی رعایت سے ہم نے کہا کہ اب یہ اس معین قوم کی ملکیت ہے وہ جو اس کا چاہیں کرسکتے ہیں۔

مذکورہ وصیت غیر معین اور غیر محصور قوم کیلئے کرے تو کیا حکم ہے

قال و ان اوصى بداره كنيسة لقوم غير مسمين جازت الوصية عند ابى حنيفة و قالا الوصية باطلة لان هذه معصية حقيقة وان كان فى معتقدهم قربة والوصية بالمعصية باطلة لما فى تنفيذها من تقرير المعصية

ترجمہ امام محمدؒ نے فرمایا اور اگر اس نے اپنا گھر کنیسہ بنانے کی وصیت کی غیر محصور قوم کیلئے تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک وصیت جائز ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل ہے اسلئے کہ یہ حقیقتاً معصیت ہے اگرچہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہے اس وجہ سے کہ اس کے نافذ کرنے میں معصیت کو برقرار رکھنا ہے۔

تشریح ..... اگر ذمی نے مذکورہ وصیت غیر معین اور غیر محصور قوم کے لئے کی تو اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اب بھی وصیت جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل ..... یہ ہے کہ یہ وصیت فی نفسہ باطل ہے اگر چہ ذمیوں کے اعتقاد میں قربت ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہے اس لئے کہ اگر اس کو نافذ کیا جائے گا تو معصیت اور باطل کو ہوا ملے گی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

ولابی حنیفة ان هذه قربة فی معتقدهم و نحن امرنا بان نترکهم وما یدینون فتجوز بناء علی اعتقادهم الایری انه لو اوصی بما هو قربة حقیقة معصیة فی معتقدهم لا تجوز الوصیة اعتباراً لاعتقادهم فکذا عکسه

ترجمہ ..... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے اور ہم کو حکم دیئے گئے ہیں کہ ان کو ان کے اعتقاد پر چھوڑ دیں تو یہ وصیت ان کے اعتقاد پر بناء کرتے ہوئے جائز ہے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ذمی نے اس چیز کی وصیت کی جو حقیقۃً قربت ہے ان کے اعتقاد میں معصیت ہے تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے وصیت جائز نہیں ہے تو ایسے ہی اس کا عکس ہوگا۔

تشریح ..... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی وصایا کے جواز اور عدم جواز کا مدار ان کے اعتقاد کے مطابق قربت ہونے اور نہ ہونے پر ہے شریعت نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ذمیوں کے معتقدات سے تعرض نہ کریں اور ان کو ان کے اعتقاد پر چھوڑ دیں۔ اور یہاں ان کے اعتقاد میں یہ قربت ہے لہذا ہم نے اس کو صحیح کہہ دیا اور مسجد بنانے کی وصیت ان کے اعتقاد میں معصیت ہے تو ہم نے ان کے اعتقاد پر مدار رکھتے ہوئے اس کو باطل قرار دیدیا ہے۔

کنیسہ، بیعہ بنانے اور وصیت کے درمیان فرق کی وجہ

ثم الفرق لابی حنیفة بین بناء البیعة والکنیسة وبین الوصیة به ان البناء نفسه لیس بسبب لزوال ملک البانی وانما یزول ملکه بان یصیر محرزا خالصا لله تعالیٰ کما فی مساجد المسلمین والکنیسة لم تصر محرزة لله تعالیٰ حقیقة فتبقی ملکا للبانی فتورث عنه ولانهم یبنون فیها الحجرات و یسکنونها فلم یتحرز لتعلق حق العباد و فی هذه الصورة یورث المسجد ایضا لعدم تحرزه بخلاف الوصیة لانه وضع لازالة الملک الا انه امتنع ثبوت مقتضاه فی غیرما هو قربة عندهم فبقی فیما هو قربة علی مقتضاه فیزول ملکه فلا یورث

ترجمہ ..... پھر ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیعہ اور کنیسہ کے بنانے کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ نفس بناء (تعمیر) ملک بانی کے زوال کا سبب نہیں ہے اور بانی کی ملک اس طرح زائل ہوتی ہے کہ وہ محرز اور خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے

جیسے مسلمانوں کی مساجد میں اور کنیسہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لئے محرز نہیں ہوا تو کنیسہ بانی کی ملک برقرار رہے گا تو کنیسہ بانی کی جانب سے میراث میں تقسیم کیا جائے گا۔

اور اس لئے کہ یہ لوگ کنیسہ میں کمرے بناتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں تو وہ محرز نہ ہوا اس کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ

سے اوراس صورت میں عدم احراز کی وجہ سے مسجد بھی میراث ہو جاتی ہے۔

بخلاف وصیت کے اس لئے کہ وصیت ازالۂ ملک کے لئے موضوع ہے مگر وصیت کے مقتضیٰ کا ثبوت ممتنع ہے اس چیز میں جوان کے نزدیک قربت نہ ہوتو اس چیز کی وصیت جو قربت ہے اپنے مقتضیٰ پر برقرار ہے تو اس کی ملک زائل ہو جائے گی پس وہ میراث میں تقسیم نہ ہوگی۔

تشریح...... امام ابوحنیفہؒ پر ایک اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب ذمی بیعہ یا کنیسہ بنانے کی وصیت کرتا ہے تو آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔اور اگر ذمی خود بیعہ یا کنیسہ بنادے (اپنی زندگی میں) تو اس کو باطل اور غیر لازم قرار دے کر اس میں میراث جاری فرماتے ہیں آخر ایسا کیوں؟

تو یہاں سے مصنفؒ نے امام صاحبؒ کے فرمان کے مطابق ان دونوں کے درمیان وجہ فرق کو واضح کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیعہ یا کنیسہ بنادینا وقف کے درجہ میں ہے اور یہ غیر لازم ہے اور بنانے کی وصیت کرنا وصیت ہی کے درجہ میں اور اگر کوئی مانع نہ ہوتو وصیت لازم ہوا کرتی ہے۔

تو ان دونوں کے درمیان لزوم وعدم لزوم کا فرق ہے۔

اس لئے اول کو میراث قرار دیا گیا اور ثانی کو میراث قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کو وصیت مان کر اس پر وصیت کے احکام جاری کردیئے۔

اب اس تقریر کو مصنفؒ کی لمبی تقریر سے منطبق کیجئے۔

فرماتے ہیں کہ اول صورت میں جب کہ ذمی نے بیعہ یا کنیسہ بنادیا ہے تو اس سے بانی کی ملکیت زائل نہیں ہوتی ہے۔

اس لئے کہ زوال ملک بانی کے لئے ضروری ہے وہ چیز دوسروں کے حقوق سے پاک صاف ہو کر خالص اللہ کے لئے ایسی ہو جائے جیسے مسلمانوں کی مسجدیں، حالانکہ یہود کے کنیسوں میں یہ احراز ندارد ہے لہذا بانی کی ملک برقرار ہے اور جب بانی کی ملک برقرار ہے تو اس میں میراث جاری ہونے پر کوئی شبہ نہیں رہا اور عدم احراز کی دلیل یہ ہے کہ یہود اپنے کنیسوں میں حجرے اور کمرے بناتے ہیں اور ان میں خود سکونت کرتے ہیں۔

تو چونکہ ان کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہے اس لئے ان میں احراز نہیں پایا گیا اور عدم احراز اگر مسلمانوں کی مساجد میں بھی پایا جائے گا تو وہ بھی شرعاً مسجد نہ ہوگی بلکہ اس میں بانی کی ملک برابر برقرار رہے گی اور اس کی جانب سے میراث اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی۔

جیسے مثلاً کسی نے مسجد بنائی اور اس کے اوپر اپنا گھر بنایا تو چونکہ احراز نہیں پایا گیا تو یہ خالص اللہ کے لئے نہ ہوئی۔

لہٰذا یہ بھی میراث میں تقسیم ہوگی اسی طرح یہود کا کنیسہ ہوگا۔

بخلاف وصیت کے اس لئے کہ وصیت تو اسی لئے موضوع ہے کہ موصیٰ بہ سے موصی کی ملکیت زائل ہو جائے۔

لیکن ہم نے وصیت میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر وصیت ایسی چیز کی کی ہے جوان کے نزدیک قربت نہیں ہے تو یہ وصیت ہی نہیں ہے لہذا وصیت کا مقتضاء بھی یہاں ثابت نہ ہوگا اور موصی کی ملک زائل نہ ہوگی اور اگر وصیت ایسی چیز کی کرے جو قربت ہے تو یہ وصیت

درست ہے اور یہاں وصیت کا مقتضاء ثابت ہوگا اور موصی کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور جب ملکیت زائل ہوگئی تو اب یہ موصی کی جانب سے میراث میں تقسیم نہیں کی جاسکتی ہے۔

ذمی کی وصایا کی پہلی قسم

ثم الحاصل ان وصايا الذمي على اربعة اقسام منها ان تكون قربة في معتقدهم ولاتكون قربة في حقنا وهو ما ذكرناه وما اذا اوصى الذمي بان تذبح خنازيره و تطعم المشركين و هذه على الخلاف اذا كان لقوم غير مسمين كما ذكرنا والوجه ما بيناه

ترجمہ...... پھر حاصل یہ ہے کہ ذمی کے وصایا چار قسم پر ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ وصیت ذمیوں کے اعتقاد میں قربت ہو اور ہمارے حق میں قربت نہ ہو اور یہ وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جب کہ ذمی نے وصیت کی ہو کہ اس کے خنزیروں کو ذبح کیا جائے اور مشرکین کو کھلایا جائے اور یہ صورت اختلاف پر ہے جب کہ غیر معین قوم کے لئے ہو جیسا کہ ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں اور اس کی وجہ وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح...... مصنفؒ اختلافی مسئلہ کو بیان کر کے اور اس پر فریقین کے دلائل بیان کر کے یہ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ ذمی کی وصیتیں کل چار قسم پر ہیں، اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل اور ہر ایک کا حکم بیان کریں گے یہ پہلی صورت ہے جو ابھی بیان کی گئی ہے کہ ذمی ایسی چیز کی وصیت کرے جو ہمارے اعتقاد میں باطل ہے اور ذمیوں کے اعتقاد میں قربت ہے جس کا حکم ابھی گذر چکا ہے کہ یہ صورت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل ہے۔

اسی پہلی صورت کی ایک جزئی یہ بھی ہے کہ ذمی نے یہ وصیت کی کہ میرے خنزیروں کو ذبح کر کے مشرکوں کو کھلا دینا، تو اس میں بھی وہی اختلاف ہے اور وہی فریقین کے دلائل ہیں۔

اور اگر اس صورت میں ذمی نے کسی معین و محصور قوم کے لئے وصیت کی ہو تو پھر باجماع جائز ہے۔

دوسری قسم

ومنها اذا اوصى بما يكون قربة في حقنا ولا يكون قربة في معتقدهم كما اذا اوصى بالحج او بان يبني مسجد المسلمين او بان يسرج في مساجد المسلمين وهذه الوصية باطلة بالاجماع اعتباراً لاعتقادهم الا اذا كان لقوم باعيانهم لوقوعه تمليكا لانهم معلومون والجهة مشورة

ترجمہ...... اور انھیں صورتوں میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ جب کہ ذمی اس چیز کی وصیت کرے جو ہمارے حق میں قربت اور ذمیوں کے اعتقاد میں قربت نہ ہو جیسے جب کہ وہ حج کی وصیت کرے یا یہ وصیت کرے کہ مسلمانوں کی مسجد بنادی جائے یا مسلمانوں کی مساجد میں چراغ جلایا جائے اور یہ وصیت بالاجماع باطل ہے ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے مگر جب کہ وصیت کسی معین قوم کے لئے ہو وصیت کے تملیک واقع ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ یہ لوگ (جن کے لئے وصیت کی گئی ہے) معلوم ہیں اور جہت مشورہ ہے۔

تشریح...... یہ اقسام اربعہ میں سے دوسری قسم کا بیان ہے۔ ان کے اعتقاد میں قربت نہیں ہے اور ہمارے اعتقاد میں قربت ہے۔ مثلاً

ذمی وصیت کرتا ہے کہ میرے مال سے حج کرا دینا یا مسلمانوں کی مساجد میں چراغ جلا دینا یا مسلمانوں کی مسجد تعمیر کر دینا وغیرہ تو اس صورت میں تفصیل ہے مطلق مسلمان کہتا ہے یا کسی معین قوم کے بارے میں کہتا ہے جو محصور ہے۔ اگر وہ لوگ جن کیلئے وصیت کرے غیر محصور ہوں تو پھر یہ وصیت بالاجماع باطل ہے

اور اگر محصور قوم کے لئے وصیت کرتا ہے تو وصیت جائز ہوگی جس کا ہم یہ مطلب قرار دیں گے کہ موصی نے اس معین قوم کو اس مال کا مالک بنا دیا ہے اور پھر جو اس نے یہ جہت بیان کی ہے کہ اس کو حج میں صرف کیا جائے یا چراغ جلانے میں یا مسجد بنانے میں یہ اس کا مشورہ ہوگا۔

بہر حال وصیت جائز ہے اور وہ قوم اس کی مالک بن جائے گی اور اس مال کا جو چاہیں کریں۔

تیسری قسم

ومنها اذا اوصى بما يكون قربة في حقنا و في حقهم كما اذا اوصى بان يسرج في بيت المقدس او يغزى الترك وهو من الروم وهذا جائز سواء كان القوم باعيانهم او بغير اعيانهم لانه وصية بما هو قربة حقيقة و في معتقدهم ايضاً

ترجمہ ...... اور انہیں میں سے یہ ہے جب کہ ذمی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو ہمارے حق میں اور ان کے حق میں قربت ہے جیسے جب کہ وہ بیت المقدس میں چراغ جلانے کی وصیت کرے یا ترک یعنی روم سے جنگ کی وصیت کرے اور یہ جائز ہے خواہ قوم معین ہو یا غیر معین ہو اس لئے کہ یہ اس چیز کی وصیت ہے جو کہ حقیقۃً قربت ہے اور ان کے اعتقاد میں بھی (قربت ہے)۔

تشریح ...... یہ اقسام اربعہ مذکورہ میں سے تیسری قسم ہے جو ہمارے نزدیک بھی قربت ہو اور ان کے نزدیک بھی قربت ہو تو یہ وصیت بالاتفاق صحیح ہے۔ مثلاً اس نے یہ وصیت کی کہ میرے مال میں سے بیت المقدس میں چراغ جلا دینا یا میرے مال میں سے ترک یعنی روم کی جنگ میں خرچ کرنا، پھر یہاں قوم کے محصور اور غیر محصور ہونے سے کوئی بحث نہیں۔

چوتھی قسم

و منها اذا اوصى بما لا يكون قربة لا في حقنا ولا في حقهم كما اذا اوصى للمغنيات و النائحات فان هذا غير جائز لانه معصية في حقنا و في حقهم الا ان يكون لقوم باعيانهم فيصح تمليكا و استخلافاً

ترجمہ ...... اور انہیں میں سے ہے جب کہ ذمی ایسی چیز کی وصیت کرے جو نہ ہمارے حق میں قربت ہو اور نہ ان کے حق میں جیسے جب کہ وہ گانے والی عورتوں اور نوحہ کرنے والی عورتوں کے لئے وصیت کرے پس یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ ہمارے اور ان کے حق میں معصیت ہے مگر یہ کہ یہ وصیت کسی معین قوم کے لئے ہو پس صحیح ہے تملیک اور استخلاف کے اعتبار سے۔

تشریح ...... یہ اقسام اربعہ میں سے چوتھی قسم کی وصیت ہے جو کسی کے نزدیک قربت نہ ہو اس کی وصیت کرے یعنی نہ ان کے نزدیک وہ قربت ہے اور نہ ہمارے نزدیک جیسے وہ وصیت کرے کہ میرا اتنا مال گانے والی ڈومنیوں اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو دے دینا تو یہ وصیت باطل ہے اس لئے کہ بطور قربت کے اس کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔

اور نہ بطور تملیک کے اس لئے کہ وہ لوگ غیر محصور ہونے کہ وجہ سے مجہول ہیں اور مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں ہے۔
ہاں اگر کسی معین و محصور قوم کے لئے وصیت کی فلاں فلاں ڈومنی اور فلاں فلاں نوحہ کرنے والی عورت تو اب وصیت درست ہے لیکن قربت کی حیثیت سے نہیں بلکہ تملیک اور استخلاف کی حیثیت سے۔

بدعتی کی وصیت کا حکم

و صاحب الهوى ان كان لا يكفر فهو في حق الوصية بمنزلة المسلمين لانا امرنا ببناء الاحكام على الظاهر و ان كان يكفر فهو بمنزلة المرتد فيكون على الخلاف المعروف في تصرفاته بين ابي حنيفة و صاحبيه و في المرتدة الاصح انه تصح وصاياها لانها تبقى على الردة بخلاف المرتد لانه يقتل او يسلم

ترجمہ ...... اور صاحب بدعت اگر اس کی تکفیر نہ ہو تو وہ وصیت کے حق میں مسلمانوں کے درجہ میں ہے اس لئے کہ ہم کو ظاہر پر احکام کے مبنی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر اس کی تکفیر کی جائے تو وہ مرتد کے درجہ میں ہے تو ہوگا اس اختلاف کے مطابق جو معروف و مشہور ہے مرتد کے تصرفات کے سلسلہ میں ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اور مرتدہ میں اصح یہ ہے کہ اس کی وصایا صحیح ہیں اس لئے کہ مرتدہ ردت پر برقرار رہ سکتی ہے بخلاف مرتد کے اس لئے کہ اس کو قتل کیا جائے گا یا وہ مسلمان ہوگا۔

تشریح ...... یہ ذمیوں کا بیان چل رہا تھا اسی میں مصنفؒ نے مسلمانوں سے ان لوگوں کا حکم بیان فرمایا جو صاحب ہوئی و بدعت ہیں تو یہاں سے ان کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ اگر ان کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہوئی ہو تو وہ مرتد کے حکم میں ہیں اور اگر حد کفر تک پہنچی ہوئی نہ ہو تو وہ مسلمانوں کے حکم میں ہیں۔

اور مرتد کے بارے میں ہدایہ جلد ثانی کے آخر میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف گذر چکا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مرتد کے تصرفات موقوف ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہوں گے۔

اور اگر وصیت کرنے والی مرتدہ ہو تو چونکہ اس کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ قید رکھی جائے گی جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائے، تو مرتدہ ذمیہ کے درجہ میں ہے اور ذمیہ کے مثل مرتدہ کے تصرفات نافذ ہوں گے۔

اور مرتد کو قتل کیا جائے گا یا وہ مسلمان ہو جائے گا تو وہ اپنی ردت پر باقی نہیں رہ سکتا اس لئے مرتد ذمی کے درجہ میں نہ ہوگا۔

کافر حربی دارالاسلام میں امان لے کر آیا ہو اسکی کسی مسلمان یا ذمی کیلئے پورے مال کی وصیت کا حکم

قال و اذا دخل الحربي دارنا بامان فاوصى لمسلم او ذمي بماله كله جاز لان امتناع الوصية بما زاد على الثلث لحق الورثة ولهذا ينفذ باجازتهم و ليس لورثته حق مرعى لكونهم في دار الحرب اذ هم اموات في حقنا ولان حرمة ماله باعتبار الامان والامان كان لحقه لا لحق ورثته

ترجمہ ...... محمدؒ نے فرمایا اور جب حربی ہمارے دار (دارالاسلام) میں امان لے کر داخل ہوا پس اس نے کسی مسلمان یا ذمی کو اپنے کل مال کی وصیت کر دی تو جائز ہے اس لئے کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کا ممتنع ہونا ورثا کے حق کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے ورثا کی اجازت سے وہ نافذ ہو جاتی ہے (یعنی ثلث سے زیادہ کی وصیت) اور حربی مستامن کے ورثہ کیلئے کوئی ایسا حق نہیں جس کی رعایت کی جائے ورثا کے

دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس لئے حربیین ہمارے حق میں مردے ہیں اور اس لئے کہ مستامن کے مال کی حرمت امان کے اعتبار سے ہے اور امان مستامن کا حق ہے نہ کہ مستامن کے ورثا کا حق۔

تشریح ...... کوئی کافر حربی امان لے کر ہمارے دارالاسلام میں آیا اور یہاں اس نے کسی مسلمان یا کسی ذمی کو اپنے پورے مال کی وصیت کر دی تو یہ جائز ہے، شاید اس پر یہ اشکال ہو کہ یہ کیسے جائز ہوا جب کہ اس کے دوثلث کے اندر ورثا کا حق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو ورثا وہ حربی ہیں جو دار الحرب میں ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے حق کی رعایت ہو اس لئے کہ وہ تو ہمارے حق میں مردوں کے مثل ہیں۔

اور یہ بھی وجہ ہے کہ مستامن کے مال میں جو حرمت پیدا ہوئی ہے کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے یہ حق مستامن کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ حق ورثا کی وجہ سے۔

کافر مستامن کی کل مال سے کم کیساتھ وصیت کا حکم

ولو كان اوصى باقل من ذالك اخذت الوصية و يرد الباقي على ورثته و ذالك من حق المستامن ايضاً ولو اعتق عبده عند الموت او دبر عبده في دارالاسلام فذالك صحيح منه من غير اعتبار الثلث لما بينا

ترجمہ ...... اور اگر کافر مستامن نے کل سے کم کی وصیت کی ہو تو وصیت کے بقدر لیا جائے گا اور باقی کو مستامن کے ورثا پر واپس کر دیا جائے گا اور یہ بھی مستامن کے حق کی وجہ سے ہوگا اور اگر اس نے موت کے وقت اپنے غلام کو آزاد کیا ہو یا اپنے غلام کو مدبر کیا ہو دارالاسلام میں تو یہ اس کی جانب سے ثلث کا اعتبار کئے بغیر صحیح ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ...... اگر حربی مستامن نے تمام مال کی وصیت نہ کی ہو بلکہ اس سے کم کی ہو تو یہ بھی درست ہے اور بقدر وصیت موصیٰ لہ کو ملے گا اور باقی مستامن کے ورثا کو واپس کر دیا جائے گا لیکن یہ ورثا کو واپس حق ورثا کے احترام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حق مستامن کی رعایت کی وجہ سے ہے کہ وہ ہمارا مستامن تھا اس کا مال صحیح ٹھکانہ پر پہنچا دیا جائے۔

اور اگر مستامن حربی نے دارالاسلام کے اندر بوقت موت اپنا غلام آزاد کیا ہو، یا اپنا غلام مدبر کیا ہو تو صحیح ہے اور اس میں بھی ثلث کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ ثلث کا لحاظ جب بھی ہوتا ہے تو وہ حق ورثا کی وجہ سے ہوتا ہے اور ورثا رعایت کے لائق نہیں کیونکہ ہمارے حق میں حربی لوگ مردوں کے مثل ہیں۔

حربی مستامن کیلئے مسلمان یا ذمی کی وصیت کا حکم

و كذالك لو اوصى له مسلم او ذمي بوصية جاز لانه مادام في دارالاسلام فهو في المعاملات بمنزلة الذمي و لهذا تصح عقود التمليكات منه في حال حياته و يصح تبرعه في حياته فكذا بعدمماته

ترجمہ ...... اور ایسے ہی اگر حربی مستامن کے لئے کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی وصیت کی تو یہ جائز ہے اس لئے کہ مستامن جب تک دارالاسلام میں ہے تو وہ معاملات میں ذمی کے درجہ میں ہے اسی لئے مستامن کے ہاتھ تملیکات کے عقود مسلمان کی طرف سے صحیح ہیں مسلمان کی زندگی میں اور مسلمان کا تبرع صحیح ہے مسلمان کی زندگی میں پس ایسے ہی مسلمان کی موت کے بعد۔

تشریح ...... اگر کوئی مسلمان یا ذمی حربی مستامن کے لئے وصیت کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جائز ہے اس لئے کہ مسلمان اگر ذمی کے لئے وصیت کرے تو جائز ہے اور حربی مستامن جب تک کہ وہ ہمارے دارالاسلام میں ہے تمام معاملات میں ذمی کے درجہ میں ہے لہذا حربی مستامن کے لئے بھی وصیت جائز ہوگی۔

اگر مسلمان اپنی زندگی میں حربی مستامن کے ہاتھ بیع وغیرہ کے معاملات کرے تو جائز ہے جیسے ذمی کے ہاتھ جائز ہے۔

اسی طرح اگر مسلمان اپنی زندگی میں حربی مستامن کے لئے کوئی تبرع کرے ہبہ وغیرہ کرے تو جائز ہے۔

تو اسی طرح اگر مرنے کے بعد مسلمان حربی مستامن پر کوئی تبرع کرے تو وہ بھی جائز ہوگا۔

شیخینؒ کا نقطۂ نظر

وعن ابی حنیفة و ابی یوسف انه لا یجوز لانه مستامن من اهل الحرب اذ هو علی قصد الرجوع و یمکن منه ولا یمکن من زیادة المقام علی السنة الا بالجزیة

ترجمہ ...... اور ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ ایسا مستامن ہے جو اہل حرب میں سے ہے اس لئے کہ وہ رجوع کے ارادہ پر ہے اور اس کو رجوع کی قدرت دی جائے گی اور ایک سال سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی مگر جزیہ کے ساتھ۔

تشریح ...... اگر مسلمان ذمی کو وصیت کرے تو جائز ہے لیکن حضرات شیخین سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مستامن حربی ہے اور دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان تباین کی وجہ سے آپس میں عصمت و موالات منقطع ہے لہذا اس پر یہ احسان کرنا باطل ہوگا۔

اور وہ حربی اس لئے ہے کہ اس کا ارادہ واپس چلے جانے کا ہے اور اگر وہ واپس جانا چاہے تو اس کو روکا نہیں جائے گا ہاں البتہ اگر یہاں ٹھہرنا چاہے تو ایک سال سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا اور اگر ایک سال سے زیادہ ٹھہر گیا تو اب اس پر جزیہ واجب کر دیا جائے گا اور اب دارالحرب واپس جانے کی قدرت نہیں دی جائے گی بلکہ وہ ذمی کے درجہ میں ہو جائے گا۔

ذمی کی تہائی سے زیادہ یا اپنے وارث کیلئے وصیت کا حکم

ولو اوصی الذمی باکثر من الثلث او لبعض و رثته لا یجوز اعتبارا بالمسلمین لانهم التزموا احکام الاسلام فیما یرجع الی المعاملات ولو اوصی لخلاف ملته جاز اعتباراً بالارث اذ الکفر کله ملة واحدة ولو اوصی لحربی فی دار الاسلام لا یجوز لان الارث ممتنع لتباین الدارین والوصیة اخته واللہ أعلم

ترجمہ ...... اور اگر ذمی نے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی یا اپنے بعض ورثہ کیلئے وصیت کی تو جائز نہیں ہے مسلمانوں پر قیاس کرتے ہوئے اس لئے کہ ذمیوں نے اسلام کے احکام کا التزام کیا ہے ان احکام میں جو معاملات کی جانب راجع ہیں اور اگر ذمی نے اپنی ملت کے خلاف کے لئے وصیت کی ہو تو جائز ہے ارث پر قیاس کرتے ہوئے اس لئے کہ کفر سب ملت واحدہ ہے اور اگر ذمی نے دارالاسلام میں رہتے ہوئے حربی کے لئے وصیت کی تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ ارث ممتنع ہے دارین کے تباین کی وجہ سے اور وصیت

میراث کی بہن ہے واللہ اعلم۔

تشریح ..... مصنفؒ کچھ اور مزید جزئیات پیش فرما رہے ہیں،

۱- اگر ذمی نے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی یا اپنے ورثہ کے لئے وصیت کی تو کیا یہ جائز ہے؟

تو فرمایا کہ نہیں، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ذمیوں کے لئے بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ احکام جن کا معاملات سے تعلق ہے ان احکام کے اندر اہل ذمہ مسلمانوں کے مثل ہیں اور یہ معاملہ ہے جس میں اہل ذمہ مسلمانوں کے مثل ہیں۔

۲- اگر کسی ذمی یہودی نے نصرانی ذمی کے لئے وصیت کر دی تو کیا حکم ہے؟

تو فرمایا کہ جائز ہے کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے یعنی تمام کفار ایک کھیت کے بھوے ہیں۔

۳- اور اگر اس ذمی نے جو دارالاسلام میں ہے کسی ایسے حربی کے لئے وصیت کر دی جو دارالحرب میں ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ صورت مذکورہ میں تباین دارین کی وجہ سے ارث بھی ممتنع ہے تو وصیت بھی ممتنع ہوگی اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے۔

باب الوصی وما یملکهٗ

ترجمہ ..... یہ وصی اور اس کے اختیارات کا باب ہے

تشریح ..... اب تک مصنفؒ نے موصی لہٗ کے احکام کو بیان فرمایا ہے تو اب موصی الیہ کے احکام بیان فرمائیں گے" اور موصی الیہ کو وصی کہتے ہیں جو موصی کی موت کے بعد اس کے اموال کا نظم ونسق کرتا ہے، بہر حال موصی لہٗ کے احکام بکثرت ہیں اور اس کا وقوع بکثرت ہے اس لئے موصی لہٗ کے احکام کو مقدم اور وصی کے احکام کو مؤخر بیان کیا گیا ہے۔"

وصی موصی کے سامنے وصایت قبول کر لے اور اسکی عدم موجودگی میں رد کر دے تو رد معتبر نہیں

قال ومن اوصى الى رجل فقبل الوصي في وجه الموصي وردها في غير وجهه فليس برد لان الميت مضى لسبيله معتمداً عليه فلو صح رده في غير وجهه في حياته او بعد مماته صار مغروراً من جهته فرد رده بخلاف الوكيل بشراء عبد بغير عينه او ببيع ماله حيث يصح رده في غير وجهه لانه لاضرر هناك لانه حي قادر على التصرف بنفسه

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے کسی شخص کو وصی بنایا پس وصی نے وصایت کو موصی کے سامنے قبول کر لیا اور وصی نے موصی کی عدم موجودگی میں وصایت کو رد کر دیا تو رد نہیں ہوا اس لئے کہ میت اپنی راہ پر لگ گیا وصی پر اعتماد کرتے ہوئے پس اگر موصی کی عدم موجودگی میں اس کا رد صحیح ہو جائے موصی کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد تو وہ وصی کی جانب سے دھوکہ خوردہ ہو جائے گا تو اس کا رد رد کر دیا جائے گا بخلاف اس کے جو کسی غیر معین غلام کو خریدنے کا وکیل ہو یا اس کے مال کو بیچنے کا وکیل ہو اس حیثیت سے کہ مؤکل کی عدم موجودگی میں وکیل کا رد صحیح ہے اس لئے کہ یہاں کوئی ضرر نہیں ہے اس لئے کہ مؤکل زندہ ہے بذات خود تصرف کرنے پر قادر ہے۔

تشریح ۔۔۔۔ زید نے اپنی موت کے قریب خالد کو اپنا وصی بنایا اور خالد نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا یعنی موصی کے سامنے خالد نے قبول کر لیا اور پھر اس کی عدم موجودگی میں وصایت کو رد کر دیا تو وصایت رد نہ ہوگی اس لئے کہ زید تو خالد پر اعتماد کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو اگر خالد کا رد معتبر ہو جائے تو اس میں ضرر رشدید ہے اور اس میں زید کو دھوکہ دینا ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے لہذا زید کا یہ رد مردود ہوگا۔

ہاں اگر زید نے خالد کو وکیل بنایا کہ میرے لئے کوئی غلام خرید و یا وکیل بنایا کہ میرا مال فروخت کر دو اور خالد نے زید کی عدم موجودگی میں وکالت کا انکار کر دیا تو جائز ہے اس لئے کہ یہاں کوئی ضرر نہیں کیونکہ زید خود زندہ ہے صاحب قدرت ہے اور اس کام کو خود انجام دے سکتا ہے۔

البتہ اگر زید نے کسی معین غلام کو خریدنے کے لئے خالد کو وکیل بنایا تھا اور خالد نے زید کی عدم موجودگی میں وکالت کو رد کر دیا اور پھر اس غلام کو اپنے لئے خرید لیا تو وکالت رد نہ ہوگی اور یہ غلام زید کے لئے ہوگا۔

اگر وصی وصایت موصی کے سامنے رد کر دے تو رد معتبر ہے

فان ردها في وجهه فهو رد لانه ليس للموصي ولاية الزامه التصرف ولا غرور فيه لانه يمكنه ان ينيب غيره وان لم يقبل ولم يرد حتى مات الموصي فهو بالخيار ان شاء قبل وان شاء لم يقبل لان الموصي ليس له ولاية الالزام فبقي مخيراً فلوانه باع شيئا من تركته فقد لزمته لان ذالك دلالة الالتزام والقبول وهو معتبر بعد الموت

ترجمہ ۔۔۔۔ پس اگر وصی نے وصایت کو موصی کے سامنے رد کر دیا تو رد ہو گیا اس لئے کہ موصی کے وصی پر تصرف کو لازم کرنے کی ولایت نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی دھوکہ ہے اس لئے کہ موصی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اس کے غیر کو نائب بنائے اور اگر وصی نے نہ قبول کیا اور نہ رد کیا یہاں تک کہ موصی مر گیا تو وصی کو اختیار ہے اگر چاہے قبول کرے اور اگر چاہے تو قبول نہ کرے اس لئے کہ موصی کو الزام کی ولایت نہیں ہے تو وصی با اختیار باقی رہا پس اگر وصی نے موصی کے ترکہ میں سے کوئی چیز بیچ دی تو وصایت اس پر لازم ہو گئی ہے اس لئے کہ یہ (بیچنا) التزام اور قبول کرنے کی دلیل ہے اور قبول کرنا موت کے بعد معتبر ہے۔

تشریح ۔۔۔۔ اگر خالد نے زید کے سامنے ہی وصایت کو رد کر دیا تو رد ہو جائے گا کیونکہ زید کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے پر اس تصرف کو لازم کر دے یعنی زید کو خالد پر ولایت الزام حاصل نہیں ہے۔

اور جب خالد نے زید کے سامنے رد کیا ہے تو اس میں دھوکہ کی بھی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ یہاں زید کسی دوسرے کو اپنا وصی مقرر کر سکتا ہے۔

اور اگر خالد نے موصی کے کہنے کے بعد نہ قبول کیا اور نہ رد کیا بلکہ خاموش رہا یہاں تک کہ زید کا انتقال ہو گیا تو خالد کو اختیار ہے خواہ قبول کرے خواہ رد کرے اس لئے کہ موصی کو اس پر ولایت الزام حاصل نہیں ہے لہذا خالد کو اختیار ہے ہاں اگر اس نے قبول تو نہیں کیا تھا لیکن زید کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں سے کسی چیز کو بیچ دیا تو اب یہ وصی بن گیا اور ولایت اس کے لئے لازم ہو گئی اس لئے کہ یہ

التزام اور قبول کی علامت ہے اور موتِ موصی کے بعد قبول والتزام معتبر ہے۔

وصی موصی کے ترکہ سے کوئی چیز فروخت کردے تو یہ بیع نافذ ہے یا نہیں

و ینفذ البیع لصدوره من الوصی و سواء علم بالوصایة او لم یعلم بخلاف الوکیل اذا لم یعلم بالتوکیل فباع حیث لا ینفذ لان الوصایة خلافة لانه یختص بحال انقطاع ولایة المیت فتنقل الولایة الیه واذا کانت خلافة لایتوقف علی العلم کالوراثة اما التوکیل انابة لثبوته فی حال قیام ولایة المنیب فلا یصح من غیر علمه کاثبات الملک بالبیع والشراء و قد بینا طریق العلم و شرط الاخبار فیما تقدم من الکتب

ترجمہ ..... اور بیع نافذ ہو جائے گی بیع کے صادر ہونے کی وجہ سے وصی کی طرف سے اور خواہ وصی کو وصایت کا علم ہو یا نہ ہو بخلاف وکیل کے جب کہ اس کو توکیل کا علم نہ ہو پس اس نے بیع کی تو نافذ نہ ہوگی اس لئے کہ وصایت تو خلافت ہے اس لئے کہ وصایت مختص ہے میت کی ولایت کے انقطاع کے وقت پس ولایت وصی کی جانب منتقل ہو جائے گی اور جب کہ وصایت خلافت ہے تو خلافت علم پر موقوف نہیں ہے مثل وارث کے بہرحال توکیل انابت ہے توکیل کے ثابت ہونے کی وجہ سے منیب کی ولایت کے قائم ہونے کے وقت میں تو توکیل صحیح نہ ہوگی بغیر علم وکیل کے جیسے بیع اور شراء کے ذریعہ ملک کا اثبات۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں علم کے طریقہ کو اور اخبار کی شرط کو ان بہت سی کتابوں میں جو ماقبل میں گذر چکی ہیں۔

تشریح ..... وصی نے جو موصی کے ترکہ میں سے کسی چیز کو فروخت کر دیا ہے تو یہ بیع نافذ ہے یا نہیں؟

تو فرمایا کہ بیع بھی نافذ ہے اور یہ بیع دلیل قبول بھی ہے اور یہی نہیں بلکہ اگر وصی نے بیع کی اور اب تک وصی کو یہ بھی علم نہیں ہوا کہ زید نے مجھے وصی بنایا تھا تب بھی بیع صحیح ونافذ ہے۔

اور اگر زید نے خالد کو وکیل بنایا کہ وہ میرا فلاں سامان فروخت کرے اور خالد کو اس توکیل کا علم نہیں ہوا اور علم سے پہلے ہی اتفاق سے خالد نے اس سامان کو فروخت کر دیا تو بیع نافذ نہ ہوگی اور وصایت اور توکیل میں وجہ فرق یہ ہے کہ وصایت خلافت ہے اور توکیل انابت ہے۔

خلافت کا مطلب یہ ہے کہ موصی کی موت کے بعد وصی کو تصرف کا اختیار ہوگا اور انابت کا مطلب یہ ہے کہ مؤکل موجود ہے اور اس کو تصرف پر قدرت حاصل ہے پھر بھی وکیل کو تصرف کا اختیار ملتا ہے تو وکیل اپنے مؤکل کا نائب ہے خلیفہ نہیں ہے۔

حضرات شیخین آنحضرت ﷺ کے خلیفہ ہیں اور نائب مہتمم، مہتمم صاحب کے خلیفہ نہیں بلکہ نائب ہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ وصایت خلافت ہے اور توکیل انابت ہے تو اب دونوں کا الگ الگ قانون سنئے۔

خلافت کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے ثبوت میں علم کی محتاج نہیں ہے جیسے وراثت چونکہ خلافت ہے وارث کو علم ہو یا نہ ہو وہ وارث ہو گیا اسی طرح وصایت خلافت ہے لہذا وصی کو علم ہو یا نہ ہو تو وصی وصی ہو گیا۔

اور انابت کا اصول یہ ہے کہ جب تک نائب کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں فلاں کا نائب ہوں جب تک نیابت ثابت نہ ہوگی۔

جیسے خالد کے لئے زید نے ایک گھوڑا خریدا اور خالد کو اس کا علم نہیں ہے اور اسی حال میں خالد نے اس گھوڑے میں کچھ تصرف کیا تو

خالد پر بیع لازم نہ ہوگی اس لئے کہ خالد ابھی بیع سے واقف ہی نہیں ہے لہذا خالد کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے۔

رہی یہ بات کہ وصی یا وکیل کو آگاہی اور اطلاع کا کون سا ذریعہ معتبر ہے تو وہ ماقبل میں متعدد مقامات پر گذر چکا ہے کہ وکالت کا علم ایک شخص کی خبر سے ثابت ہو جائے گا وہ شخص خواہ آزاد ہو خواہ غلام، عادل ہو یا فاسق، عورت ہو یا مرد، بالغ ہو یا بچہ یہ تو اتفاقی حکم ہے، رہا مسئلہ عزل کا تو اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک عزل کا بھی یہی حکم ہے یعنی جس طرح وکالت کا علم معتبر ہے اسی طرح عزل کا حکم ہے یعنی مطلق خبر واحد سے اس کا بھی ثبوت ہو جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو چیزوں میں سے ایک شرط ہے یا تو عدد ہو یا عدالت یعنی عزل کی خبر دینے والے یا تو دو آدمی ہوں اور اگر ایک ہو تو اس کا عادل ہونا ضروری ہے۔

اسی کو مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ علم کے ذریعہ اور اخبار کی شرط ایک جگہ نہیں بلکہ ہدایہ کی متعدد کتابوں میں بیان کر چکے ہیں یعنی کتاب ادب القاضی کی فصل القضاء بالمواریث میں اور کتاب الشفعہ میں بیان کیا ہے۔

وصی نے موصی کی وصایت کو قبول نہیں کیا پھر موصی فوت ہو گیا پھر اولاً رد کیا پھر بعد میں قبول کرنے کا حکم

وان لم يقبل حتى مات الموصى فقال لا اقبل ثم قال اقبل فله ذالك ان لم يكن القاضى اخرجه من الوصية حين قال لا اقبل لان بمجرد قوله له اقبل لا يبطل الايصاء لان فى ابطاله ضررا بالميت و ضرر الوصى فى الابقاء مجبور بالثواب و دفع الاول وهو اعلى اولى الا ان القاضى اذا اخرجه عن الوصاية يصح ذالك لانه مجتهد فيه اذ للقاضى ولاية دفع الضرر

ترجمہ...... اور اگر وصی نے قبول نہ کیا ہو یہاں تک کہ موصی مر جائے پس وصی نے کہا لا اقبل (میں وصایت کو قبول نہیں کرتا) پھر کہا کہ میں قبول کرتا ہوں تو وصی کے لئے اس کا حق ہے اگر اس کے لا اقبل کہنے کے وقت وصی نے اس کو وصیت سے خارج نہ کیا ہو اس لئے کہ اس کے محض لا اقبل کہنے کی وجہ سے ایصاء باطل نہ ہوگا اس لئے کہ ایصاء کو باطل کرنے میں میت کا ضرر ہے اور وصی کا ضرر ایصاء کو باقی رکھنے میں ثواب کے ذریعہ پورا کر دیا جائے گا اور اول کو دفع کرنا حالانکہ وہ اعلیٰ ہے اولیٰ ہے مگر جب قاضی نے وصی کو وصایت سے خارج کر دیا تو یہ اخراج صحیح ہے اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے کہ قاضی کو لوگوں سے ضرر دور کرنے کی ولایت ہے۔

تشریح...... جب زید نے خالد کو وصی بنایا تو اس وقت تو خالد نے قبول نہیں کیا اور زید کی موت کے بعد بھی اولاً اس نے کہا کہ مجھے یہ وصایت قبول نہیں ہے اس کے بعد پھر کہا کہ میں نے وصایت کو قبول کر لیا تو ہمارے نزدیک اب بھی وصی کا قبول کرنا درست ہے اور امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ رد کے بعد پھر قبول کرنے کی ولایت نہیں رہی کیونکہ اس کے رد کرنے سے موصی کی تفویض باطل ہوگئی اور جب تفویض ہی باطل ہوگئی تو اس کے بعد قبول کرنے کا حق نہیں رہا۔

بہرحال ہمارے نزدیک اب بھی قبول کرنے کا حق ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ قاضی نے اس کو وصایت سے خارج نہ کیا ہو اور اگر

اس کے لا اقبل کہنے کے وقت قاضی نے اس کو وصایت سے خارج کر دیا ہو تو پھر قاضی کے اخراج کے بعد اس کو یہ حق نہیں رہا کہ وہ وصی بن جائے اس لئے کہ جب اس نے لا اقبل کہا تھا تو محض یہ کہنے کی وجہ سے ایصاء باطل نہیں ہوا تھا۔

اس لئے کہ اگر ایصاء کو باطل کر دیں تو اس میں میت کا ضرر ہے کیونکہ وہ تو اسپر اعتماد کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوا ہے تو میت کو ضرر سے بچانے کے لئے ایصاء کو باطل نہیں کیا گیا ہے۔

اور ایصاء کو باقی رکھنے میں میت کا فائدہ ہے لیکن اس میں وصی کا ضرر ہے اس لئے کہ اس پر وصایت لازم ہو جاتی ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی ذمہ داری نبھانے سے عاجز ہو۔

تو اس کا جواب دیا کہ اس میں وصی کا بھی ضرر ہے لیکن وصی کے ضرر کو ثواب کے ذریعہ پورا کر دیا گیا ہے یعنی اس کو ثواب آخرت حاصل ہوگا۔

یا یوں کہئے کہ یہ دونوں ضرر ہیں مگر میت کا ضرر اولیٰ واعلیٰ ہے اور وصی کا ادنیٰ ہے اور ضرر اقویٰ کو دور کرنے کے لئے ادنیٰ کا تحمل کیا جاتا ہے لہذا وصی کے ضرر ادنیٰ کا تحمل کیا جائے گا۔

لیکن اگر اس کو قاضی نے وصایت سے خارج کر دیا ہو تو قاضی کا اخراج صحیح ہے اس لئے کہ قاضی کا یہ فیصلہ امور اجتہادیہ میں ہے اور جب امور اجتہادیہ میں قاضی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ لازم ہو جاتا ہے لہذا وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ قاضی نے یہ کام ضرر کو دور کرنے کے لئے کیا ہے اور قاضی کو لوگوں سے ضرر دور کرنے کی ولایت ہے۔

قاضی کو وصی کی وصایت سے معزول کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں

و ربما یعجز عن ذالک فیتضرر ببقاء الوصایة فیدفع القاضی الضرر عنه و ینصب حافظاً لمال المیت متصرفا فیه فیندفع الضرر من الجانبین فلهذا ینفذ اخراجه فلو قال بعد اخراج القاضی ایاه اقبل لم یلتفت الیه لانه قبل بعد بطلان الوصایة بابطال القاضی

ترجمہ...... اور بسا اوقات وصی اس سے (وصایت کے فرائض انجام دینے سے) عاجز ہوتا ہے تو وصی ضرر محسوس کرے گا وصایت کے باقی رہنے سے تو قاضی وصی سے ضرر کو دور کرے گا اور میت کے مال کے لئے کوئی نگراں مقرر کرے گا جو میت کے مال میں تصرف کرے گا تو جانبین کا ضرر دور ہو جائے گا اس وجہ سے قاضی کا اخراج نافذ ہوگا پس اگر وصی نے قاضی کے اس کو خارج کرنے کے بعد اقبل کہا تو اس کی جانب التفات نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وصی نے وصایت کے بطلان کے بعد قبول کیا ہے جو قاضی کے ابطال سے باطل ہوئی ہے۔

تشریح...... وہی پہلی بات باقی ہے کہ قاضی کو یہ ولایت ہے کہ وصی کو وصایت سے خارج کر دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وصی وصایت کے فرائض انجام دینے سے عاجز ہو اور اس کے باوجود بھی وصایت کو باقی رکھا جائے تو اس میں وصی کا ضرر ہے لہذا قاضی کو حق ہوگا کہ وہ وصی کو وصایت سے خارج قرار دے کر وصی کے ضرر کو دور کرے اور میت کے مال کے لئے کوئی نگراں مقرر کر دے جو مال میت میں تصرف کرے تو اس تدبیر سے جانبین کا ضرر دور ہو جائے گا لہذا قاضی نے جو وصی کو وصایت سے خارج کیا تو اس کا

اخراج نافذ ہوگا۔

اور اگر وصی اخراج قاضی کے بعد کہتا ہے کہ میں قبول کرتا ہوں تو اس کے قبول کی جانب التفات نہ ہوگا اس لئے کہ اب قبول کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جب کہ قاضی کے ابطال کی وجہ سے وصایت باطل ہو چکی ہے۔

قاضی کسی کے وصی غلام، کافر اور فاسق کو وصایت سے نکال سکتا ہے

قال ومن اوصى الى عبد او كافر او فاسق اخرجهم القاضي عن الوصاية و نصب غيرهم وهذا اللفظ يشير الى صحة الوصية لان الاخراج يكون بعدها و ذكر محمد في الاصل ان الوصية باطلة قيل معناه في جميع هذه الصور ان الوصية ستبطل و قيل في العبد معناه باطل حقيقة لعدم ولايته واستبداده و في معناه غيره ستبطل و قيل في الكافر باطل ايضا لعدم ولايته على المسلم

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے کسی غلام یا کافر یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی ان کو وصایت سے خارج کر دے گا اور ان کے غیر کو مقرر کرے گا اور قدوریؒ کا یہ لفظ وصیت کی صحت کی جانب مشیر ہے اس لئے کہ اخراج صحت کے بعد ہوتا ہے اور محمدؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ وصیت باطل ہے کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ان تمام صورتوں میں یہ ہیں کہ وصیت عنقریب باطل کر دی جائے گی اور کہا گیا ہے کہ غلام کے سلسلہ میں اس کے معنی حقیقۃً باطل ہونے کے ہیں غلام کی عدم ولایت اور عدم استقلال کی وجہ سے اور غلام کے غیر میں اس کے معنی ستبطل کے ہیں اور کہا گیا ہے کہ کافر میں بھی باطل ہے کافر کی مسلمان پر ولایت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح ...... اگر زید نے خالد کے غلام کو اپنا وصی بنایا کسی کافر یا فاسق کو اپنا وصی بنایا تو امام قدوری نے کہا ہے کہ قاضی ان تینوں کو وصایت سے خارج کر دے گا اور ان کے علاوہ کو مقرر کر دے گا، اب اس پر صاحب ہدایہؒ کچھ تبصرہ فرما رہے ہیں کہ امام قدوریؒ کا یہ کلام اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وصیت صحیح ہو جائے گی اس لئے کہ اخراج اسی وقت ہوگا جب کہ وصیت صحیح ہو گئی ہو۔

اور امام محمدؒ نے مبسوط میں یہ فرمایا ہے کہ وصیت باطل ہے اب اس کی تشریح میں اقوال مختلف ہیں۔

۱- فقیہ ابو اللیثؒ نے جامع صغیر کی شرح میں امام محمدؒ کے اس قول مذکور کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وصیت ان تینوں صورتوں میں اس قابل ہے کہ اس کو باطل قرار دیا جائے تو چونکہ یہ وصیت باطل کئے جانے کے قابل ہے اس لئے اس کو پہلے ہی سے باطل کہہ دیا گیا ہے۔

۲- اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ غلام کی صورت میں تو یہ بطلان اپنی حقیقت پر محمول ہے یعنی وصیت سرے ہی سے باطل ہے کیونکہ غلام کے اندر یہ ولایت نہیں ہے اور نہ غلام کو استقلال حاصل ہے کیونکہ وہ اپنے مولیٰ کے قبضہ اور اس کے اختیار میں ہے۔

۳- اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کافر کو وصی بنایا گیا تو یہ بھی سرے ہی سے باطل ہے کیونکہ کافر بھی مسلمان پر ولایت نہیں رکھتا اور نہ اس میں یہ اہلیت ہے کہ وہ مسلمان کا ولی بن سکے۔

وصیت کی صحت، قاضی کے اخراج کی صحت کی وجہ

ووجه الصحة ثم الاخراج ان اصل النظر ثابت لقدرة العبد حقيقة وولاية الفاسق على اصلنا وولاية الكافر

فی الجملة الا انه لم يتم النظر لتوقف ولاية العبد على اجازة المولى و تمكنه من الحجر بعدها والمعاداة الدينية الباعثة للكافر على ترك النظر فى حق المسلم واتهام الفاسق بالخيانة فيخرجه القاضى من الوصايا و يقيم غيره مقامه اتماماً للنظر

ترجمہ...... اور صحت کی پھر اخراج کی وجہ یہ ہے کہ اصل شفقت ثابت ہے غلام کے حقیقۃً قادر ہونے کی وجہ سے اور ہماری اصل کے مطابق فاسق کی ولایت کی وجہ سے اور فی الجملہ کافر کی ولایت کی وجہ سے مگر شفقت تام نہیں ہے غلام کی ولایت کے موقوف ہونے کی وجہ سے آقا کی اجازت اور آقا کے قادر ہونے کی وجہ سے اجازت کے بعد حجر عائد کرنے پر اور اس دینی دشمنی کی وجہ سے جو مسلمان کے حق میں کافر کو شفقت کے ترک پر ابھارنے والی ہے فاسق کے متہم ہونے کی وجہ سے خیانت کی وجہ سے تو قاضی ان میں سے ہر ایک کو وصایت سے نکال سکتا ہے اور ان کے غیر کو ان کی جگہ رکھ سکتا ہے شفقت کو پورا کرنے کی غرض سے۔

تشریح...... جن حضرات نے یہ فرمایا کہ وصیت صحیح ہے اور پھر قاضی کا اخراج بھی صحیح ہے تو یہاں سے مصنفؒ وجہ صحت اور پھر اخراج کی صحت کی وجہ بیان فرما رہے ہیں۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان تینوں کے حق میں وصیت کو اس لئے صحیح قرار دیا گیا کہ ان تینوں کے اندر اصل شفقت تو ہے لیکن اس میں نقصان ہے اور کمی ہے تو اصل کے پائے جانے کی وجہ سے صحت ہوگئی اور نقصان کے پائے جانے کی وجہ سے اخراج صحیح ہو گیا۔

اب رہی یہ بات کہ اصل قدرت کیسے ہے تو فرمایا کہ غلام کو تو ایسے ہے کہ وہ عاقل بالغ ہے تو وہ تصرف کا اہل ہے اور فاسق ہماری اصل کے مطابق ولایت رکھتا ہے۔

اور رہا کافر فی الجملہ اس کو بھی ولایت ہے مثلاً کسی کافر نے کسی مسلمان غلام کو خرید لیا تو اسکا خریدنا صحیح ہے اور غلام پر کافر مشتری کو اس غلام پر ولایت حاصل ہو جائے گی وہ دوسری بات ہے کہ اس کافر کو اس مسلمان غلام کو بیچنے پر جبر کیا جائے گا۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ کافر کو بھی ولایت ہے مگر ان میں سے کسی کی شفقت کامل و تام نہیں ہے، اس لئے کہ غلام کی ولایت تو آقا کے نظر و کرم پر ہے اگر وہ اجازت دیدے تو باقی ہے ورنہ ختم اور اجازت دینے کے بعد بھی جب آقا چاہے اس کو مجور علیہ قرار دے سکتا ہے۔

اور کافر میں نقصان کا باعث یہ ہے کہ وہ کافر ہے جس کو دینی دشمنی اس بات پر ابھار سکتی ہے کہ وہ مسلمان کے لئے شفقت کو چھوڑ دے۔ اور فاسق میں یہ کمی ہے کہ وہ خیانت کے ساتھ متہم ہے لہذا ان وجوہات کے پیش نظر قاضی ان کو وصایت سے خارج کر کے ان کی جگہ اور کو مقرر کر سکتا ہے تا کہ شفقت کا پورا پورا خیال رہ سکے۔

فاسق کو کب وصایت سے خارج کیا جائے گا

و شرط فى الاصل ان يكون الفاسق مخوفا عليه فى المال وهذا يصلح عذرا فى اخراجه و تبديله بغيره

ترجمہ...... اور مبسوط میں شرط لگائی ہے کہ فاسق ایسا ہو جس پر مال کے بارے میں خوف ہو اور یہ بات (فاسق کا ایسا ہونا جس پر مال کے بارے میں خوف ہو) فاسق کے اخراج اور اس کی اس کے غیر کے بدلہ تبدیلی کا عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تشریح...... مبسوط میں فاسق کے اخراج کے بارے میں لکھا ہے کہ اسی وقت اس کا اخراج درست ہے جب کہ وہ فاسق ایسا ہو جس پر مال کے بارے میں خرد برد کا اندیشہ ہو، اور مال کے بارے میں خرد برد کا اندیشہ یہ ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے فاسق کو وصایت سے الگ کر کے کسی اور کو اس کی جگہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

اس لئے کہ موصی کا مقصد اس کو وصی بنانے سے یہ تھا تا کہ یہ موصی کے بعد اس کی اولاد اور اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس نے بجائے حفاظت کے خیانت شروع کر دی۔

اپنے غلام کو وصی بنانے کا حکم، اقوال فقہاء

قال و من اوصى الى عبد نفسه و فى الورثة كبار لم تصح الوصية لان للكبير ان يمنعه او يبيع نصيبه فيمنعه المشترى فيعجز عن الوفاء بحق الوصاية فلا يفيد فائدته و ان كانوا صغاراً كلهم فالوصية اليه جائزة عند ابى حنيفة و لا تجوز عندهما و هو القياس

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے اپنے غلام کو وصی بنایا اور ورثا میں بالغ لوگ موجود ہوں تو وصیت صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ بالغ کو حق ہے کہ وہ غلام کو منع کر دے یا وہ غلام میں سے اپنا حصہ فروخت کر دے تو غلام کو مشتری منع کر دیگا پس غلام وصایت کے حق کو پورا کرنے سے عاجز ہو جائے گا تو وصایت اپنا فائدہ نہیں دے گی اور اگر تمام ورثا چھوٹے ہوں تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو وصی بنانا جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے۔

تشریح...... پہلے مسئلہ میں تو موصی نے کسی اور کے غلام کو وصی بنایا تھا جس کا حکم بیان کیا جا چکا ہے۔

اور اگر زید نے اپنے ہی غلام کو وصی بنایا تو اس کا کیا حکم ہے۔

تو فرمایا کہ اس میں تفصیل ہے، اولاً یہ دیکھا جائے کہ ورثا چھوٹے ہیں یا بالغ ہیں تو اگر تمام ورثا بالغین ہوں یا ورثا میں سے کچھ لوگ بالغین ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق وصیت صحیح نہ ہوگی۔

اور اگر تمام ورثا نابالغ ہوں تو اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں اور جو صاحبینؒ کا قول ہے یہی قیاس کا تقاضہ ہے۔

اگر تمام ورثا یا ان میں سے کچھ لوگ بالغین ہوں تو وصیت کے جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بالغ کو حق ہے کہ وہ اس غلام وصی کو روک دے اور تصرف نہ کرنے دے کیونکہ یہ بالغ اس کا مولی ہے جس کو اپنے غلام پر ولایت حاصل ہے۔

نیز اس بالغ کو یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنا حصہ فروخت کر دے تو جس مشتری نے اس کے حصہ کو خریدا ہے وہ اس غلام کو تصرف سے منع کر سکتا ہے لہٰذا اس طریقہ پر یہ غلام وصی وصایت کے حق کو پورا کرنے سے عاجز و قاصر رہے گا۔ تو پھر وصایت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے

و قيل قول محمد مضطرب فيه يروى مرة مع أبى حنيفة و تارة مع ابى يوسف

ترجمہ...... اور کہا گیا ہے کہ محمدؒ کا قول اس میں مضطرب ہے کبھی روایت کیا جاتا ہے ابو حنیفہؒ کے ساتھ اور کبھی ابو یوسفؒ کے ساتھ۔

تشریح ...... اولاً صاحب ہدایہؒ نے امام محمدؒ کا قول امام ابو یوسفؒ کے ساتھ نقل کیا تھا اب فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس میں امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے بعض روایات میں امام محمدؒ کے قول کو ابوحنیفہؒ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور بعض روایات میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

تنبیہ ..... اس بارے میں تفصیلی گفتگو کیلئے نتائج الافکار خصوصیت سے قابل دید ہے۔

صاحبینؒ کے قول (جو قیاس کے عین مطابق ہے) کی دلیل

وجه القياس ان الولاية منعدمة لما ان الرق ينافيها و لان فيه اثبات الولاية للمملوك على المالك وهذا قلب المشروع و لان الولاية الصادرة من الاب لا تتجزى وفى اعتبار هذه تجزيتها لانه لا يملك بيع رقبة و هذا نقص الموضوع

ترجمہ ..... قیاس کی دلیل یہ ہے کہ غلام کی ولایت معدوم ہے اس لئے کہ رقیت ولایت کے منافی ہے اور اس لئے کہ اس میں مالک پر مملوک کے لئے ولایت کو ثابت کرنا ہے اور یہ امر مشروع کا قلب ہے اور اس لئے کہ وہ ولایت جو باپ کی طرف سے صادر ہوئی ہے غیر متجزی ہے اور اس وصیت کے اعتبار کرنے میں ولایت کی تجزی ہے اس لئے کہ غلام اپنے رقبہ کی بیع کا مالک نہیں ہے اور یہ موضع کی شکست ہے۔

تشریح ...... یہ صاحبینؒ کے قول کی دلیل ہے جو قیاس کے مطابق ہے اور اس دلیل میں تین پرزے ہیں۔

١- غلام کو وصی مقرر نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس میں ولایت نہیں ہے اس لئے کہ رقیت اور ولایت میں منافات ہے۔

٢- اصول تو یہ ہے کہ اعلیٰ کو ادنیٰ پر ولایت حاصل ہو اور غلام ادنیٰ اور مالک اعلیٰ ہے اور آپ نے غلام کو جو مملوک ہے آقا پر جو مالک ہے ولایت دیدی حالانکہ یہ قلب موضوع اور قلب مشروع ہے۔

٣- موصی کی ولایت غیر متجزی ہے یعنی باپ کو جو ولایت تھی وہ غیر متجزی ہے اور اگر اس غلام کو ولایت دیدی جائے تو اس میں تجزی لازم آئے گی کیونکہ غلام اگرچہ موصی کے سامان کو فروخت کر سکتا ہے لیکن خود اپنے کو فروخت نہیں کر سکتا اور یہ موضوع کو توڑ دینا ہے کہ بات تھی کیسی اور ہو گئی کیسی لہٰذا ہم نے کہا کہ اپنے غلام کو وصی نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

امام صاحبؒ کے قول کی دلیل

و له انه مخاطب مستبد بالتصرف فيكون اهلا للوصاية و ليس لاحد عليه ولاية فان الصغار و ان كانوا ملاكا ليس لهم و لاية المنع فلامنافاة و ايصاء المولى اليه يوذن بكونه ناظراً لهم و صار كالمكاتب و الوصاية قد تتجزى على ما هو المروى عن ابى حنيفة او نقول يصار اليه كيلا يودى الى ابطال و تغيير الوصف لتصحيح الاصل اولى

ترجمہ ..... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام مخاطب ہے مستقل ہے تصرف کے سلسلہ میں تو غلام وصایت کا اہل ہوگا اور کسی کو اس پر ولایت نہیں ہے اس لئے کہ بچے اگرچہ مالک ہیں ان کے لئے منع کرنے کی ولایت نہیں ہے تو کوئی منافات نہیں ہے اور مولیٰ کا اس کو وصی بنا دینا

غلام کے بچوں کے لئے ناظر (شفیق) ہونے کی خبر دینا ہے اور وہ مکاتب کے مثل ہو گیا اور وصایت متجزی ہے اس قول کے مطابق جو ابوحنیفہؒ سے مروی ہے یا ہم کہتے ہیں کہ اس کی جانب رجوع کیا جائے گا تاکہ اصل ایصاء تک مؤدی نہ ہو جائے اور وصف کو متغیر کرنا اولی ہے اصل کی تصحیح کے لئے۔

تشریح ...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے چونکہ ان کے نزدیک اپنے غلام کو صورت مذکورہ میں وصی بنانا درست ہے۔

تو فرماتے ہیں کہ یہ غلام مخاطب ہے یعنی عاقل، بالغ ہے تصرف کے بارے میں مستقل ہے البتہ غیر کے غلام کے اندر استقلال و استبداد نہیں ہے کیونکہ وہ غیر جب چاہے گا اس پر حجر عائد کردے گا، اس وجہ سے اپنا غلام وصایت کا اہل قرار دیا جائے گا۔

اور کسی کو اس پر ولایت حاصل نہیں کیونکہ موصی کی اولاد صغار اگر چہ اس غلام کی مالک ہے لیکن ان کو اس پر ولایت حاصل نہیں کہ وہ اس کو روک سکیں، تو یہاں کوئی منافات نہیں رہی اس لئے کہ ایسی کوئی وجہ نہیں پائی گئی جو اس کی ولایت کو ممنوع قرار دیدے۔

اور جب مولی نے اس غلام کو وصی بنایا ہے تو اس سے خود بخود یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ غلام بچوں کے حق میں ناظر و نگراں ہے تو اس غلام کی جانب وصیت کرنا ایسا ہو گیا جیسے اپنے مکاتب کو وصی بنانا اور یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوگا۔

رہا صاحبینؒ کا اعتراض وصی کی ولایت میں تجزی نہیں ہے اور اس غلام کی ولایت میں تجزی ہے جس میں نقض لازم آتا ہے۔

تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق وصایت متجزی ہے لہذا اگر موصی نے زید کو عین کے سلسلہ میں وصی بنایا اور خالد کو دین کے وصول کرنے میں دونوں اپنے اپنے امور کو انجام دیں گے اور اس میں تصرف کریں گے حالانکہ موصی کو دونوں کے اندر تصرف کرنے کا حق تھا تو تجزی ثابت ہوگئی۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ صفت سے زیادہ موصوف کی اہمیت ہے اس لئے موصوف کو ابطال سے بچانے کے لئے وصف کے تغیر و تبدل کو برداشت کر لیا جائے گا۔ لہذا ابطال وصیت کے مقابلہ میں ولایت کا تغیر یعنی عدم تجزی سے تجزی کی جانب آنا اس کا تحمل کر لیا جائے گا۔

وصیت کے فرائض انجام دینے سے عاجز یا قاصر شخص کو وصی بنانے کا حکم

قال ومن اوصى الى من يعجز عن القيام بالوصية ضم اليه القاضى غيره رعاية لحق الموصى والورثة وهذا لان تكميل النظر يحصل بضم الاخر اليه لصيانته وبعض كفايته فيتم النظر باعانة غيره

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے ایسے شخص کو وصی بنایا جو وصیت کے ادا کرنے سے عاجز ہے تو قاضی اس کی جانب اس کے غیر کو ملائے گا موصی اور ورثا کے حق کی رعایت کی وجہ اور یہ اس لئے کہ نظر کی تکمیل اس کی جانب دوسرے کو ملانے سے حاصل ہوگی وصی کی صیانت و حفاظت کی وجہ سے اور اس کی بعض کفایت کی وجہ سے تو شفقت تام ہو جائے گی اس کے غیر کی اعانت سے۔

تشریح ...... زید نے خالد کو اپنا وصی مقرر کیا تھا لیکن وہ وصیت کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے یا عاجز ہے تو ایسے موقع پر قاضی اس کے ساتھ دوسرے کو ملا دے تاکہ موصی اور ورثا دونوں کی رعایت ہو سکے اس لئے کہ ایسا کرنے میں مکمل شفقت حاصل ہو جائے گی اس وصی عاجز کی صیانت و حفاظت بھی ہوگی اور کچھ امور میں دوسرا اس کی کفایت کرے گا تو جب دوسرا اس کا معین ہو

گیا تو شفقت تام ہوگئی۔

وصی قاضی کے سامنے عجز کا اظہار کرے تو کیا حکم ہے

ولو شكى اليه الوصى ذالك لا يجيبه حتى يعرف ذالك حقيقة لان الشاكى قد يكون كاذبا تخفيفا على نفسه و اذا ظهر عند القاضى عجزه اصلاً استبدل به رعاية للنظر من الجانبين ولو كان قادرا على التصرف امينا فيه ليس للقاضى ان يخرجه لانه لو اختار غيره كان دونه لما انه كان مختار الميت و مرضيه فابقاؤه اولى ولهذا قدم على اب الميت مع وفور شفقته فاولى ان يقدم على غيره

ترجمہ..... اور اگر وصی نے اپنی عاجزی کی قاضی سے شکایت کی تو قاضی اس کی بات کو قبول نہ کرے یہاں تک کہ حقیقۃً اس کو پہچان لے اس لئے کہ شکایت کرنے والا کبھی کاذب ہوتا ہے اپنے نفس پر تخفیف کی غرض سے اور جب قاضی کے نزدیک یقیناً اس کی عاجزی ظاہر ہو جائے تو اس کو قاضی بدل دے جانبین سے شفقت کی رعایت کرتے ہوئے اور اگر وصی تصرف پر قادر ہو تصرف میں امین ہو تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ وہ وصی کو خارج کرے اس لئے کہ اگر قاضی نے اس کے غیر کو اختیار کیا تو وہ غیر اس سے گھٹیا ہوگا اس لئے کہ وصی میت کا مختار اور اس کا پسندیدہ تھا تو اس کو باقی رکھنا اولیٰ ہوگا اسی وجہ سے وصی میت کے باپ پر مقدم کیا جاتا ہے باپ کی شفقت کے کامل ہونے کے باوجود تو بدرجۂ اولیٰ اس کو باپ کے غیر پر مقدم کیا جائے گا۔

تشریح..... اگر وصی نے قاضی سے خود بخود اپنی عاجزی کی شکایت کی تو قاضی بغیر تحقیق کے وصی کی بات قبول نہ کرے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہو کیونکہ آدمی اپنے اوپر تخفیف کی غرض سے بھی جھوٹ بول دیا کرتا ہے،

ہاں اگر بعد تحقیق قاضی کے سامنے اس کی عاجزی ظاہر ہو جائے تو اب قاضی اس کو بدل دے تاکہ اس میں دونوں کی رعایت ہو سکے یعنی وصی کی بھی اور میت کے ورثاء کی بھی۔

اور اگر وصی تصرفات پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ امین ہو تو اس کو وصایت سے خارج نہیں کرے گا کیونکہ یہ وصی میت کا بنایا ہوا ہے اور میت کے نزدیک پسندیدہ ہے تو جو دوسرا اس کی جگہ منتخب کیا جائے گا وہ اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی شخص نے اپنا وصی مقرر کیا اور موصی کا باپ بھی موجود ہے تو وصی کو میت کے باپ سے مقدم رکھا جاتا ہے حالانکہ باپ میں کامل شفقت موجود ہے تو جب اس کو باپ سے مقدم رکھا گیا ہے تو اوروں پر بدرجۂ اولیٰ مقدم رکھا جائے گا۔

تمام یا بعض ورثاء وصی کی قاضی کو شکایت کریں تو قاضی کیا فیصلہ صادر کرے

و كذا اذا شكى الورثة او بعضهم الوصى الى القاضى فانه لا ينبغى له ان يعزله حتى تبدو له منه خيانة لانه استفاد الولاية من الميت غير انه اذا ظهرت الخيانة فالميت انما نصبه وصيا لا مانته و قد فاتت ولو كان فى الاحياء لا خرجه منها فعند عجزه ينوب القاضى منابه كانه لا وصى له

ترجمہ..... اور ایسے ہی جب کہ ورثاء نے یا ورثاء میں سے بعض نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو قاضی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو معزول کرے یہاں تک کہ جب اس کی خیانت ظاہر ہو جائے، اس لئے کہ اس نے میت کی جانب سے ولایت حاصل کیا ہے علاوہ اس

بات کے کہ جب خیانت ظاہر ہو جائے تو میت نے اس کو اس کی امانت کی وجہ سے وصی مقرر کیا تھا اور امانت فوت ہو چکی ہے اور اگر موصی زندہ لوگوں میں سے ہوتا تو اس کو وصیت سے خارج کر دیتا پس میت کے عاجز ہونے کے وقت قاضی اس کا قائم مقام ہوگا گویا کہ اس کا وصی ہے ہی نہیں۔

تشریح ...... اگر تمام ورثہ یا بعض ورثہ نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو اس کو وصایت سے خارج نہیں کرے گا البتہ اگر وصی کی خیانت ظاہر ہو جائے تو معزول کر دیا جائے گا کیونکہ وصی نے میت کی جانب سے ولایت حاصل کی ہے تو بلا وجہ قاضی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو معزول کرے۔

ہاں اگر وصی کی خیانت ظاہر ہو جائے تو اور بات ہے لہذا اب اس کو معزول کر دیا جائے گا، کیونکہ موصی نے اس کو اس لئے اپنا وصی بنایا تھا کہ اس نے اس کو امانت دار سمجھا تھا اور اب اس کا پردہ فاش ہو گیا ہے لہذا اب اگر موصی زندہ ہوتا تو اس کو وصایت سے معزول کر دیتا تو اب جب کہ موصی وصایت سے خارج کرنے سے عاجز ہے تو قاضی اس کا قائم مقام ہو کر اس کو معزول کرے گا اور اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کرے گا اور یوں سمجھیں گے گویا کہ میت کا کوئی وصی نہیں تھا۔

دو آدمیوں کو وصی بنانے کا حکم اقوال فقہاء

قال ومن اوصى الى اثنين لم يكن لاحدهما ان يتصرف عند ابى حنيفة و محمد دون صاحبه الا فى اشياء معــــــدودة نبيـــــنها ان شاء الله تعالىٰ و قال ابو يوسف يتفرد كل واحد منهما بالتصرف فى جميع الاشياء

ترجمہ ..... قدوریؒ نے فرمایا اور جس نے دو شخصوں کو وصی بنایا تو ان میں سے ایک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ تصرف کرے ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک مگر چند چیزوں میں جن کو ہم انشاء اللہ بیان کریں گے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ متفرد ہوگا ان دونوں میں سے ہر ایک تمام اشیاء کے اندر تصرف کرنے میں۔

تشریح ..... زید نے خالد اور بکر دونوں کو اپنا وصی بنایا تو اب سوال یہ ہے کہ جملہ امور کے تصرف میں ان دونوں کا اجتماع ضروری ہے یا انفرادی طریقہ پر بھی ہر ایک کو یہ حق ہے کہ وہ تصرف کرے۔

تو اس میں تفصیل ہے بعض تصرفات تو بالاتفاق ایسے ہیں جن میں ہر ایک کو انفرادی طور پر تصرف کرنے کا حق حاصل ہے جن کی تفصیل مصنفؒ اگلے صفحہ پر بیان کر رہے ہیں۔

اور ان امور مستثناۃ کے علاوہ میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ ایک کو اپنے ساتھی کے بغیر تصرف کا حق نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حق ہوگا کہ ایک اپنے ساتھی کے بغیر تصرف کرے، اب مصنفؒ فریقین کی دلیل پیش فرمائیں گے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل

لان الوصاية سبيلها الولاية وهى و صف شرعى لا تتجزى فيثبت لكل منهما كملا كولاية الانكاح للاخوين وهذا لان الوصاية خلافة وانما تتحقق اذا انتقلت الولاية اليه على الوجه الذى كان ثابتا للموصى و قد كان

بوصف الكمال ولان اختيار الاب اياهما يوذن باختصاص كل واحد منهما بالشفقة فينزل ذالك منزلة قرابة كل واحد

ترجمہ ...... اس لئے کہ وصایت اس کا طریقہ ولایت ہے اور ولایت ایک وصف شرعی ہے جو غیر متجزی ہے پس یہ ولایت ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے کامل ثابت ہوگی جیسے دو بھائیوں کے لئے ولایت انکاح اور یہ اس لئے کہ وصایت خلافت ہے اور خلافت متحقق ہوتی ہے جب کہ وصی کی جانب ولایت اس طریقہ پر منتقل ہو جیسے موصی کے لئے ثابت تھی اور موصی کے لئے یہ ولایت کمال کے وصف کے ساتھ تھی اور اس لئے کہ باپ (موصی) کا ان دونوں کو اختیار کرنا خبر دیتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے شفقت کے ساتھ مختص ہونے کی تو اس اختصاص کو ہر ایک کی قرابت کے درجہ میں اتار لیا جائے گا۔

تشریح ...... یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وصایت کا ماحصل ولایت ہے یعنی موصی نے وصی کو ولایت کا شرف دیا ہے اور ولایت ایک وصف شرعی ہے جو تجزی اور انقسام کو قبول نہیں کرتا ہے تو جب ولایت تجزی کو قبول ہی نہیں کرتی تو ہر وصی کو پوری پوری ولایت حاصل ہوگی اور جب پوری ولایت حاصل ہوگی تو ہر ایک کو دوسرے کے بغیر تصرفات کا حق ہوگا۔

جیسے ایک عورت ہے اور اس کے دو بھائی ہیں تو دونوں کو اس کا نکاح کرنے کی پوری پوری ولایت ہے لہذا ایک کو حق ہے کہ وہ دوسرے کے بغیر بہن کا نکاح کر دے، تو اسی طرح یہاں بھی یہی حق ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دوسری دلیل ...... امام ابو یوسفؒ دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وصایت خلافت ہے اور خلافت میں خلیفہ کو وہ ولایت حاصل ہوتی ہے جو اصل کو حاصل ہوتی ہے، تو موصی کی ولایت منتقل ہو کر ہر وصی کو ملے گی اور موصی کو یہ ولایت علی سبیل الکمال حاصل تھی تو اسی طرح ہر وصی کو بھی علی سبیل الکمال یہ ولایت ملے گی۔

تیسری دلیل ...... دیتے ہوئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب زید نے خالد اور بکر دونوں کو وصی بنایا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ زید نے ان دونوں کو شفقت کے سلسلہ میں مخصوص مانا ہے تو ان دونوں کا یہ اختصاص بالشفقۃ کو یہ درجہ دیا جائے گا کہ ان دونوں کو موصی سے قرابت ہے اور قرابت کیوجہ سے جو ولایت ملتی ہے وہ کامل ہوتی ہے لہذا یہ بھی علی سبیل الکمال ہوگی۔

طرفینؒ کی دلیل

ولهما ان الولاية تثبت بالتفويض فيراعى وصف التفويض وهو وصف الاجتماع اذ هو شرط مفيد وما رضى الموصى الا بالمثنى وليس الواحد كالمثنى

ترجمہ ...... اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے تو تفویض کے وصف کی رعایت کی جائے گی اور وصف تفویض وصف اجتماع ہے اس لئے کہ اجتماع شرط مفید ہے اور موصی راضی نہیں ہوا مگر دو سے اور ایک دو کے مثل نہیں ہے۔

تشریح ...... یہ حضرات طرفینؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وصی کو جو ولایت ملی ہے یہ موصی کی تفویض کی وجہ سے ملی ہے تو تفویض جیسے ہوئی ہے اس کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

اور جب موصی نے ولایت کی تفویض کی تو وصف اجتماع کے ساتھ کی ہے لہذا وصف اجتماع کی رعایت کی جائے گی کیونکہ یہ شرط مفید

بھی ہے کیونکہ انفراد کو وہ قوت حاصل نہیں ہوتی جو اجتماع کو ہوا کرتی ہے اور یہاں موصی دو کی رائے سے راضی ہوا ہے نہ کہ ایک کی رائے سے اور ایک دو کے مثل نہیں ہوتا۔

طرفین کی جانب سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جواب

بخلاف الاخوين في الانكاح لان السبب هنالك القرابة و قد قامت بكل منهما كملا

ترجمہ..... بخلاف دو بھائیوں کے نکاح کرنے میں اس لئے کہ سبب وہاں قرابت ہے اور قرابت ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ کامل طریقہ پر قائم ہے۔

تشریح..... یہ طرفینؒ کی جانب سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جواب ہے کیونکہ انھوں نے اس کو ولایت نکاح پر قیاس کیا تھا (کما مر)۔
تو حضرات طرفینؒ نے فرمایا کہ اس کو ولایت انکاح پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ ولایت انکاح کا سبب قرابت ہے اور قرابت دونوں کے ساتھ برابر قائم ہے جس میں کوئی تجزی نہیں ہے۔

جواب کی مزید تشریح

ولان الانكاح حق مستحق لها على الولي حتى لو طالبته بانكاحها من كفو يخطبها يجب عليه وههنا حق التصرف للوصي ولهذا يبقى مخيرا في التصرف ففي الاول او فى حقا على صاحبه فصح و فى الثانى استوفى لان ولاية التصرف لهما فاذا تصرف وحده حقا لصاحبه فلا يصح

ترجمہ..... اور اس لئے کہ نکاح کرنا ایک ایسا حق ہے جو واجب ہے عورت کے لئے ولی کے اوپر یہاں تک کہ اگر عورت ولی سے مطالبہ کرے اپنے نکاح کرنے کا اس کفو سے جس نے اس کو نکاح کا پیغام دیا ہے تو یہ نکاح کرنا ولی پر واجب ہے اور یہاں وصی کے لئے تصرف کا حق ہے اس کی وجہ سے وصی تصرف میں مختار ہے تو پہلی صورت میں ولی نے اس حق کو پورا کیا ہے جو اس کے ساتھی پر واجب ہے تو یہ تو صحیح ہے اور دوسری صورت میں وصی نے وصول کیا ہے اس لئے کہ تصرف کی ولایت ان دونوں کو ہے پس جب ایک نے اپنے ساتھی کے حق میں تصرف کیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔

تشریح..... طرفینؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جو جواب دیا ہے یہ اس کی مزید تشریح ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں بہت فرق ہے ولی پر عورت کا نکاح کرنا ایک حق واجبی ہے لہذا اگر کسی کفو نے عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور عورت نے اپنے ولی سے نکاح کرنے کا مطالبہ کیا تو ولی پر واجب ہے کہ اس کفو سے اس کا نکاح کرے اور یہاں وصی پر کوئی حق واجبی نہیں ہے بلکہ اس کو یہ ایک تصرف کا اختیار ملا ہے یہی تو وجہ ہے کہ وصی کو تصرف کرنے کا اختیار ہے اس پر حق واجبی نہیں ہے تو نکاح والی صورت میں جب ایک بھائی نے نکاح کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کے دوسرے بھائی پر جو حق واجبی تھا یہ اس کی ادائیگی ہے۔

اور دوسری صورت میں جب ایک وصی نے تصرف کیا تو یہ دوسرے کے حق واجبی کو ادا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے حق کو چھین لینا ہے

کیونکہ تصرف کی ولایت ان دونوں کو ملی تھی لہذا جب ایک نے تصرف کیا تو اس نے اپنے ساتھی کے حق میں تصرف کیا اس لئے یہ صورت صحیح نہ ہوگی۔

دونوں اقوال کے نظائر

اصله الدين الذين عليهما ولهما بخلاف الاشياء المعدودة لانها من باب الضرورة لامن باب الولاية ومواضع الضرورة مستثناة ابدا وهي ما استثناه في الكتاب واخواتها

ترجمہ ...... اس کی اصل وہ قرض ہے جو ان دونوں پر ہو اور جو ان دونوں کیلئے بخلاف چند اشیاء کے اس لئے کہ یہ اشیاء ضرورت کے باب سے ہیں نہ کہ ولایت کے باب سے اور مواضع ضرورت ہمیشہ مستثنیٰ ہیں اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کا کتاب قدوری میں استثناء ہیں اور ان کی نظائر ہیں۔

تشریح ...... مصنفؒ نے اب دونوں کی نظیریں پیش کی ہیں فرماتے ہیں ایسا سمجھ جیسے زید کا خالد اور بکر دونوں پر قرض ہے اور خالد کا قرض بھی بکر نے ادا کر دیا تو جائز ہے کیونکہ یہ تو اس کے اوپر ایک واجبی حق کو ادا کرنا ہے اور اگر خالد اور بکر دونوں کا قرض زید کے اوپر ہو، اور دونوں قرض خالد نے وصول کر لئے تو بکر کا قرض نہ ہوا، کیونکہ یہاں خالد نے بکر کے حق واجبی کو ادا نہیں کیا بلکہ بکر کے ایک حق میں تصرف کیا ہے جس کا اس کو حق نہیں ہے اس طرح انکاح کا مسئلہ اول کے مثل ہے اور وصایت کا مسئلہ ثانی کے مثل ہے۔

البتہ جن چند اشیاء کا استثناء کر دیا گیا ہے انہیں ان میں سے ایک بھی انجام دے سکتا ہے کیونکہ ان کا تعلق باب ولایت سے نہیں رکھا گیا بلکہ باب ضرورت سے رکھا گیا ہے۔

اور ضرورت اور مجبوری کی صورتیں ہمیشہ مستثنیٰ ہوتی ہیں اب رہی یہ بات کہ وہ اشیاء معدودہ کیا کیا ہیں تو فرمایا کہ وہ یہ ہیں جن کا قدوری میں استثناء موجود ہے یا وہ اشیاء جن کے ہم مثل ہوں، اب مصنفؒ آگے ان کو شمار کرائیں گے جو تقریباً پندرہ اشیاء ہیں۔

کن کن چیزوں میں ایک وصی کے ہوتے ہوئے دوسرے کی انتظار نہیں کی جائے گی

فقال الا في شراء كفن الميت وتجهيزه لان في التاخير فساد الميت ولهذا يملكه الجيران عند ذالک وطعام الصغار وكسوتهم لانه يخاف موتهم جوعا وعريانا

ترجمہ ...... پس قدوریؒ نے فرمایا مگر میت کا کفن خریدنے میں اور اس کی تجہیز میں اس لئے کہ تاخیر میں میت کا فساد ہے اس وجہ سے تجہیز کے بوقت تاخیر پڑوسی مالک ہوں گے اور بچوں کا کھانا اور ان کے کپڑے خریدنے میں اس لئے کہ بھوکے اور ننگے ہونے کی وجہ سے بچوں کے مرجانے کا خوف ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں چار چیزوں کا ذکر ہے

۱- اگر میت کا کفن خریدنے کی ضرورت ہو تو ایک وصی خرید لے گا دوسرے کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب تک دوسرا آئے میت کی لاش سڑ جائے اس تاخیر کی وجہ سے پڑوسیوں کو بھی حق ہوتا ہے کہ وہ میت کے لئے کفن خریدیں۔

۲- میت کی تجہیز میں دوسرے وصی کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور تجہیز میں تمام وہ امور داخل ہیں کہ میت قبر میں جانے تک جن امور کا محتاج ہے۔

۳- اگر موصی کے چھوٹے بچوں کے لئے کھانا خریدنے کی ضرورت پیش آئے تو ایک وصی خرید سکتا ہے دوسرے کا انتظار نہیں کیا جائے گا ورنہ جب تک دوسرے کا انتظار کیا جائے گا خوف ہے کہ بھوک کی شدت سے یہ بچے مرجائیں۔

۴- اسی طرح اگر بچوں کے لئے کپڑے خریدنے کی ضرورت ہو تو اس کے لئے دوسرے وصی کا انتظار نہیں کیا جائے گا ورنہ اگر انتظار کیا جائے تو خوف ہے کہ بچے ننگے ہونے کی وجہ سے گرمی یا سردی کی شدت کی تاب نہ لا کر مرجائیں۔

دونوں وصیتوں میں ہر ایک کو تنہا تصرف کا حق کہاں کہاں حاصل ہے

و رد الوديعة بعينها و رد المغصوب والمشترى شراء فاسداً و حفظ الاموال و قضاء الديون لانها ليست من باب الولاية فانه يملكه المالك و صاحب الدين اذا ظفر بجنس حقه و حفظ المال يملكه من يقع فى يده فكان من باب الاعانة ولا نه لا يحتاج فيه الى الراى و تنفيذ و صية بعينها و عتق عبد بعينه لانه لا يحتاج فيه الى الراى والخصومة فى حق الميت لان الاجتماع فيها متعذر ولهذا يتفرد بها احد الوكيلين و قبول الهبة لان فى التاخير خيفة الفوات ولانه يملكه الام والذى فى حجره فلم يكن من باب الولاية

ترجمہ...... اور معین ودیعت کو واپس کرنا اور مغصوب کو واپس کرنا اور شراء فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنا اور اموال کی حفاظت کرنا اور قرضوں کو ادا کرنا اس لئے کہ یہ امور ولایت کے باب سے نہیں ہیں اس لئے کہ مالک اور صاحب دین اس چیز کے مالک ہو جائیں گے جب کہ وہ اپنے حق کی جنس کے ساتھ کامیاب ہو جائے اور مال کی حفاظت اس کا وہ شخص مالک ہوگا جس کے ہاتھ میں وہ واقع ہو جائے تو یہ حفاظت اعانت کے باب سے ہوگی اور اس لئے کہ اس میں رائے کیخلاف حاجت نہیں ہے اور متعین وصیت کو نافذ کرنا اور متعین غلام کو آزاد کرنا اس لئے کہ اس میں رائے کی حاجت نہیں ہے اور میت کے حق میں خصومت کرنا اس لئے کہ خصومت میں اجتماع متعذر ہے اسی وجہ سے خصومت کے ساتھ دو وکیلوں میں سے ایک متفرد ہوگا اور ہبہ کو قبول کرنا اس لئے کہ تاخیر میں وفات کا خوف ہے اور اس لئے کہ اس قبول کرنے کی ماں مالک ہے اور وہ مالک ہے کہ بچہ جس کی پرورش میں ہو تو یہ ولایت کے باب سے نہ ہوگا۔

تشریح...... انہیں چیزوں میں سے جن کے اندر ہر وصی کو تنہا تصرف کا حق ہے دوسری چیزوں کو شمار کرایا جا رہا ہے اس سے پہلے چار گذر چکی ہیں۔

۵- اگر موصی کے پاس کسی کی متعین ودیعت ہو تو اس کو واپس کرنے کے لئے دوسرے وصی کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔

۶- اسی طرح اگر موصی نے کوئی چیز غصب کی تھی تو اس کو واپس کر دیا جائے گا اور دوسرے ساتھی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

۷- اگر مشتری نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی چیز خریدی تھی تو اس کو واپس کرنا جائز ہے۔

۸- اور اموال موصی کی حفاظت کرنے میں بھی دوسرے ساتھی کا انتظار نہیں کا جائے گا۔

٩- اسی طرح اگر میت پر قرضے ہوں تو ان کو ادا کرنے میں بھی دوسرے وصی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

ان تمام امور کے تنہا جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امور باب ولایت سے تعلق نہیں رکھتے کیونکہ جس نے موصی کی طرف سے ولایت حاصل نہیں کی ان امور کو وہ بھی انجام دے سکتا ہے اس لئے کہ جو مالک ودیعت ہے جب اس کو اپنا سامان مل جائے تو وہ خود اس کو لے سکتا ہے اسی طرح صاحب دین کو جب اپنے حق کی جنس مل جائے تو وہ اس کو خود لے سکتا ہے اور شراء فاسد میں بھی یہی حال ہے کہ مالک اس کو دے سکتا ہے۔

اور رہا مسئلہ حفاظت اموال کا تو اس کے لئے وصی ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ شخص جس کے ہاتھ میں یہ آ جائے وہی اس کی حفاظت کر سکتا ہے تو یہ حفاظت بھی اعانت وضرورت کے باب سے ہے جس میں رائے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی کہ یوں کہا جائے کہ دونوں کے جمع ہو جانے سے رائے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی کہ یوں کہا جائے کہ دونوں کے جمع ہو جانے سے رائے میں مضبوطی پیدا ہو جائے گی۔

١٠- کوئی معین وصیت ہو اس کو نافذ کرنے میں دوسرے وصی کا انتظار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

١١- اور کوئی معین غلام کا عتق ہو اس کے لئے بھی وصی کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ان میں بھی رائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

١٢- کسی شخص سے میت کے حق میں خصومت کرنی ہو تو ایک وصی کر سکتا ہے اس لئے کہ خصومت تو دونوں کے جمع ہونے کی صورت میں بھی ایک ہی وصی کرے گا تاکہ دونوں کے مجلس قضاء میں جمع ہونے کی وجہ سے شور وشغف نہ ہو، اس وجہ سے اگر کسی کے دو وکیل ہوں پھر بھی خصومت ایک ہی کرے گا۔

١٣- اگر کوئی بچوں کے لئے ہبہ کرے تو ایک وصی اس کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ اگر وہ دوسرے وصی کا انتظار کرنے لگے تو ہو سکتا ہے کہ ہبہ کرنے والا پھر ہبہ نہ کرے اسی وجہ سے یہ اختیار ماں کو بھی دیا گیا ہے کہ وہ بچہ کے لئے ہبہ کو قبول کرے اور اسی طرح وہ شخص بھی ہبہ کو قبول کر سکتا ہے جس کی زیر پرورش بچہ ہو، بہر حال ہبہ کو قبول کرنا ولایت کے باب سے نہیں ہے۔

کن کن چیزوں میں ایک وصی بھی چیز کو فروخت کر سکتا ہے دوسرے کا ہونا ضروری نہیں

و بيع ما يخشى عليه التوى والتلف لان فيه ضرورة لا تخفى و جمع الاموال الضائعة لان في التاخير خشية الفوات ولانه يملكه كل من وقع في يده فلم يكن من باب الولاية

ترجمہ...... اور اس چیز کو بیچنا جس کی ہلاکت اور تلف ہو جانے کا خوف ہو اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے جو پوشیدہ نہیں ہے اور متفرق اموال کو جمع کرنا اس لئے کہ تاخیر میں فوات کا خوف ہے اور اس لئے کہ اس کا ہر وہ شخص مالک ہے جس کے ہاتھ میں واقع ہو جائے تو یہ ولایت کے باب سے نہ ہوگا۔

تشریح......

١٤- وہ اشیاء کہ جن کے ضائع ہو جانے اور بگڑ جانے کا اندیشہ ہو جیسے مثلاً بھینس اور بکریوں کا دودھ ہے تو اس کو ایک وصی فروخت کر سکتا

ہے اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے۔

۱۵- اگر موصی کا مال متفرق ہو تو اس کو ایک وصی جمع کرسکتا ہے ورنہ فوت ہو جانے کا خوف ہے اور چونکہ اس کام کو تو میت کے پڑوسی بھی کر سکتے ہیں تو وصی بدرجۂ اولیٰ کرسکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق باب ولایت سے نہیں ہے۔

کن امور میں دونوں وصیوں کا ہونا ضروری ہے ایک کا ہونا کافی نہیں

و فی الجامع الصغیر و لیس لاحد الوصیین ان یبیع او یتقاضیٰ والمراد بالتقاضی الاقتضاء کذا کان المراد منه فی عرفهم و هذا لانهٗ رضی بامانتهما جمیعاً فی القبض ولانهٗ فی معنی المبادلةِ لاسیما عند اختلاف الجنس علیٰ ما عرف فکان من باب الولایة

ترجمہ...... اور جامع صغیر میں ہے اور دو وصیوں میں سے ایک کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ وہ بیع کرے یا قبضہ کرے اور تقاضی سے مراد قبضہ کرنا ہے تقاضی سے اہل کوفہ کے عرف میں ایسے ہی مراد ہے اور یہ اس لئے کہ موصی قبضہ کرنے کے سلسلہ میں ان دونوں کی امانت سے راضی ہوا ہے اور اس لئے کہ قبضہ کرنا مبادلہ کے معنیٰ میں ہے خصوصاً جنس کے اختلاف کے وقت اس تفصیل کے مطابق جو کہ جانی جا چکی ہے تو یہ ولایت کے باب سے ہوگا۔

تشریح...... جامع صغیر میں ایک جزئیہ پیش کیا گیا ہے کہ اگر زید نے دو شخصوں کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور زید کے مرنے کے بعد ان میں سے کوئی ایک موصی کے مال کو فروخت کرنا چاہتا ہے یا موصی کے مال پر قبضہ کرنا چاہتا ہے جو کسی پر ہے تو ایک کو اس کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ زید نے ان دونوں کی اجتماعی امانت پر اعتماد کیا ہے اور اسی سے وہ راضی ہوا تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق باب ولایت سے ہے اس لئے کہ یہ امور مستثناۃ کے اندر داخل نہ ہونگے اس لئے کہ قبضہ میں بہر صورت مبادلہ کے معنٰی پائے جائیں گے اتحادِ جنس کی صورت ہو تب بھی اور اختلاف جنس کی صورت میں تو اس کا مبادلہ ہونا امر بدیہی ہے اس لئے کہ ایک کو اس کا حق نہ ہوگا کہ وہ دوسرے کے بغیر فیصلہ کرے یا فروخت کرے۔

موصی نے دو وصیوں کو الگ الگ وصی بنایا تو ہر ایک کو دوسرے کی عدم موجودگی میں تصرف کا حق حاصل ہے

ولو اوصی الی کل واحد علی الانفراد قیل یتفرد کل واحد منهما بالتصرف بمنزلة الوکیلین اذ وکل کل واحد علی الانفراد و هذا لانه لما افرد فقد رضی برای الواحد و قیل الخلاف فی الفصلین واحد لان وجوب الوصیة عند الموت بخلاف الوکیلین لان الوکالة تتعاقب

ترجمہ...... اور اگر اس نے ہر ایک کو الگ الگ وصی بنایا ہو تو کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک تصرف کے سلسلہ میں متفرد ہوگا دو وکیلوں کے درجہ میں جب کہ ہر ایک کو الگ الگ وکیل بنایا ہو اور یہ اس لئے کہ جب موصی نے افراد سے کام لیا تو وہ ایک کی رائے سے راضی ہے اور کہا گیا ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ہی اختلاف ہے اس لئے کہ وصیت کا وجوب موت کے وقت ہے بخلاف دو وکیلوں کے اس لئے کہ وکالت تو آگے پیچھے ہوتی ہے۔

تشریح...... جب مؤکل نے دو وکیل بنائے اور دونوں کو الگ الگ وکیل بنایا تو ہر وکیل کو اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں تصرف کا

اختیار ہے، اسی طرح فقیہ ابو اللیثؒ وغیرہ حضرات کا کہنا ہے کہ جب موصی نے دو وصی مقرر کئے لیکن دونوں کو ایک ساتھ وصی نہیں بنایا بلکہ ہر ایک کو الگ الگ وصی بنایا ہے تو ہر وصی کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں تصرف کرے کیونکہ جب موصی نے ان کو الگ الگ وصی بنایا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک کی رائے سے راضی ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موصی خواہ دونوں کو ایک ساتھ وصی بنائے یا الگ الگ وصی بنائے دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے یعنی طرفینؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ ایک وصی تنہا تصرف کر دے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وصیت اجتماعاً ہو یا انفراداً دونوں کا حال ایک ہے اس لئے کہ وصیت کا ثبوت تو بوقت موت ہوتا ہے تو دونوں صورتوں میں وصیت کے اندر تو اجتماع ہی ثابت ہوگا۔

البتہ توکیل کے اندر اجتماع و افراد کارگر ہوگا اس لئے کہ وکالت تعاقب کو قبول کرتی ہے یعنی جس کو مؤکل نے جس زمانہ میں وکیل بنا دیا تو وہ وکیل ہو گیا لیکن وصیت کا ثبوت بوقت موت ہی ہوتا ہے۔

دو وصیوں میں سے ایک فوت ہو جائے تو قاضی دوسرا اس کی جگہ مقرر کر دے، اقوال فقہاء

فان مات احدهما جعل القاضي مكانه و صيا اخر اما عندهما فلان الباقي عاجز عن التفرد بالتصرف فيضم القاضي اليه و صيا اخر نظر اللميت عند عجزه وعند ابي يوسفؒ الحي منهما وان كان يقدر على التصرف فالموصي قصد ان يخلفه متصرفان في حقوقه و ذالک ممكن التحقق بنصب و صي اخر مكان الميت

ترجمہ ...... پس اگر دو وصیوں میں سے ایک مر جائے تو قاضی اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر دے بہر حال طرفینؒ کے نزدیک پس اس لئے کہ باقی تنہا تصرف کرنے سے عاجز ہے تو قاضی اس کی جانب دوسرا وصی ملا دے میت پر شفقت کی غرض سے وصی باقی کے عاجز ہونے کے وقت اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے زندہ اگرچہ تصرف پر قادر ہے پس موصی نے ارادہ کیا ہے کہ اس کے حقوق میں تصرف کرنے والے دو آدمی اس کے خلیفہ ہوں اور موصی کا یہ مقصود ممکن التحقق ہے میت کی جگہ دوسرے وصی کو مقرر کرنے کے ساتھ۔

تشریح ...... اگر زید نے دو وصی مقرر کئے تھے لیکن ان دونوں میں سے ایک مر گیا تو قاضی اس کی جگہ ایک وصی اور مقرر کر دے۔

طرفینؒ کے نزدیک تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ تنہا وصی تصرف کرنے سے عاجز ہے اس لئے قاضی اس کے ساتھ دوسرے وصی کو جوڑ دے اس میں میت کیلئے بہتری ہے۔

البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشکال ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دوسرا وصی کیوں مقرر کیا جائے گا جب کہ ان کے نزدیک ایک وصی تصرفات پر قادر ہے تو فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی کا مقصد یہ تھا کہ دو شخص میرے خلیفہ ہوں جو میرے حقوق میں تصرف کریں اور موصی کا یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے یعنی میت کی جگہ دوسرے وصی کو مقرر کر کے موصی کا یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔

دو وصیوں میں ایک وصی فوت ہو جائے اور اس فوت ہونے والے نے بھی زندہ وصی کو اپنا وصی بنایا ہو تو وہ اکیلا تصرفات کا حق رکھتا ہے

و لو ان الميت منهما اوصى الى الحي فللحي ان يتصرف وحده في ظاهر الرواية بمنزلة ما اذا اوصى الى شخص اخر ولا يحتاج القاضي الى نصب وصي اخر لان رأي الميت باق حكما برأي من يخلفه و عن ابي حنيفةؒ انهُ لا ينفرد بالتصرف لان الموصىٰ ما رضى بتصرفه وحدهُ بخلاف ما اذا اوصىٰ الىٰ غيره لانهُ ينفذ تصرفهُ برأي المثنىٰ كما رضيهُ المتوفى

ترجمہ ...... اور اگر دونوں وصیوں میں سے جو مرا ہے اس نے زندہ وصی کو وصی بنایا ہو تو زندہ کے لئے حق ہے کہ وہ تنہا تصرف کرے ظاہر الراویہ کے مطابق اس صورت کے درجہ میں جب کہ اس نے کسی دوسرے شخص کو وصی بنایا ہو اور قاضی دوسرا وصی مقرر کرنے کا محتاج نہ ہوگا اس لئے کہ میت کی رائے اس کے خلیفہ کے ذریعہ حکماً باقی ہے اور ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ زندہ تنہا تصرف نہیں کر سکتا اس لئے کہ موصی تنہا اس کے تصرف سے راضی نہیں ہوا ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ وصی نے زندہ کے غیر کو وصی بنایا ہو اس لئے کہ زندہ کا تصرف نافذ ہوگا دو کی رائے ہونے کی وجہ سے جیسا کہ میت (موصی) اس سے راضی ہوا تھا۔

تشریح ...... زید نے خالد اور بکر دونوں کو اپنا وصی مقرر کیا تھا ان میں سے خالد کا انتقال ہو گیا اور خالد نے بوقت انتقال بکر کو اپنا وصی مقرر کر دیا تھا یعنی اپنے اختیارات اس کو تفویض کر دیئے تھے تو ظاہر الروایہ کے مطابق بکر تنہا تصرفات کا حق رکھتا ہے اور اب قاضی کو دوسرا وصی مقرر کرنے کی حاجت پیش نہیں آئے گی اس لئے کہ خالد کا خلیفہ بکر موجود ہے تو اس خلافت کی وجہ سے خالد کی رائے بھی موجود ہے تو حکماً بکر کی رائے ڈبل رائے ہے۔

تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے جب کہ خالد کسی دوسرے شخص کو اپنا وصی مقرر کرتا تو جائز تھا اسی طرح اگر بکر کو کر دے تو بھی جائز ہے۔

اور بروایت حسن بن زیادؒ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ بکر کو تنہا تصرفات کا اب بھی حق حاصل نہیں ہے اس لئے کہ زید تنہا بکر کی رائے سے راضی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ دو کی رائے سے راضی ہوا تھا۔

البتہ اگر خالد نے بکر کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا وصی مقرر کیا تو جائز ہے کہ بکر اس کے ساتھ مل کر تصرف کرے اس لئے کہ اب بکر تنہا نہیں ہے بلکہ یہ دو شخص ہیں اور یہی موصی کا مقصد تھا یعنی وہ دو شخصوں کی رائے سے راضی ہوا تھا۔

وصی نے اپنی موت سے پہلے دوسرے کو وصی بنایا تو وہ وصی بن جائے گا

و اذا مات الوصي و اوصىٰ الىٰ اخر فهو وصيه في تركته و تركة الميت الاول عندنا و قال الشافعي لا يكون وصيا في تركة الميت الاول اعتباراً بالتوكيل في حالة الحيوة والجامع بينهما انه رضي برايه لا براى غيره

ترجمہ ...... اور جب کہ وصی مر گیا اور اس نے دوسرے کو وصی بنایا تو وہ (دوسرا) اس کا وصی ہوگا وصی کے ترکہ میں اور میت اول کے ترکہ میں ہمارے نزدیک اور شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ میت اول کے ترکہ میں وصی نہ ہوگا حالت حیوۃ میں توکیل پر قیاس کرتے ہوئے اور جو چیز توکیل اور ایصاء کے درمیان جامع ہے وہ یہ ہے کہ میت اول اپنے وصی کی رائے سے راضی ہوا ہے نہ کہ اس کے غیر کی

رائے سے۔

تشریح ...... زید نے خالد کو اپنا وصی بنایا تھا اب خالد نے اپنی موت سے پہلے بکر کو اپنا وصی بنایا تو جائز ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بکر فقط اسی ترکہ میں وصی ہوگا جو خالد کا ترکہ ہے یا خالد اور زید دونوں کے ترکوں میں وصی ہوگا۔

تو اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بکر دونوں ترکوں میں وصی ہوگا، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بکر فقط خالد کے ترکہ میں وصی ہوگا زید کے ترکہ میں نہ ہوگا امام شافعیؒ نے اس کو توکیل پر قیاس کیا ہے یعنی اگر زید خالد کو اپنا وکیل بناتا اور خالد نے بکر کو اپنا وکیل بنایا تو بکر کی وکالت خالد کے حق میں ہوگی زید کے حق میں بکر وکیل نہ ہوگا اسی طرح ایصاء کے اندر بھی ہونا چاہیے۔

خلاصۂ کلام ...... امام شافعیؒ نے ایصاء کو توکیل پر قیاس کیا ہے تو مقیس علیہ اور مقیس کے درمیان کوئی علت جامعہ بھی ہونی چاہیے۔ تو فرمایا کہ علت جامعہ دونوں کے درمیان یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں زید خالد کی رائے سے راضی ہوا ہے بکر کی رائے سے راضی نہیں ہوا۔

احناف کی دلیل

ولنا ان الوصی یتصرف بولایة منتقلة الیه فیملک الایصاء الی غیره کالجد الا یری ان الولایة التی کانت ثابتة للموصی تنتقل لالی الوصی فی المال والی الجد فی النفس ثم الجد قام مقام الاب فیما انتقل الیه فکذا الوصی

ترجمہ ...... ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی تصرف کرتا ہے اس ولایت کے سبب سے جو وصی کی طرف منتقل ہوتی ہے تو وصی اپنے غیر کو وصی بنانے کا مالک ہوگا جیسے دادا کیا نہیں دیکھتے کہ جو ولایت موصی کے لئے ثابت تھی وہی ولایت مال کے سلسلہ میں وصی کی جانب منتقل ہوتی ہے اور نفس کے اندر دادا کی جانب پھر دادا باپ کا قائم مقام ہے اس ولایت کے اندر جو دادا کے خلاف منتقل ہوتی ہے پس ایسے ہی وصی۔

تشریح ...... یہ ہماری دلیل ہے یعنی وصی کو وصی بنانے کا اختیار ہے اور یہ وصی ثانی موصی اول اور موصی ثانی دونوں کا وصی ہوگا اس لئے کہ جو ولایت موصی کو حاصل تھی وہی ولایت وصی کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور اسی ولایت کے تحت وصی تصرف کرتا ہے اور موصی کو حق تھا کہ وہ کسی وصی کو مقرر کرے تو اسی طرح وصی کو حق ہوگا کہ وہ کسی کو وصی مقرر کرے۔

جیسے دادا باپ کا قائم مقام ہے یعنی باپ کو بچوں کے جو نکاح کرنے کی ولایت حاصل تھی وہ اب دادا کی طرف منتقل ہوگئی ہے تو جیسے باپ کو حق تھا وہ کسی کو اپنا قائم مقام بنادے اسی طرح دادا کو بھی حق ہوگا وہ کسی کو بھی اپنا قائم مقام بنادے اس لئے کہ مال کے سلسلے میں موصی کو جو ولایت حاصل تھی وہی ولایت ہو کر وصی کو ملی ہے وہ اس میں دادا کو ملی ہے اور دادا کے لئے جائز ہے کہ جو اس کو ملی ہے وہ اس میں کسی کو قائم مقام بنادے تو اسی طرح وصی کو بھی یہ ولایت حاصل ہوگی کہ جس چیز میں اس کو ولایت ملی ہے وہ اس میں کسی اپنا قائم مقام بنادے۔

دلیل مذکور کی مزید وضاحت

وهذا لان الايصاء اقامة غيره مقامه فيما له ولايته وعند الموت كانت له ولاية في التركتين فينزل الثاني منزلته فيهما ولانه لما استعان في ذالک مع علمه انه قد تعتريه المنية قبل تتميم مقصوده بنفسه وهو تلافي ما فرط منه صار راضيا بايصائه الى غيره بخلاف الوكيل لان الموكل حي يمكنه ان يحصل مقصوده بنفسه فلا يرضى بتوكيل غيره والايصاء اليه

ترجمہ ...... اور یہ اسلئے کہ ایصاء اپنے غیر کو اپنا قائم مقام بنانا ہے اس چیز میں جس میں جس کی موصی کو ولایت ہے اور بوقت موت موصی کو دونوں ترکوں میں ولایت ہے تو ثانی کو وصی اول کے درجے میں اتار لیا جائے گا ان دونوں ترکوں کے سلسلے میں اور اس لئے کہ موصی نے جب اس سلسلہ میں مدد طلب کی موصی کے جاننے کے باوجود اس بات کو کہ وصی کو موت آسکتی ہے موصی کو مقصود پورا ہونے سے پہلے وصی کی ذات سے اور مقصود وہ اس کوتاہی کی تلافی ہے جو موصی سے صادر ہوئی ہے تو موصی راضی ہو گیا وصی کے وصی بنانے سے اپنے غیر کو بخلاف وکیل کے اس لئے کہ موکل زندہ ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ اپنے مقصود کو خود حاصل کرے تو موکل اپنے غیر کو وصی بنانے سے راضی نہ ہوگا۔

تشریح ...... یہ دلیل مذکور کی مزید وضاحت ہے فرماتے ہیں کہ وصی بنانے کا حصل یہ ہے کہ موصی کو جس چیز میں ولایت حاصل ہے وہ اس میں کسی کو اپنا قائم مقام بناتا ہے۔

اور جب وصی کا انتقال ہوا اس وقت اسکو دونوں ترکوں میں ولایت حاصل ہے یعنی اپنے ترکے میں بھی اور موصی کے ترکے میں بھی، تو اس دوسرے وصی کو پہلے وصی کے درجے میں اتار کر اس کو دونوں ترکوں میں ولایت دی جائے گی۔

پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ موصی کا مقصود ایصاء سے یہ ہے کہ وہ اپنے وصی سے مدد طلب کرتا ہے تاکہ موصی کی جانب سے جو کچھ کوتاہی مال کے سلسلے میں صادر ہوئی ہے اس کی مکافات اور تلافی ہو سکے۔ حالانکہ موصی یہ بات جانتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مقصد پورا نہ کر سکے اور اس کی موت آجائے۔

اور اس کے باوجود بھی وہ اس کو اپنا وصی بنا رہا ہے تو اسکا واضح مقصد یہ ہوا کہ وہ اپنے وصی کے اس فعل سے راضی ہے کہ وہ کسی کو اپنا وصی مقرر کر دے۔

اور رہا مسئلہ وکیل کا تو وہ جدا ہے اس لئے کہ موکل خود زندہ ہے وہ اپنے مقاصد کو خود حاصل کر سکتا ہے تو جب اس نے خالد کو اپنا وکیل بنایا تو وہ اس سے راضی نہیں ہوا کہ خالد بکر کو اپنا وکیل بنا کر کھڑا کر دے یا بوقت موت بکر کو اپنا وصی بنادے اس لئے ایصاء اور توکیل میں فرق ہے لہذا ایصاء کو توکیل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

وصی موصی کا خلیفہ اور نائب ہے موصی کے اختیارات وصی کو حاصل ہوں گے

قال و مقاسمة الوصي الموصى له عن الورثة جائزة و مقاسمته الورثة عن الموصى له باطلة لان الوارث خليفة الميت حتى يرد بالعيب و يرد عليه به و يصير مغروراً بشراء المورث و الوصي خليفة الميت ايضاً فيكون

خصما عن الوارث اذا كان غائبا فصحت قسمة عليه حتى لو حضر وقد هلك ما في يد الوصي ليس له ان يشارك الموصىٰ له

ترجمہ　امام محمد نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور وصی کا بٹوارہ کرنا موصیٰ لہ سے ورثا کی جانب سے جائز ہے اور وصی کا بٹوارہ کرنا ورثا سے موصیٰ لہ کی طرف سے باطل ہے اس لئے کہ وارث میت کا خلیفہ ہے یہاں تک کہ وارث رد کریگا عیب کی وجہ سے اور وارث پر عیب کی وجہ سے رد کیا جائے گا اور وارث مغرور ہوگا مورث کے خریدنے کی وجہ سے اور وصی بھی میت کا خلیفہ ہے تو وصی وارث کی جانب سے خصم ہو سکتا ہے جب کہ وارث غائب ہو تو وارث پر وصی کا بٹوارہ کرنا صحیح ہے یہاں تک کہ اگر وارث حاضر ہو حالانکہ جو مال وصی کے قبضہ میں تھا وہ ہلاک ہو چکا ہے تو والث کو حق نہیں ہے کہ وہ موصیٰ لہ کا شریک ہو۔

تشریح　وصی موصی کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے لہذا موصی کے ورثا کے حق میں وصی کو ان امور کا اختیار ہوگا جن کا اختیار موصی کو تھا لہذا وصی موصی کے ورثا کی جانب سے ترکہ کا بٹوارہ کر سکتا ہے لیکن موصیٰ لہ کا نائب بن کر بٹوارہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وارث اور وصی دونوں میت کے خلیفہ ہیں اور موصیٰ لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے لہذا یہ تو وصی کیلئے جائز ہوگا کہ وہ دوسرے خلیفہ میت نمائندہ ہو جائے لیکن یہ حق نہ ہوگا کہ موصیٰ لہ کا نمائندہ ہو جائے، تو فرماتے ہیں اسلئے کہ وارث میت کا خلیفہ ہے۔

اب آگے اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر مورث نے کوئی چیز خریدی اور وہ مر گیا یہاں تک کہ وہ چیز وارث کو ملی اور وارث نے اس میں کوئی ایسا عیب پایا جو بائع کے پاس سے اس میں موجود ہے تو وارث کو حق ہوگا کہ اس چیز کو اس شخص پر رد کر دے جس سے مورث نے اس کو لیا تھا۔

اور اگر مورث نے کوئی چیز فروخت کی تھی اور وہ مر گیا اور مشتری نے اس میں کوئی ایسا عیب پایا جو بائع کے پاس سے ہے اور بائع مر چکا ہے لیکن اس کا وارث موجود ہے تو مشتری کو حق ہوگا کہ اس کو وارث پر رد کر دے کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے۔

اور اگر مورث نے کوئی باندی خریدی اور مر گیا اور وہ اس کے وارث کے حصہ میں آ گئی لہذا اس نے اس سے وطی کی اور بچہ پیدا ہو گیا پھر کسی نے اس باندی میں استحقاق کا دعویٰ کیا اور اس دعوے کو ثابت کر دیا تو اس کا بچہ آزاد ہوگا البتہ بچہ کی قیمت دینی ہوگی کیونکہ اگر مورث خود زندہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو بھی یہی حکم تھا لہذا وارث کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ یہاں بائع نے مورث کو دھوکہ دیا ورنہ وہ اس بات پر راضی نہ ہوتا کہ اس کا بیٹا کسی کا غلام ہو اس لئے اس کو مغرور مان کر مغرور کا حکم اس پر جاری کر دیا گیا ہے اور بچہ کو بالقیمت آزاد قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال وارث اور وصی دونوں میت کے خلیفہ ہیں، اور اصول یہ ہے کہ جو کسی کے قائم مقام ہوتا ہے وہ اس کے تصرفات کا بھی مالک ہوتا ہے لہذا وارث کے غائب ہونے کی صورت میں وصی کو حق ہوگا کہ وارث کی جانب سے بٹوارہ کرے۔ لہذا جب وصی نے بٹوارہ کیا تو اس کا بٹوارہ کرنا صحیح ہے لہذا اگر وارث بعد میں آیا اور اس وقت آیا جب کہ وصی کے ہاتھ میں وہ مال جو وصی نے اس کے لئے بٹوارہ میں لیا تھا ہلاک ہو گیا ہے تو اب وارث کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ موصیٰ لہ کا شریک ہو جائے۔

وصی میت کا خلیفہ ہے نہ کہ موصیٰ لہٗ

اما الموصیٰ له فليس بخليفةٍ عن الميت من كل وجهٍ لانهٗ ملكهٗ بسببٍ جديدٍ و لهٰذا لا يرد بالغيب و لا يرد عليه و لا يصير مغرورا بشراءِ الموصى فلا يكون الوصى خليفةً عند غيبته حتى لو هلك ما افرز له عند الوصى كان له ثلث ما بقى لان القسمة لم تنفذ

ترجمہ ...... بہرحال موصیٰ لہٗ پس وہ کسی اعتبار سے میت کا خلیفہ نہیں ہے اس لئے کہ موصیٰ لہٗ اس کا سبب جدید کی وجہ سے اس کا مالک ہوا ہے اسی وجہ سے موصیٰ لہٗ رد نہیں کرسکتا اور نہ موصیٰ لہٗ پر رد کیا جاسکتا ہے اور نہ موصیٰ لہٗ موصی کے خریدنے کی وجہ سے مغرور ہوگا تو وصی موصیٰ لہٗ کا خلیفہ نہ ہوگا موصیٰ لہٗ کے غائب ہونے کے وقت یہاں تک کہ اگر وہ مال ہلاک ہوگیا جو اس کے لئے جدا کیا گیا تھا وصی کے پاس تو موصیٰ لہٗ کے لئے مابقی کا ثلث ہوگا اس لئے کہ بٹوارہ نافذ نہ ہوگا۔

تشریح ...... تو وصی تو میت کا خلیفہ ہے لیکن موصیٰ لہٗ میت کا خلیفہ نہیں ہے کیونکہ موصیٰ لہٗ نے جو موصیٰ بہ کو حاصل کیا ہے اس کا کوئی دائمی سبب نہیں ہے بلکہ ایک جدید سبب ہے یعنی وصیت کی بنیاد پر موصیٰ لہٗ نے موصیٰ بہ کو حاصل کیا ہے تو موصیٰ لہٗ کو موصی کا خلیفہ قرار نہیں دیا جاسکتا لہٰذا عیب کی وجہ سے موصیٰ لہٗ نہ تو موصی کے بائع پر رد کرسکتا ہے اور نہ موصی کا مشتری موصیٰ لہٗ پر عیب کی وجہ سے واپس کرسکتا ہے اسی طرح موصیٰ لہٗ باندی کے سلسلہ میں مغرور قرار نہیں دیا جاسکتا لہٰذا موصیٰ لہٗ کا بچہ صورت مذکور میں آزاد نہ ہوگا اگرچہ وہ قیمت بھی ادا کرے تو جب موصیٰ لہٗ میت کا خلیفہ نہیں ہے تو موصیٰ لہٗ کی عدم موجودگی کے وقت وصی موصیٰ لہٗ کا خلیفہ نہ ہوگا۔

لہٰذا اگر وصی نے موصیٰ لہٗ کی عدم موجودگی میں بٹوارہ کرلیا تھا اور موصیٰ لہٗ کا حصہ وصی کے پاس ہلاک ہوگیا تو چونکہ یہ بٹوارہ صحیح نہیں ہوگا اور نہ یہ قیمت نافذ ہوگی لہٰذا موصیٰ لہٗ جب آ جائے تو اس کو مابقی ترکہ کا ثلث ملے گا۔

وصی کا موصیٰ لہٗ کی عدم موجودگی میں اس کیلئے تقسیم کا حکم

غير ان الوصى لا يضمن لانه امين فيه وله ولاية الحفظ فى التركة فصار كما اذا هلك بعض التركة قبل القسمة فيكون له ثلث الباقى لان الموصى له شريك الوارث فيتوى ماتوى من المال المشترك على الشركة و يبقى ما بقى على الشركة

ترجمہ ...... علاوہ اس بات کے کہ وصی ضامن نہ ہوگا اس لئے کہ وہ تو اس میں امین ہے اور وصی کو ترکہ کی حفاظت کی ولایت ہے پس ایسا ہوگیا جیسے جب کہ ترکہ کا کچھ حصہ قسمت سے پہلے ہلاک ہو جائے تو موصیٰ لہٗ کے لئے باقی کا ثلث ہوگا اس لئے کہ موصیٰ لہٗ وارث کا شریک ہے تو مال مشترک میں سے جو ہلاک ہوگا وہ شرکت پر ہلاک ہوگا اور جو باقی رہے گا وہ شرکت پر باقی رہے گا۔

تشریح ...... موصیٰ لہٗ کی عدم موجودگی میں وصی نے جو موصیٰ لہٗ کے لئے بٹوارہ کیا ہے تو وصی کو اس بٹوارہ کا حق نہیں تھا لہٰذا اگر ہلاک ہو جائے تو ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ بٹوارہ نہیں ہوا اور موصیٰ لہٗ کو مابقی کا ثلث ملے گا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وصی اس ہلاک شدہ مال کا ضامن بھی ہوگا تو فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ وصی امین ہے اور اس کو ترکہ کی

حفاظت کی ولایت حاصل ہے تو بس اس کا حکم وہ ہوگا جب کہ ترکہ کا کچھ حصہ بٹوارہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو وہاں بھی یہی حکم ہوگا کہ ماقی کا ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ موصی لہ وارث کا شریک ہے اور شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ مال مشترک میں سے جو مال ہلاک ہو وہ بھی مشترک اور جو باقی ہو وہ بھی مشترک باقی ہو۔

وصی نے ورثا سے بٹوارہ کیا اور موصی لہ کا حصہ لے لیا اور وہ حصہ ہلاک ہو گیا تو حکم

قال فان قاسم الورثة وأخذ نصيب الموصى له فضاع رجع الموصى له بثلث ما بقي لما بينا

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے پس اگر وصی نے ورثا سے بٹوارہ کیا اور وصی نے موصی لہ کا حصہ لے لیا پس وہ ضائع ہو گیا تو موصی لہ ماقی کا ثلث واپس لے گا اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح یہ وہی مسئلہ ہے جس کی تفصیل صاحب ہدایہؒ ماقبل میں بیان کر چکے ہیں۔

موصی نے وصیت کی میری جانب سے حج کرا دینا حج کا مال وصی سے ہلاک ہو جائے تو کیا حکم ہے اقوال فقہاء

قال وان كان الميت اوصى بحجة فقاسم الورثة فهلك ما في يده حج عن الميت من ثلث ما بقي و كذالك [illegible] لى رجل ليحج عنه فضاع في يده و قال ابو يوسفؒ ان كان مستغرقاً للثلث لم يرجع بشيء والا يرجع بتمام الثلث و قال محمد لا يرجع بشيء لان القسمة حق الموصى ولو افرز الموصى بنفسه مالا ليحج عنه فهلك لا يلزمه شيء و بطلت الوصية فكذا اذا افرزه وصيه الذي قام مقامه

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا اور اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو پس وصی نے ورثا سے بٹوارہ کیا پس وہ مال جو وصی کے قبضہ میں تھا وہ ہلاک ہو گیا تو ماقی کے ثلث سے میت کی جانب سے حج کرایا جائے گا اور ایسے ہی اگر اس مال کو کسی شخص کو دیدیا ہو تاکہ میت کی جانب سے حج کرے پس وہ مال ہلاک ہو گیا اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر ہلاک شدہ مال ایک تہائی کو مستغرق ہو تو وصی کچھ واپس نہ لے گا ورنہ ثلث کے مکمل ہونے تک واپس لے گا اور محمدؒ نے فرمایا کہ کچھ واپس نہ لیگا اس لئے کہ قسمت موصی کا حق ہے اور اگر موصی خود مال کو الگ کر دیتا تاکہ اس کی جانب سے حج کرایا جائے پس وہ ہلاک ہو جاتا تو اس کو کچھ لازم نہ ہوتا اور وصیت باطل ہو جاتی پس ایسے ہی جب کہ موصی کے اس وصی نے الگ کر لیا ہو جو کہ موصی کے قائم مقام ہے۔

تشریح میت نے وصیت کی تھی کہ میری جانب سے حج کرا دینا پس اس کے وصی نے ورثا سے اس مال کو تقسیم کیا لیکن وہ مال جو حج کے لئے وصی نے رکھا ہے وصی کے پاس ہلاک ہو گیا تو اب کیا حکم ہے تو ائمہ ثلاثہ کا آپس میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وصی کے ہاتھ میں ضائع ہو یا اس شخص کے ہاتھ سے ہلاک ہو جس کو یہ مال حج کرنے کے لئے دیدیا تھا بہر دو صورت میت کے ترکہ کے ماقی سے حج کرانا لازم ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جو مال الگ کیا گیا تھا اگر وہ ثلث مال ہو تو وصیت باطل ہو گئی اور اب کچھ نہیں نکالا جائے گا، لیکن اگر وہ ثلث مال سے کم ہو تو اتنا اور نکالا جائے گا کہ ثلث مکمل ہو جائے اس سے زیادہ نکالنے کا حق نہ ہوگا۔

اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اب کچھ نہیں لیا جا سکتا اس لئے کہ اگر موصی نے حج کے لئے مال خود نکال کر الگ کر دیا تھا اور وہ مال ہلاک ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اور باقی مال ترکہ میں سے نکال کر حج نہیں کرایا جائے گا۔

تو جب موصی کے وصی نے نکال لیا تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا کیونکہ وصی تو موصی کا قائم مقام ہے، لہذا اب بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل

و لابی یوسفؒ ان محل الوصیة الثلث فیجب تنفیذ ها ما بقی محلها اذا لم یبق بطلت لفوات محلها و لابی حنیفةؒ ان القسمة لا تراد لذاتها بل لمقصودها و هی تادیة الحج فلم تعتبر دونه و صار کما اذا هلک قبل القسمة فیحج بثلث ما بقی و لان تمامها بالتسلیم الی الجهة المسماة اذ لا قابض لها فاذا لم یصرف الی ذالک الوجه لم یتم فصار کهلا که قبلها

ترجمہ ...... اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل ثلث ہے تو وصیت کی تنفیذ واجب ہے جب تک کہ وصیت کا محل باقی ہے اور جب کہ محل باقی نہ رہے تو وصیت باطل ہو جائے گی محل وصیت کے فوات کی وجہ سے، اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسمت بذات خود مراد نہیں ہوتی بلکہ اپنے مقصود کے پیش نظر مراد ہوتی ہے اور قسمت مقصودہ حج کو ادا کرنا ہے تو بغیر ادائیگی حج کے قسمت معتبر نہ ہوگی۔

اور ایسا ہو گیا جیسے مال ہلاک ہو گیا ہو بٹوارہ سے پہلے تو ماقی کے ثلث سے حج کرایا جائے گا اور اس لئے کہ قسمت کی تمامیت اس جہت کی جانب تسلیم سے ہوگی جس کی تعیین کی گئی ہے اس لئے کہ اس جہت کے لئے کوئی قابض تو ہے نہیں پس جب کہ مال کو صرف نہیں کیا جائے گا اسی طریقہ پر تو قسمت تام نہ ہوگی پس ایسا ہو گیا جیسے مال ہلاک ہو جانا قسمت سے پہلے۔

تشریح ...... امام محمدؒ کی دلیل تو گذر چکی ہے اب امام ابو یوسفؒ کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ یہ حج کی وصیت ہے اور وصیت کا محل نفاذ مال کا تہائی ہے تو جب تک مال کا تہائی باقی رہے گا تو وصیت کی تنفیذ واجب ہوگی۔

اور جب وصیت کا محل نفاذ باطل ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ قسمت بذات خود مراد و مقصود نہیں ہوتی بلکہ قسمت کا جو مقصود ہے اس کا حاصل ہو جانا وہ قسمت کی اصل غرض ہے اور یہاں غرض اصلی حج کی ادائیگی ہے تو جب تک حج کی ادائیگی نہ ہوگی جب تک قسمت کا اعتبار نہ ہوگا اور یوں سمجھا جائے گا کہ ابھی تک کوئی بٹوارہ نہیں ہوا لہذا ماقی کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔

پھر قسمت کی تکمیل و تمامیت اس وقت ہوگی جب کہ مال کو وہاں صرف کر دیا جائے جس کے لئے موصی نے اس کو متعین کیا تھا، اور چونکہ ادائیگی حج مال پر قابض نہیں ہو سکتی لہذا تسلیم اس وقت ہوگی جب کہ اس جہت متعینہ پر اس رقم کو صرف کر دیا جائے اور جب صرف نہیں کیا گیا تو تسلیم تام نہیں ہوئی، تو اب یہ ایسا ہو گیا جیسے قسمت سے پہلے مال کا ہلاک ہو جانا اور اس صورت میں ماقی کے ثلث سے حج

کرایا جائے گا تو ایسے ہی یہاں بھی کیا جائے گا۔

ہزار کے ثلث کی وصیت کی اور قاضی نے ورثا کے کہنے پراسے تقسیم کر دیا اور تہائی موصٰی لہٗ غائب کیلئے رکھ دی تو تقسیم کا حکم

قال ومن اوصى بثلث الف درهم فدفعها الورثة الى القاضى فقسمها والموصى له غائب فقسمته جائزة لان الوصية صحيحة و لهذا لومات الموصى له قبل القبول تصير الوصية ميراثاً لورثته والقاضى نصب ناظر لاسيما فى حق الموتى والغيب ومن النظر افراز نصيب الغائب و قبضه فنفذ ذالك و صح حتى لو حضر الغائب و قد هلك المقبوض لم يكن له على الورثة سبيل

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے فرمایا اور جس نے ہزار درہم کے ثلث کی وصیت کی پس ورثا نے ہزار درہم قاضی کو دیدیئے پس قاضی نے ان کو تقسیم کر دیا اور موصٰی لہٗ غائب ہے تو قاضی کا بٹوارہ جائز ہے اس لئے کہ وصیت صحیح ہے اسی وجہ سے اگر موصٰی لہٗ قبول سے پہلے مر جائے تو وصیت میراث ہو جائے گی موصٰی لہٗ کے ورثا کے لئے اور قاضی مقرر کیا گیا ہے (امور مسلمین کیلئے) ناظر و نگراں بنا کر خصوصاً مردوں اور غائبین کے حق میں اور شفقت میں سے غائب کے حصہ کو جدا کرنا اور اس پر قبضہ کرنا ہے پس یہ وصیت نافذ ہوگی اور صحیح ہوگی یہاں تک کہ اگر غائب حاضر ہو جائے حالانکہ مقبوض ہلاک ہو چکا ہے تو اس کے لئے ورثا پر کوئی سبیل نہ ہوگی۔

تشریح ..... زید نے خالد کے لئے ایک ہزار درہم کے ثلث کی وصیت کی تھی ورثا نے ہزار درہم اٹھا کر قاضی کے سپرد کر دیئے تا کہ قاضی بٹوارہ کر دے لہذا قاضی نے بٹوارہ کر دیا اور اس کا دو ثلث ورثا کو دیدیا اور ایک ثلث خالد کے لئے رکھ لیا اور خالد ابھی غائب ہے تو قاضی کا یہ بٹوارہ جائز ہے۔

سوال ..... یہ وصیت تو جائز نہ ہونی چاہئے اس لئے کہ زید نے غائب کیلئے وصیت کی ہے اور غائب کی جانب سے قبول نہیں پایا گیا تو پھر وصیت کیسے صحیح ہوگئی؟

جواب ..... ہدایہ ص۶۴۲ ج ۴ پر یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ جب موصی مر جائے اور موصٰی لہٗ نے ابھی قبول نہیں کیا تھا تو استحساناً وصیت کو صحیح مان لیا جائے گا اور موصٰی بہ ورثاء موصٰی لہٗ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا۔

تو اسی کو مصنفؒ نے فرمایا کہ یہاں بھی وصیت صحیح ہے لہذا اگر صورت مذکورہ میں موصی کی موت کے بعد موصٰی لہٗ قبول سے پہلے مر جائے تو موصٰی بہ موصٰی لہٗ کے لئے میراث ہوگا، اور وصیت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے اور قاضی کو اسی لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ امور مسلمین کی نگہداشت کرے خصوصاً مردوں اور غائبین کے حق میں کیونکہ یہ لوگ بذات خود تصرف کرنے سے قاصر ہیں۔

تو جب قاضی ناظر ہے تو یہ بھی نظر کے اندر داخل ہے کہ قاضی غائب کے حصہ الگ کر کے اس کے اوپر قبضہ کرے۔

لہذا قاضی کی تقسیم صحیح ہے اور نافذ ہے اور جب یہ تقسیم نافذ صحیح ہے تو اگر اتفاق سے یہ مال قاضی کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو موصٰی لہٗ ورثا سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ قاضی کے تقسیم کرنے سے تقسیم صحیح و نافذ ہوگئی۔

وصی کا ترکہ سے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں غلام فروخت کرنے کا حکم

قال و اذا باع الوصی عبدا من الترکة بغیر محضر من الغرماء فهو جائز لان الوصی قائم مقام الموصی ولو تولی حیا بنفسه یجوز بیعه بغیر محضر من الغرماء وان کان فی مرض موته فکذا اذا تولاه من قام مقامه وهذا لان حق الغرماء متعلق بالمالیة لا بالصورة والبیع لا یبطل المالیة لفواتها الی خلف وهو الثمن بخلاف العبد المدیون لان للغرماء حق الاستسعاء اما ههنا فبخلافه

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جب وصی نے ترکہ کا ایک غلام اور قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے اس لئے کہ وصی موصی کا قائم مقام ہے اور اگر موصی زندگی میں بذات خود بیع کا متولی ہوتا تو اس کی بیع جائز ہوتی قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اگر چہ موصی کے مرض الموت میں ہو پس ایسے ہی جب کہ متولی ہو بیع کا وہ شخص جو موصی کے قائم مقام ہے اور یہ اس لئے کہ قرض خواہوں کا حق مالیت سے متعلق ہے نہ کہ صورت سے اور بیع مالیت کو باطل نہیں کرتی مالیت کے فوت ہونے کی وجہ سے خلیفہ کی جانب اور خلیفہ وہ ثمن ہے بخلاف غلام مدیون کے اس لئے کہ قرض خواہوں کے لئے کمائی کرانے کا حق ہے بہر حال پس اس کے خلاف ہے۔

تشریح ...... خالد زید کا وصی ہے اور زید پر کچھ قرض ہے اور اسی حالت میں خالد نے ترکہ میں سے ایک غلام فروخت کر دیا اور قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں فروخت کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ بیع جائز ہے یا نہیں۔

تو فرمایا کہ یہ بیع جائز ہے اس لئے کہ ماقبل میں جگہ جگہ یہ بات گذر چکی ہے کہ وصی موصی کا قائم مقام ہے اور اگر موصی اپنی زندگی میں اس کام کو کرتا تو یہ بیع جائز ہوتی اگر چہ وہ مرض الموت میں بھی یہ کام کرتا تب بھی بیع جائز ہوتی تو وصی کی بیع بھی جائز ہوگی اس لئے کہ قرض خواہوں کا حق مالیت کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ صورت غلام کے ساتھ اور بیع کی وجہ سے مالیت باطل نہیں ہوگی کیونکہ غلام کے بعد غلام کا خلیفہ ثمن موجود ہے۔

البتہ اگر غلام ماذون پر قرض ہو جائے اور اس کا آقا یا اس کا وصی اس کو فروخت کرنا چاہے تو بغیر قرض خواہوں کی موجودگی اور ان کے اذن کے یہ بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں غرماء کا حق فقط مالیت سے متعلق نہیں ہے بلکہ نفس غلام سے متعلق ہے اس لئے کہ قرض خواہوں کو حق ہے کہ وہ غلام کو فروخت کرا کر اس کا ثمن لینے کے بجائے اس کو اپنے پاس رکھیں اور اس سے کمائی کرائیں۔

موصی نے وصیت کی کہ غلام بیچ کر ثمن مساکین پر صدقہ کیا جائے وصی نے غلام بیچ کر ثمن پر قبضہ کر لیا ثمن وصی سے ہلاک ہو گئے یا غلام کا کوئی مستحق نکل آیا تو کیا حکم ہے

قال و من اوصی بان یباع عبده ویتصدق بثمنه علی المساکین فباعه الوصی و قبض الثمن فضاع فی یده فاستحق العبد ضمن الوصی لانه هو العاقد فتکون العهدة علیه وهذا عهدة لان المشتری منه مارضی ببذل الثمن الا لیسلم له المبیع ولم یسلم فقد اخذ الوصی البائع مال الغیر بغیر رضاه فیجب علیه رده

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا اور جس نے وصیت کی کہ اس کا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کر دیا جائے پس

وصی نے اس کو فروخت کر دیا اور ثمن پر قبضہ کر لیا پس ثمن وصی کے قبضہ میں ضائع ہو گیا پس غلام کے اندر استحقاق ثابت ہو گیا تو وصی ضامن ہوگا اس لئے کہ وصی ہی عاقد ہے تو ذمہ داری وصی کے اوپر ہوگی اور یہ ذمہ داری ہے اس لئے کہ وصی سے خریدنے والا ہے وہ ثمن دینے پر راضی نہیں ہوا مگر تا کہ اس کے لئے مبیع سپرد کر دیا جائے اور وہ سپرد نہیں کیا گیا ہے تو وصی بائع نے غیر کے مال کو لیا ہے بغیر اس کی رضامندی کے تو وصی پر اس مال کو واپس کرنا واجب ہے۔

تشریح..... زید نے یہ وصیت کی تھی کہ میرا غلام فروخت کر کے اس کی قیمت کو مساکین پر صدقہ کر دیا جائے لہذا وصیت کے مطابق وصی نے اس غلام کو فروخت کر کے اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا اب دو صورتیں سامنے آئیں۔

۱- وہ ثمن وصی کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا۔

۲- غلام کسی اور کا مستحق نکلا۔

تو مشتری کا جو ثمن وصی وصول کر چکا ہے وصی ضامن ہوگا کہ مشتری کا ثمن واپس کرے اور چونکہ وہ ہلاک ہو چکا ہے لہذا اپنی جانب سے اس کا ضمان ادا کرے اب رہی یہ بات کہ وصی کیوں ضامن ہوگا؟

تو فرمایا چونکہ وصی عاقد ہے اور حقوق بیع کی ذمہ داری عاقد پر ہی آیا کرتی ہے اور یہ بھی ذمہ داری ہے۔

اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جس نے وصی سے یہ غلام خریدا ہے اور اس نے جو وصی کو ثمن ادا کیا ہے تو اس کا منشاء یہ ہے کہ غلام میرے حوالہ کیا جائے ورنہ اس کے بغیر وہ ثمن ادا کرنے پر راضی نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وصی نے جو بائع ہے اس نے غیر کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا تو وصی پر اس مال کا واپس کرنا واجب ہے۔

وصی نے جو ضمان مشتری کو ادا کیا اس کو کن سے وصول کرے گا۔

و یرجع فیما ترک المیت لانه عامل له فیرجع علیه کالوکیل و کان ابو حنیفة یقول اولا لایرجع لانه ضمن بقبضه ثم رجع الی ماذکرنا و یرجع فی جمیع الترکة وعند محمد انه یرجع فی الثلث لان الرجوع بحکم الوصیة فاخذ حکمها و محل الوصیة الثلث وجه الظاهر انه یرجع علیه بحکم الغرور و ذالک دین علیه والدین یقضی من جمیع الترکة

ترجمہ..... اور وصی رجوع کرے گا اس مال میں جو میت نے چھوڑا ہے اس لئے کہ وصی میت کے عامل ہے تو وصی میت پر رجوع کرے گا جیسے وکیل اور ابو حنیفہؒ پہلے فرمایا کرتے تھے کہ وصی رجوع نہیں کرے گا اس لئے کہ وصی اپنی وصولیابی کی وجہ سے ضامن ہوا ہے، پھر ابو حنیفہؒ نے اس قول کی جانب رجوع کر لیا جو ہم نے ذکر کیا ہے اور وصی تمام ترکہ میں رجوع کرے گا اور محمدؒ سے منقول ہے کہ ثلث میں رجوع کرے گا اس لئے کہ رجوع وصیت کے حکم کی وجہ سے ہے پس رجوع وصیت کے حکم کو لے گا اور وصیت کا محل ثلث ہے ظاہر الراویۃ کی وجہ یہ ہے کہ وصی میت پر دھوکہ دینے کے حکم سے رجوع کرتا ہے اور یہ میت پر قرض ہے اور قرض پورے ترکہ سے ادا کیا جاتا ہے۔

تشریح..... اب سوال یہ ہے کہ وصی نے جو ضمان مشتری کو ادا کیا ہے اس کا کیا ہوگا تو فرمایا کہ وصی اس ضمان کو میت کے ترکہ سے وصول

کرے گا اس لئے کہ وصی تو میت کا عامل اور اسی کا کارندہ ہے لہذا وصی کو حق ہوگا کہ اس کو میت کے ترکہ سے واپس لے جیسے وکیل کو اگر اس قسم کا ضمان ادا کرنا پڑ جائے تو وہ موکل پر رجوع کرے گا۔

یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول مرجوع الیہ ہے ورنہ امام صاحبؒ کا پہلا قول یہ تھا کہ وصی کو رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ وصی نے جو ضمان ادا کیا ہے وہ اپنے قبضہ کی وجہ سے ادا کیا ہے اس لیئے کہ جب غلام کے اندر استحقاق ثابت ہوگیا تو وصیت باطل ہوگئی اور وصی ورثا کا عامل ہے نہیں لہذا ان پر رجوع کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا بہرحال امام ابوحنیفہؒ کے قول مرجوع الیہ کے مطابق رجوع جائز ہے۔

اب اس پر سوال ہے کہ کہاں تک رجوع کرسکتا ہے تو فرمایا کہ اگر پورا ترکہ بھی ختم ہوجائے وہاں تک بھی رجوع کرے گا کیونکہ یہ قرض کے درجہ میں ہے اور قرض کی ادائیگی پورے ترکہ سے واجب ہوا کرتی ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تہائی ترکہ تک رجوع کرنے کا حق ہے اس سے زیادہ نہیں اس لئے کہ بیع مذکور وصیت کے حکم سے تھی اور اسی کی وجہ سے رجوع کرنے کا حق ہوا ہے، اور وصی کا نفاذ صرف تہائی مال میں ہوتا ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل...... یہ ہے کہ موصی کے اس دھوکہ کی وجہ سے وصی کے اوپر ضمان واجب ہوا ہے تو اس زمان کی ادائیگی میت پر قرض ہے اور قرض کی ادائیگی پورے ترکہ سے ہوا کرتی ہے لہذا پورے ترکہ سے اس کی ادائیگی ہوگی۔

مذکورہ مسئلہ میں وصی کی بجائے یہ سارے افعال قاضی کو پیش آئے تو کیا حکم ہوگا

بخلاف القاضی او امینه اذا تولی البیع حیث لا عهدة علیه لان فی الزامها القاضی تعطیل القضاء اذ یتحامی عن تقلد هذه الامانة حذرا عن لزوم الغرامة فتتعطل مصلحة العامة و امینه سفیر عنه کالرسول و لا کذالک الوصی لانه بمنزلة الوکیل و قد مرفی کتاب القضاء فان کانت الترکة قد هلکت او لم یحن بها وفاء لم یرجع بشیء کما اذا کان علی المیت دین آخر

ترجمہ...... بخلاف قاضی یا اس کے امین کے جب کہ وہ بیع کے متولی ہوں اس حیثیت سے کہ ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اس لئے کہ قاضی پر ذمہ داری کے لازم قرار دینے میں قضاء کی تعطیل ہے اس لئے کہ قاضی اس امانت کو اٹھانے سے پرہیز کرے گا لزوم غرامت کے خوف سے تو مصلحت عامہ معطل ہوجائے گی اور قاضی کا امین قاضی کا سفیر ہے مثل ایلچی کے اور وصی ایسا نہیں ہے اس لئے کہ وصی تو وکیل کے درجہ میں ہے اور یہ کتاب القضاء میں گذر چکا ہے پس اگر ترکہ ہلاک ہوگیا یا ترکہ سے اس کی ادائیگی نہ ہوسکے تو وصی کسی پر رجوع نہیں کرے گا جیسا کہ میت پر دوسرا قرض ہو۔

تشریح...... یہ وجوب ضمان کا حکم اور پھر میت کے ترکہ سے واپس لینے کا حکم وصی کے لیے ہے۔

اور اگر قاضی نے میت کا غلام فروخت کیا ہو اور قاضی کے پاس اس کا ثمن ہلاک ہوگیا اور غلام کے بارے میں کسی نے استحقاق کا دعویٰ کردیا اور وہ دعویٰ ثابت ہوگیا تو قاضی پر کوئی ضمان نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر قاضی پر بیع کی ذمہ داری عائد کرکے یہ ضمان واجب کیا جائے گا تو منصب قضاء معطل ہوجائے گا کیونکہ پھر کوئی بھی قاضی بننے کو تیار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کو یہ خوف ہوگا کہ کہیں غرامت اور ڈانڈ دینا پڑے اور قاضی مصلحت عامہ کے لئے ہوتا ہے اور کوئی جب اس عہدہ کو قبول نہیں کرے گا تو مصلحت عامہ

معطل ہو کر رہ جائے گی۔

اور اگر بیع بجائے قاضی کے قاضی کا امین کرے تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ قاضی کا وہ گویا سفیر و ترجمان ہے اور اس کے قاصد اور ایلچی کے مثل ہے لہذا اس پر بھی کوئی ضمان نہ ہوگا۔

اور وصی پر اس لئے ضمان آیا کہ وصی تو وکیل کے درجہ میں ہے جس کی تفصیل کتاب ادب القاضی میں گذر چکی ہے لیکن اگر میت کا ترکہ ہلاک ہو گیا یا ہلاک نہیں ہوا لیکن ترکہ اتنا کم ہے جو وصی کے اس قرض کے لئے ناکافی ہے تو اب وصی کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے جیسے اگر میت پر دوسرا قرض ہو تو بھی وصی کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

وصی نے میراث کو تقسیم کیا اور تقسیم میں ایک بچہ کے حصہ میں غلام آیا جس کو وصی نے فروخت کر دیا اور اس کا ثمن وصول کر لیا اب ثمن وصی کے پاس ہلاک ہو گیا یا غلام کا کوئی مستحق نکل آیا اس کا شرعی حل کیا ہے

قال وان قسم الوصی المیراث فاصاب صغیرا من الورثة عبد فباعه وقبض الثمن فهلک واستحق رجع فی مال الصغیر لانه عامل له ویرجع الصغیر علی الورثة بحصته لانتقاض القسمة باستحقاق ما اصابه

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور اگر وصی نے میراث کو تقسیم کر لیا پس ورثا میں سے کسی بچہ کے حصہ میں ایک غلام آیا پس وصی نے اس کو فروخت کر دیا اور ثمن پر قبضہ کر لیا پس ثمن ہلاک ہو گیا اور غلام کے اندر استحقاق ثابت ہو گیا تو وصی صغیر کے مال میں رجوع کرے ... نے یہ وصی بچہ کے لئے عامل ہے اور صغیر اپنے حصہ کے بقدر ورثا پر رجوع کرے گا بٹوارہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس چیز کے استحقاق سے جو بچہ کے حصہ میں آتی ہے۔

تشریح ...... وصی نے میراث کا بٹوارہ کیا اور ورثا میں سے مثلاً ایک بچہ ہے اس کے حصہ میں ایک غلام بھی آیا جس کو وصی نے فروخت کر دیا اور اس کا ثمن وصول کر لیا اب دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱- وصی کے پاس سے وہ ثمن ہلاک ہو گیا۔

۲- غلام کسی کا مستحق نکلا، تو وصی مشتری کے لئے حسب بیان سابق اس کے ثمن کا ضامن ہوگا اور چونکہ وصی بچہ کا کارندہ ہے اس لئے اس ضمان کو بچہ کے مال سے واپس لے گا اور بچہ اپنے حصہ کے بقدر تمام ورثہ پر رجوع کرے گا کیونکہ کتاب القسمۃ میں گذر چکا ہے کہ اگر بعد قسمت کوئی چیز ایسی نکل جائے جس میں کسی کا استحقاق ثابت ہو تو اس میں قسمت ٹوٹ جائے گی۔

یتیم کے مال میں وصی نے حوالہ قبول کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے

قال و اذا احتال الوصی بمال الیتیم فان کان خیر اللیتیم جاز وهو ان یکون املأ اذا لولایة نظریة وان کان الاول املا لا یجوز لان فیه تضییع مال الیتیم علی بعض الوجوه

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جب یتیم کے مال کے سلسلہ میں وصی نے حوالہ قبول کر لیا پس اگر یہ قبول حوالہ یتیم کے لئے

بہتر ہوتو جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ محتال علیہ مالدار ہو اس لئے یہ ولایت نظری ہے اور اگر اصل مدیون مالدار ہوتو جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں یتیم کے مال کی تضیع ہے بعض صورتوں میں۔

تشریح ...... یتیم کا خالد پر قرض۔ہے جب وصی نے خالد سے قرض کا مطالبہ کیا تو خالد نے قرض کا حوالہ بکر پر کر دیا یعنی میرا قرض بکر ادا کریگا اور بکر نے بھی اس کو قبول کر لیا تو اگر وصی اس حوالہ کو قبول کرے تو جائز ہے یا نہیں۔

تو فرمایا کہ اس میں تفصیل ہے اگر محتال علیہ مالدار ہو تب تو اس میں بچہ کے لئے بہتری ہے یعنی اس سے قرض جلدی وصول ہو جائے گا اور اگر خالد ہی مالدار ہوتو اس حوالہ کو قبول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب یہ مالدار نہیں ہے تو ادائیگی مؤخر ہوگی۔

اور تاخیر بھی من وجہ اتلاف اور تضیع ہے اور وصی کی ولایت بناء بر شفقت ہے اور جس میں بچہ کے لئے بہتری نہ ہو تو وہ صورت اختیار کرنے میں کوئی بہتری نہیں ہے۔

وصی بچوں کے امور میں کس وقت تصرف کرسکتا

قال ولا يجوز بيع الوصي ولا شراؤه الا بما يتغابن الناس في مثله لانه لانظر في الغبن الفاحش بخلاف اليسير لانه لا يمكن التحرز عنهم ففي اعتباره انسداد بابه والصبي الماذون والعبد الماذون والمكاتب يجوز بيعهم و شراؤهم بالغبن الفاحش عند ابي حنيفة لانهم يتصرفون بحكم المالكية والاذن فك الحجر بخلاف الوصي لانه يتصرف بحكم النيابة الشرعية نظراً فيتقيد بموضع النظر و عندهما لا يملكونه لان التصرف بالفاحش منه تبرع لا ضرورة فيه وهم ليسوا من اهله

ترجمہ ...... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جائز نہیں ہے وصی کی بیع اور نہ اس کا شراء مگر اسی مقدار کے ساتھ کہ اس کے مثل میں لوگ خسارہ برداشت کر لیتے ہوں اس لئے کہ غبن فاحش میں کوئی شفقت نہیں ہے بخلاف غبن یسیر کے اس لئے کہ غبن یسیر سے احتراز ممکن نہیں ہے پس غبن یسیر سے احتراز کے ممکن ہونے میں وصایت کے دروازہ کو بند کرنا ہے اور ماذون بچہ اور غلام ماذون اور مکاتب ان کی بیع اور ان کا شراء ابوحنیفہؒ کے نزدیک غبن فاحش کے ساتھ جائز ہے اس لئے کہ یہ لوگ مالکیت کے حکم سے تصرف کرتے ہیں اور اجازت دینا حجر کو اٹھا دینا ہے بخلاف وصی کے اس لئے کہ وصی نیابت شرعیہ کی وجہ سے بناء بر شفقت تصرف کرتا ہے تو یہ تصرف موضع شفقت کے ساتھ مقید ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ لوگ اس کے مالک نہ ہوں گے اس لئے کہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف ایسا تبرع ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ لوگ تبرع کے اہل نہیں ہیں۔

تشریح ...... وصی کو حق ہے کہ وہ بچوں کے امور میں تصرف کرے ان کے لئے خرید و فروخت کرے لیکن غبن فاحش کے ساتھ وصی کا تصرف اور خرید و فروخت جائز نہیں ہے، البتہ اگر معمولی ہیر پھیر ہوتو جائز ہے اس لئے اس سے احتراز ناممکن ہے اور اگر اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا تو باب وصایت کو بند کر دینا لازم آئے گا اور اس کے مفاسد ظاہر ہیں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ماذون بچہ اور غلام ماذون اور مکاتب ان کا تصرف کسی کی نیابت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود ان کی اہلیت کی وجہ سے ہے البتہ ان پر حجر تھا لیکن اب جب کہ حجر کو اٹھا لیا گیا ہے تو ان کی اہلیت ظاہر ہوگی، لہٰذا ان کا تصرف غبن فاحش کے ساتھ بھی جائز ہے اس لئے کہ ان کا تصرف مالکانہ ہے نائبانہ نہیں ہے اور وصی کا

تصرف نائبانہ ہے یعنی بناء بر شفقت شریعت نے اس کو نائب بنا دیا ہے تو اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہے بلکہ نائبانہ ہے اس لئے اس کا تصرف نظر و شفقت کے ساتھ مقید ہوگا۔

اور غبن فاحش کے ساتھ تصرف کر کے مال کے اتلاف میں کوئی نظر نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ بھی غبن فاحش کے ساتھ تصرف نہیں کر سکتے کیونکہ غبن فاحش کے ساتھ ان کا تصرف ایسا تبرع ہے جس کی ضرورت نہیں ہے اور نہ یہ لوگ تبرع کے اہل ہیں۔

جب وصی نے کوئی چیز فروخت کی تو وصیت نامہ پر بیع نامہ نہ لکھے بلکہ الگ بیع نامہ تحریر کرے

و اذا كتب كتاب الشراء على وصى كتب كتاب الوصية على حدة و كتاب الشراء على حدة لان ذالك احوط ولو كتب جملة عسى ان يكتب الشاهد شهادته في اخره من غير تفصيل فيصير ذالك حملاله على الكذب ثم قيل يكتب اشترى من فلان ابن فلان ولا يكتب من فلان و صى فلان لما بينا و قيل لا باس بذالك لان الوصاية تعلم ظاهرا

ترجمہ ...... اور جب وصی پر بیع نامہ لکھا جائے تو وصیت نامہ علیحدہ لکھا جائے گا اور جب بیع نامہ علیحدہ لکھا جائے گا اس لئے کہ یہ احوط ہے اور اگر اکھٹا لکھا جائے تو ہوسکتا ہے کہ شاہد اپنی شہادت اس کے آخر میں لکھے بغیر تفصیل کے تو یہ اس کو جھوٹ پر ابھارنا ہو جائے گا پھر کہا گیا ہے کہ (قاضی یا مشتری) یوں لکھے اشترى من فلان ابن فلان اور یوں نہ لکھے من فلاں وصی فلاں اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ وصایت ظاہر معلوم ہوتی ہے۔

تشریح ...... وصی نے کوئی چیز فروخت کی جس پر بیع نامہ لکھا جا رہا ہے تو وہاں بیع نامہ اور وصیت نامہ ایک تحریر میں نہ آنا چاہئے بلکہ بیع نامہ الگ تحریر پر اور وصیت نامہ الگ تحریر میں ہونا چاہئے اس لئے کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وصیت کے گواہ اور ہیں اور شراء کے گواہ اور ہیں اور بوقت بیع جب بیع نامہ لکھا گیا ہے تو اگر وصیت نامہ بھی اس میں لکھ دیا جائے تو جو بیع کے گواہ ہیں وہ اس کے آخر میں اپنے دستخط کریں گے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ یہ گواہ وصیت اور بیع دونوں کے گواہ ہیں وہ فقط بیع کے گواہ ہیں اس لیے یہ طریقہ احوط ہے کہ دونوں تحریریں الگ الگ ہوں۔

پھر جب قاضی یا مشتری یا ان کے حکم سے کوئی اور بیع نامہ لکھے تو اس کے یہ ہونے چاہئیں کہ فلاں نے فلاں ابن فلاں سے فلاں چیز خریدی اور یہ الفاظ نہ ہوں کہ فلاں سے جو فلاں کا وصی ہے یہ چیز خریدی کیونکہ پھر اس میں وہی بات آگئی کہ بیع اور وصیت کو گویا کہ ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور یہ احتیاط کے خلاف ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ وصیت نامہ نہیں ہے بلکہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ فلاں کا وصی ہے پس شہرت کی بنیاد پر اس بیع نامہ میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں ورنہ یہ وصیت نامہ نہیں کہلائے گا۔

وصی بالغ لڑکے کا سامان بیچنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں

قال و بيع الوصى على الكبير الغائب جائز في كل شيء الا في العقار لان الاب يلى ما سواه و لايليه فكذا وصيه و كان القياس ان لا يملك الوصى غير العقار ايضاً لانه يملكه الاب على الكبير الا انا استحسناه لما

انہ حفظ لتسارع الفساد الیہ و حفظ الثمن ایسر وھو یملک الحفظ اما العقار فمحصن بنفسہ

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور کبیر غائب پر وصی کی بیع جائز ہے تمام چیزوں میں مگر زمین میں اس لئے کہ باپ زمین کے علاوہ پر ولایت رکھتا ہے اور زمین کی بیع پر ولایت نہیں ہے پس اسمیں ایسے ہی باپ کا وصی ہوگا اور قیاس تو یہ تھا کہ وصی زمین کے علاوہ کا مالک نہ ہو اس کہ (ولایت حقیقیہ کے طریقہ پر) اس کا کبیر پر باپ مالک نہیں ہے (البتہ بناء بر حفاظت ولایت ہے) مگر ہم نے اس کو بر بناء استحسان جائز مانا ہے بوجہ اس کے کہ یہ حفاظت ہے اس کی جانب فساد کے جلدی آنے کی وجہ سے اور ثمن کی حفاظت آسان ہے اور وصی حفاظت کا مالک ہے بہر حال زمین تو وہ خود محفوظ ہے۔

تشریح..... خالد زید کا وصی ہے اور زید کا ایک لڑکا بالغ ہے جو غائب ہے تو کیا خالد زید کے اس بالغ لڑکے کا سامان بھی بیچنے کا اختیار رکھتا ہے تو فرمایا کہ وصی زمین کے علاوہ اور سامان فروخت کر سکتا ہے اس لئے کہ جن چیزوں پر باپ کو ولایت تھی ان کے اوپر وصی کو بھی ولایت ہوگی اور باپ کو ولایت تھی کہ بیٹے کے سامان کو فروخت کردے البتہ زمین فروخت کرنے کی ولایت باپ کو بھی نہیں ہے۔

اور چونکہ وصی باپ کا قائم مقام ہے لہذا ایسی اختیار وصی کو حاصل ہوگا لیکن قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ وصی نہ زمین کو فروخت کرنے کا مالک ہو اور نہ زمین کے علاوہ اور چیزوں **کا** کیونکہ یہ ولایت حقیقیہ باپ کو بھی حاصل نہیں ہے اور باپ کو جو ولایت زمین کے علاوہ سامان فروخت کرنے کی ملی ہے یہ ولایت نہیں بلکہ حفاظت ہے بہر حال یہ تھا قیاس کا تقاضہ مگر ہم نے قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا ہے اور کہا کہ یہ ولایت نہیں ہے بلکہ حفاظت ہے اس لئے کہ غیر عقار کی بیع حفاظت میں داخل ہے اس لئے کہ منقولات کے بگڑ جانے اور خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے تو سامان کے بجائے اس کے ثمن کی حفاظت آسان ہوتی ہے اور حفاظت کرنے کی ولایت وصی کو حاصل ہے اور زمین کو فروخت کرنے کا اختیار اس لئے نہیں ہے کہ اس پر تلف اور ضیاع کا خوف نہیں ہے یو [illegible] خود محفوظ ہے۔

وصی مال میں تجارت کرنے کا مجاز نہیں

قال ولا یتجر فی المال لان المفوض الیہ الحفظ دون التجارۃ

ترجمہ امام محمدؒ نے فرمایا اور وصی مال میں تجارت نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کے سپرد حفاظت کی گئی ہے نہ کہ تجارت۔

تشریح..... وصی مال میں تجارت کرنے کا مجاز نہیں ہے اس لئے کہ موصی نے اس کو مال کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے تجارت کے لئے مقرر نہیں کیا۔

وصی موصی کے دو بیٹوں ایک چھوٹا ایک بڑا جو کہ غائب ہے دو بھائیوں کے مال جو ترکہ سے ملا ہے میں تصرف کر سکتا ہے

و قال ابویوسفؒ ومحمدؒ و صی الاخ فی الصغیر والکبیر الغائب بمنزلۃ وصی الاب فی الکبیر الغائب و کذا وصی الام و العم وھذا الجواب فی ترکۃ ھؤلاء لان وصیھم قائم مقامھم وھم یملکون ما یکون

من باب الحفظ فكذا وصيهم

ترجمہ..... اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا کہ بھائی کا وصی چھوٹے بھائی اور اس بڑے بھائی کے بارے میں جو غائب ہے باپ کے وصی کے وجود میں ہے۔ کبیر غائب کے اندر اور ایسے ہی ماں اور چچا کا وصی اور یہ جواب ان لوگوں کے ترکہ کے بارے میں ہے اس لئے کہ ان کا وصی ان کے قائم مقام ہے اور وہ مالک تھے ان چیزوں کے جو حفاظت کے باب سے ہو پس ایسے ہی ان کا وصی۔

تشریح..... زید کا انتقال ہوا اور دو بھائی ہیں ایک چھوٹا ہے جو نابالغ ہے اور ایک بالغ ہے لیکن غائب ہے اور یہ دونوں زید کے وارث ہوئے ہیں اور زید نے خالد کو اپنا وصی مقرر کیا تھا تو خالد ان دونوں بھائیوں کے اس مال میں جو ان کو زید سے ترکہ میں ملا ہے کیا تصرف کر سکتا ہے تو فرمایا کہ جو حکم باپ کے وصی کو تھا بڑے غائب بیٹے کے سلسلہ میں وہی یہاں ان دونوں بھائیوں کے حق میں بھائی کے وصی کا حکم ہوگا یعنی بھائی کا وصی ان دونوں کے دیگر سامان کو تو

فروخت کر سکتا ہے لیکن ان دونوں کی زمین فروخت نہیں کر سکتا۔

اور اگر ماں یا چچا کا وصی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وصی اپنے موصی کے قائم مقام ہوتا ہے اور اگر موصی بھائی یا ماں یا چچا ہوتا تو ان کا بھی یہی حکم تھا تو یہی حکم ان کے وصی کا ہوگا۔

البتہ وصی مذکور کو جو یہ اجازت ملی ہے یہ صرف اسی مال میں ہے جو اس کے موصی کی جانب سے ان کو ترکہ میں ملا ہے ورنہ ان کا وہ مال جو پہلے سے ان کا ہے اس کے اندر تصرف کا اس وصی کو حق نہ ہوگا۔

وصی اور بچوں کے دادا میں سے کس کو ترجیح ہوگی

قال و الوصی احق بمال الصغير من الجد و قال الشافعیؒ الجد احق لان الشرع اقامه مقام الاب حال عدمه حتى احرز الميراث فيقدم على وصيه ولنا ان بالايصاء تنتقل ولاية الاب اليه فكانت ولايته قائمة معنى فيقدم عليه كالاب نفسه و هذا لان اختياره الوصی مع علمه بقيام الجديد على ان تصرفه انظر لبنيه من تصرف ابيه

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور وصی بچہ کے مال کا زیادہ حقدار ہے دادا سے اور شافعیؒ نے فرمایا کہ دادا زیادہ حقدار ہے اس لئے کہ شریعت نے اس کو باپ کے نہ ہونے کے وقت میں باپ کے قائم مقام کیا ہے یہاں تک کہ وہ میراث کو لے لیتا ہے تو دادا باپ کے وصی پر مقدم کیا جائے گا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ایصاء کی وجہ سے باپ کی ولایت وصی کی جانب منتقل ہو جاتی ہے تو معنی باپ کی ولایت قائم ہے پس وصی دادا پر مقدم کیا جائے گا جیسے خود باپ اور یہ اس لئے کہ باپ کا وصی کو اختیار کرنا وصی کے دادا کے وجود کو جاننے کے باوجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وصی کا تصرف وصی کے بیٹوں کے لئے زیادہ شفقت کا باعث ہے وصی کے باپ کے تصرف سے۔

تشریح..... اگر موصی کا باپ یعنی بچوں کا دادا بھی موجود ہو اور وصی بھی ہے تو ان میں ترجیح کس کو ہوگی، تو ہمارے نزدیک وصی کو ترجیح ہوگی

اور امام شافعی کے نزدیک دادا کو ترجیح ہوگی اس لئے کہ باپ کے نہ ہونے کے وقت شریعت نے دادا کو باپ کے قائم مقام کیا ہے اسی لئے باپ کی جو میراث ہوتی ہے اس سب کو دادا وصول کر لیتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ دادا کا مقدم ہوگا۔

ہماری دلیل ...... یہ ہے کہ جب موصی نے اپنا وصی مقرر کر دیا تو باپ کی ولایت وصی کی جانب منتقل ہوگئی تو گویا معنی باپ کی ولایت قائم ہے لہٰذا وصی دادا پر ایسے ہی مقدم کیا جائے گا جیسے اگر باپ خود موجود ہوتا تب بھی دادا اس سے مقدم ہوتا اور جب موصی جانتا ہے کہ بچوں کا دادا موجود ہے پھر بھی وہ اپنا وصی مقرر کر رہا ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ موصی نے وصی کے تصرف کو بچوں کے لئے باپ کے تصرف سے بہتر سمجھا ہے۔

اگر باپ نے کسی کو وصی مقرر نہیں کیا تو دادا باپ کا قائم مقام ہے

فان لم يوص الاب فالجد بمنزلة الاب لانه اقرب الناس اليه و اشفقهم عليه حتى ملك الانكاح دون الوصي غير انه يقدم عليه وصي الاب في التصرف لما بيناه

ترجمہ ...... پس اگر باپ نے وصی نہ بنایا ہو تو دادا باپ کے درجے میں ہے اس لئے کہ دادا بچہ کے لئے لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہے اور بچہ پر لوگوں میں سب سے زیادہ شفیق ہے یہاں تک کہ دادا نکاح کرنے کا مالک ہے نہ کہ وصی علاوہ اس بات کے کہ دادا پر باپ کا وصی تصرف میں مقدم رکھا جاتا ہے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ...... اگر باپ نے کسی کو اپنا وصی نہ مقرر کیا ہو تو اب دادا باپ کے درجے میں ہوگا اس لئے کہ اب بچہ کے لئے یہ دادا سب لوگوں میں سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ شفیق ہے اسی لئے ولایت نکاح دادا کو ملتی ہے نہ کہ وصی کو ہاں اگر باپ نے وصی مقرر کیا ہو تو دلیل مذکور کی وجہ سے باپ کا وصی دادا پر مقدم کیا جائے گا۔

فصل في الشهادة

ترجمہ ...... یہ فصل ہے شہادت کے بیان میں

تشریح ...... مصنفؒ وصیت کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے وصیت کے اندر شہادت کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں، اور چونکہ وصیت اصل ہے اور شہادت ایک عارض ہے اور عارض موخر ہوا کرتا ہے اس وجہ سے شہادت کے احکام کو مؤخر کیا گیا ہے۔

دو وصیوں نے اس بات کی گواہی دی کہ ہمارے موصی میت نے ہم دونوں کے علاوہ اس تیسرے کو بھی وصی بنایا ان کی گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں

قال و اذا شهد الوصيان ان الميت اوصى الى فلان معهما فالشهادة باطلة لانهما متهمان فيها لاثباتهما معينا لانفسهما قال الا ان يدعيها المشهود له و هذا استحسان وهو في القياس كالاول لما بينا من التهمة وجه الاستحسان ان للقاضي ولاية نصب الوصي ابتداء اوضم اخر اليهما برضائه بدون شهادتهما فتسقط

بشهادتهما مؤنة التعيين عنه اما الوصاية تثبت بنصب القاضي

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اور جب کہ دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے فلاں کو ان دو کے ساتھ وصی بنایا ہے تو شہادت باطل ہے اس لئے کہ یہ دونوں اس شہادت میں متہم ہیں ان دونوں کے ثابت کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کے لئے معین امام محمدؒ نے فرمایا مگر یہ کہ مشہود لہ، وصایت کا دعویٰ کرے اور یہ استحسان ہے اور یہ (قبول شہادت) قیاس کے اندر اول کے مثل ہے اس تہمت کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کے لئے ابتداء وصی کے تقرر کرنے کی ولایت ہے یا دو وصیوں کی طرف ان دونوں کی شہادت کے بغیر تیسرے کو بلانے کی ولایت ہے ثالث کی رضامندی سے تو ان دونوں کی شہادت سے قاضی سے تعین کی مشقت ساقط ہو جائے گی بہر حال وصایت وہ قاضی کے تقرر سے ثابت ہوگی۔

تشریح..... زید نے خالد اور بکر دونوں کو اپنا وصی بنایا تھا اب یہ دونوں شہادت دیتے ہیں کہ زید نے ہمارے ساتھ ساجد کو بھی وصی بنایا تھا تو یہ شہادت قبول ہوگی یا نہیں تو فرمایا کہ اگر ساجد خود وصایت کا دعویٰ کرے اور اس پر یہ دونوں شہادت دیں تو شہادت قبول ہوگی بلکہ شہادت باطل ہوگی اس لئے کہ یہاں دونوں وصی اپنی شہادت میں متہم ہیں اور متہم کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔

اور تہمت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں اپنی اس شہادت سے اپنے لئے ایک معین کو ثابت کر رہے ہیں اور جب ساجد خود وصایت کا دعویٰ کرے تو ان کی شہادت استحساناً قبول کی گئی ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ وہاں بھی یہ ہے کہ شہادت قبول نہ ہو کیونکہ تہمت یہاں بھی موجود ہے مگر یہاں قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا گیا ہے کیونکہ اگر قاضی خود وصی مقرر کرے جب کہ میت کا کوئی وصی نہ ہو تو جائز ہے اس لیئے کہ قاضی کو وصی کے مقرر کرنے کی ولایت حاصل ہے اور اگر پہلے سے ایک یا دو وصی موجود ہیں اور قاضی ان کے ساتھ کسی اور کو ملانا چاہے تو قاضی کو اس کی ولایت ہے خواہ یہ دونوں وصی شہادت بھی نہ دیں البتہ جس کو قاضی وصی مقرر کرے گا اس کی رضامندی درکار ہے۔

تو جب قاضی کو خود وصی کے مقرر کرنے کی ولایت ہے تو یہاں ان کی شہادت کو قبول کرنے کا حاصل یہ نکلا کہ اس وصی ثالث کا تقرر تو قاضی نے کیا ہے البتہ ان دونوں کی شہادت کی وجہ سے قاضی تعیین کی مشقت سے بچ گیا ہے یعنی وصایت کا ثبوت ان دونوں کی شہادت سے نہیں ہوا بلکہ قاضی کے مقرر کرنے سے ہوا ہے۔

میت کے دو بیٹوں نے اس بات کی گواہی دی ہمارے والد نے اس تیسرے شخص کو وصی بنایا ہے جبکہ یہ تیسرا شخص اس کا منکر ہے تو کیا حکم ہے

قال و كذالك الابنان معناه اذا شهدا ان الميت اوصى الى رجل وهو ينكر لانهما يجران الى انفسهما نفعاً بنصب حافظ للتركة

ترجمہ..... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور ایسے ہی دو لڑکے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب دو لڑکوں نے گواہی دی کہ میت نے (یعنی ان دونوں کے باپ نے) فلاں شخص کو وصی بنایا تھا حالانکہ وہ شخص انکار کرتا ہے (تو وصیت باطل ہے) اس لئے کہ وہ دونوں اپنے لئے نفع کھینچتے ہیں ترکہ کے لئے نگران مقرر کر کے۔

تشریح..... زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے دو بیٹے ہیں خالد اور بکر ان دونوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے فلاں مثلاً ساجد کو اپنا وصی

مقرر کیا تھا تو یہ شہادت باطل ہوگی اس لئے کہ یہ دونوں لڑکے اپنی شہادت میں متہم ہیں یعنی اپنے فائدہ کے لئے یہ گواہی دے رہے ہیں تا کہ کوئی ترکہ کی حفاظت کرنے والا اور اس کا نگراں مل جائے۔

میت کے دووصیوں کی نابالغ وارث کے حق میں شہادت کا حکم

ولو شهدا يعني الوصيين لوارث صغير بشيء من مال الميت او غيره فشهادتهما باطلة لانهما يظهران ولاية التصرف لانفسهما في المشهود به

ترجمہ..... اور اگر دووصیوں نے مال میت یا اس کے غیر کے بارے میں کسی شی کے متعلق وارث صغیر کے لئے گواہی دی تو ان دونوں کی شہادت باطل ہے اس لئے کہ یہ دونوں اپنے لئے تصرف کی ولایت کو ظاہر کرتے ہیں مشہود بہ میں

تشریح..... زید کا انتقال ہوا اور اس کے دووصی ہیں اور زید کا کوئی وارث چھوٹا بچہ ہے تو اس بچہ کے مال پر دونوں وصیوں کو ولایت حاصل ہے یعنی اس کے مال میں تصرف کرنے کی ولایت ان دونوں کو حاصل ہے خواہ بچہ کا وہ مال موصی کے ترکہ میں سے ہو یا اس کے علاوہ اور مال ہو دونوں کے اندر تصرف کی ولایت ہے۔

اب زید کے دونوں وصی یہ گواہی دیتے ہیں کہ زید کا فلاں مال اس بچہ کا ہے یا وہ فلاں مال ہے جو ترکہ میں سے نہیں ہے اس بچہ کا ہے تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ یہ دونوں اس شہادت کے اندر متہم ہیں اور ان کا مقصد اس گواہی سے اس مال کے اندر جس کے متعلق یہ شہادت دے رہے ہیں ولایت تصرف کو ثابت کرنا ہے اس لئے یہ شہادت باطل ہے۔

میت کے دووصیوں کی بالغ وارث کے حق میں گواہی کا حکم، اقوال فقہاء

قال ان شهدا لوارث كبير في مال الميت لم يجز و ان كان في غير مال الميت جاز وهذا عند ابي حنيفة و قالا ان شهدا لوارث كبير تجوز في الوجهين لانه لا يثبت لهما ولاية التصرف في التركة اذا كانت الورثة كبارا فعريت عن التهمة

ترجمہ..... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور اگر ان دونوں وصیوں نے وارث کبیر کے لئے مال میت میں شہادت دی تو جائز نہیں ہے اور اگر گواہی مال میت کے غیر میں ہو تو جائز ہے اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر ان دونوں وصیوں کے لئے ترکہ میں تصرف کی ولایت ثابت نہیں ہوتی جب کہ ورثہ بڑے ہوں تو شہادت تہمت سے خالی ہے۔

تشریح..... اگر زید مرحوم کے دووصی ہیں لیکن وہ چھوٹے بچہ کے لئے نہیں بلکہ بالغ وارث کے لئے گواہی دیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے، تو فرمایا کہ اس میں تفصیل ہے، اگر ان دونوں کی گواہی مال میت کے علاوہ میں ہے کہ یہ فلاں وارث کا ہے تو بالاتفاق گواہی قبول ہوگی اور اگر مال میت کے اندر گواہی ہو کہ یہ مال فلاں وارث کا ہے تو اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اس کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں اور صاحبینؒ اس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ جب ورثہ بالغ ہوں تو وصیوں کو ترکہ کے اندر ولایت تصرف نہیں ہے لہذا اس شہادت میں کوئی تہمت

اور شبہ نہیں رہالہذا یہ شہادت قبول کر لی جائے گی، لیکن امام ابوحنیفہؒ شہادت کو باطل ہی قرار دیتے ہیں جس کی دلیل عبارت آئندہ میں بیان کی جارہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

وله انه يثبت لهما ولاية الحفظ وولاية بيع المنقول عند غيبة الوارث فتحققت التهمة بخلاف شهادتهما في غير التركة لانقطاع ولاية وصي الاب عنه لان الميت اقامه مقام نفسه في تركته لا في غيرها

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے لئے حفاظت کی ولایت اور منقول کو بیچنے کی ولایت ہے وارث کے غائب ہونے کے وقت پس تہمت متحقق ہوگی بخلاف ان دونوں کی شہادت کے غیر ترکہ میں باپ کے وصی کی ولایت کے منقطع ہونے کی وجہ سے غیر ترکہ سے اس لئے کہ میت نے اس کو اپنے قائم مقام اپنے ترکہ میں کیا ہے نہ کہ اپنے ترکہ کے غیر میں۔

تشریح...... یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وارث کبیر کے مال کی حفاظت کی ولایت وصی کو حاصل ہے اور اسی طرح اس کے مال منقول کو بیچنے کی ولایت وصی کو حاصل ہے جب کہ وارث کبیر غائب ہو اور موجود نہ ہو، لہذا تہمت برقرار ہے جو شہادت کے مردود ہونے کو مستلزم ہے البتہ اگر یہ دونوں وصی اس مال کے بارے میں شہادت دیں جو میت کے ترکہ میں سے نہ ہو تو ان کی شہادت مقبول ہے کیونکہ اس مال میں باپ کے وصی کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے اس لئے کہ وصی کے لئے وہ ولایت ثابت ہوگی جو موصی ان کے لئے ثابت کرے گا اور موصی نے وصی کو اپنے قائم مقام بنایا ہے لیکن اپنے ترکہ میں بنایا ہے کسی اور کے مال میں نہیں بنایا، [illegible] اگر یہ دونوں میت کے ترکہ کے علاوہ میں وارث کبیر کے لئے شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

دو شخص دو شخصوں کے لئے میت پر ہزار درہم دین کی گواہی دیں اور دوسرے دو پہلے دو کے بارے میں گواہی دیں تو کس کی شہادت قابل قبول ہے

قال واذا شهد رجلان لرجلين على ميت بدين الف درهم وشهد الاخر ان للاولين بمثل ذالک جازت شهادتهما وان كانت شهادة كل فريق للاخرين بوصية الف درهم لم تجز وهذا قول ابي حنيفةؒ ومحمدؒ قال ابويوسفؒ لا تقبل في الدين ايضا وابوحنيفةؒ فيما ذكر الخصاف مع ابي يوسفؒ وعن ابي يوسفؒ مثل قول محمدؒ

ترجمہ...... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جب کہ دو شخصوں نے دو شخصوں کے لئے میت کے اوپر ہزار درہم قرض کی شہادت دی اور ان دوسروں نے (مشہود لہما نے) دونوں پہلوں کے لئے اس کے مثل کی شہادت دی تو ان دونوں فریق کی شہادت جائز ہے اور اگر ہر فریق کی شہادت دوسروں کے لئے ہزار درہم کی وصیت کے بارے میں ہو تو شہادت جائز نہیں ہے اور یہ ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کا قول ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قرض میں بھی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور ابوحنیفہ اس روایت کے مطابق جس کو خصاف نے ذکر کیا ہے ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اور ابو یوسفؒ سے محمدؒ کے قول کے مثل منقول ہے۔

تشریح...... زید کا انتقال ہو گیا بعد انتقالِ زید خالد اور بکر نے یہ گواہی دی کہ زید کے اوپر ساجد اور حامد کے ہزار درہم قرض ہیں اور اسی طرح ساجد اور حامد نے گواہی دی کہ زید کے اوپر خالد اور بکر کے ہزار درہم ہیں تو یہ شہادت جائز ہے اور اگر دونوں فریق میں سے ہر ایک نے دوسرے کے حق میں بجائے قرض کے وصیت کی گواہی دی تو ہر ایک فریق کی شہادت باطل ہے،

خلاصۂ کلام...... یہی شہادت اگر وصیت کے بارے میں ہو تو باطل ہے اور اگر قرض کے بارے میں ہو تو جائز ہے۔ جس کی دلیل بعد میں آ رہی ہے۔

اور وصیت کے اندر شہادت کا عدم قبول تو اجماعی ہے لیکن قرض کے بارے میں قبول شہادت کے اندر اختلاف ہے حضرات طرفینؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور قبول شہادت کے قائل ہیں۔

اور امام ابو یوسفؒ قرض کے اندر قبولیت شہادت کے قائل نہیں ہیں پھر اس بارے میں امام محمدؒ سے صرف ایک روایت ہے یعنی قبول شہادت فی الدین کا جواز اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے دو دو روایتیں ہیں امام صاحبؒ کی ایک روایت امام محمدؒ کے ساتھ یعنی جواز قبول اور دوسری روایت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے یعنی عدم جواز قبول، اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ سے بھی دو روایتیں ہیں ایک تو یہی جو مذکور ہے یعنی عدم قبول، اور دوسری روایت امام محمد کے ساتھ یعنی جواز قبول، یہی مصنفؒ کی عبارت مذکورہ کا ماحصل ہے۔

قبول شہادت کی دلیل

وجه القبول ان الدين يجب في الذمة و هي قابلة الحقوق شتى فلا شركة و لهذا لو تبرع قضاء دين احدهما ليس للاخر حق المشاركة

ترجمہ...... قبولِ شہادت کی دلیل یہ ہے کہ قرض ذمہ میں واجب ہے اور ذمہ حقوق مختلفہ کو قبول کرتا ہے تو شرکت نہیں ہے اسی وجہ سے اگر کسی اجنبی نے ان دونوں فریق میں سے ایک کے قرض کو ادا کرنے کا تبرع کیا تو دوسرے کے لئے مشارکت کا حق نہیں ہے۔

تشریح...... قرض کے بارے میں اگر دونوں فریق میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں شہادت دے تو اس میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے ایک روایت قبول شہادت کی ہے اور دوسری روایت عدم قبول شہادت کی ہے۔

اب مصنفؒ دونوں روایتوں کی دلیل بیان فرماتے ہیں اولاً قبول شہادت کی دلیل بیان کریں گے اور ثانیاً عدم قبول شہادت کی، دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ جہاں کسی مال میں دونوں فریق کا اشتراک ثابت ہو جائے گا تو وہاں شہادت باطل ہوگی اور اگر اشتراک نہ ہو تو شہادت باطل نہ ہوگی۔

اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر زید زندہ ہو اور دونوں فریق نے حسب سابق زید کے اوپر ہزار درہم قرض کی گواہی دی تو یہ گواہی قبول ہوگی کیونکہ جب زید زندہ ہے تو قرض کا تعلق زید کے ذمہ سے ہے نہ کہ زید کے مال عین کے ساتھ لہذا اگر زید کا مال ہلاک ہو جائے تو قرض پھر بھی بدستور قائم رہے گا جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ دین واجب فی الذمہ ہوتا ہے مال عین میں واجب نہیں ہوتا۔

اور وصیت واجب فی الذمہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق عین ترکہ کے ساتھ ہوتا ہے تو وصیت کے اندر اشتراک کا پہلو ہے جو مبطل شہادت ہے اور قرض کے اندر اشتراک نہیں ہے لہٰذا یہاں شہادت قبول کر لی جائے گی تو مصنفؒ نے فرمایا کہ دین واجب فی الذمہ ہوتا ہے اور ذمہ ایسی چیز ہے جو حقوق مختلفہ کو اشتراک کے بغیر قبول کر لیتا ہے تو یہاں شرکت ثابت نہ ہوگی تو شہادت خود شاہد کے لئے نہ ہوگی بلکہ مشہود لہٗ کے لئے ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی اجنبی نے تبرعاً زید کی جانب سے فقط ایک فریق کا قرض ادا کر دیا تو یہ اسی فریق کا ہوگا دوسرے فریق کو اس میں مشارکت کا حق نہ ہوگا۔

عدم قبول شہادت کی دلیل

وجه الردان الدين بالموت يتعلق بالتركة اذا لذمة خربت بالموت ولهٰذا لو استوفى احدهماحقه من التركة يشاركه الاخر فيه فكانت الشهادة مثبتة حق الشركة فتحققت التهمة بخلاف حال حيوة المديون لانه فى الذمة لبقائها لا فى المال فلا يتحقق الشركة

ترجمہ۔۔۔ شہادت کے رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرض موت کی وجہ سے ترکہ سے متعلق ہو جاتا ہے اس لئے کہ ذمہ موت کی وجہ سے خراب اور برباد ہو گیا اسی وجہ سے اگر فریقین میں سے ایک نے ترکہ میں سے اپنا حق وصول کر لیا تو اس مال میں دوسرا فریق اس فریق کا شریک ہوگا تو شہادت حق شرکت کرنے والی ہوگی تو تہمت متحقق ہوگئی بخلاف مدیون کی زندگی کی حالت کے اس لئے کہ دین ذمہ میں ہے ذمہ کے باقی رہنے کی وجہ سے نہ کہ مال میں تو شرکت متحقق نہ ہوگی۔

تشریح۔۔۔ رد روایت یعنی عدم قبول شہادت کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب زید کا انتقال ہو گیا تو اب قرض کا تعلق ذمۂ زید سے نہیں رہا بلکہ زید کے ترکہ سے ہو گیا اس لئے کہ زید کی موت کی وجہ سے زید کا ذمہ خراب ہو چکا ہے جو وجوب کو برداشت کرنے کا اہل نہیں رہا، اور جب قرض کا تعلق ذمہ سے نہیں رہا بلکہ ترکہ سے ہو گیا تو شرکت ثابت ہوگی جیسے وصیت میں ہوا کرتی ہے اور جب شرکت ثابت ہوگئی تو تہمت کے ثابت ہو جانے کی وجہ سے شہادت نا قابل قبول ہوگی۔

اور یہاں شرکت کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک فریق نے ترکہ میں سے اپنا حق لے لیا تو اس میں دوسرا فریق بھی شریک ہوگا، بخلاف اس صورت کے جب کہ زید زندہ تھا اس لئے کہ اس وقت اس کا ذمہ باقی تھا تو قرض کا تعلق زید کے ذمہ سے تھا نہ کہ زید کے مال سے تو وہاں شرکت متحقق نہ ہوگی اس وجہ سے وہاں بالاتفاق قبول شہادت کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

دو شخصوں نے دو شخصوں کے لئے باندی کی وصیت پر گواہی دی اور دوسرے دو نے پہلے دو کے حق میں گواہی دی تو کس کی گواہی معتبر ہوگی

قال ولو شهدا انه اوصى لهٰذين الرجلين بجاريته و شهد المشهود لهما ان الميت اوصى للشاهدين بعبده جازت الشهادة بالاتفاق لانه لاشركة فلا تهمة

ترجمہ۔۔۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور اگر دو شخصوں نے گواہی دی کہ میت نے ان دونوں کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے گواہی دی کہ میت نے دونوں گواہوں کے لئے اپنے غلام کی وصیت کی ہے تو بالاتفاق شہادت جائز ہے اس لئے کہ کوئی

شرکت نہیں پس کوئی تہمت نہیں ہے۔

تشریح ...... حسب سابق دو فریق ہیں ایک فریق نے گواہی دی کہ میت نے اس فریق کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی ہے اور اس دوسرے فریق نے اول کے لئے گواہی دی کہ میت نے اس کے لئے اپنے غلام کی وصیت کی ہے تو یہاں وصیت ہونے کے باوجود یہ شہادت جائز ہے اس لئے کہ ایک فریق کے لئے باندی ہے اور دوسرے کے لئے غلام ہے تو شرکت ختم ہے اور جب شرکت نہیں ہے تو تہمت بھی ندارد ہے لہذا شہادت جائز ہے۔

دو مردوں نے دو مردوں کے حق میں ثلث مال وصیت کی گواہی دی اور دوسرے دو نے پہلے کے حق میں یہی گواہی دی تو کس کی گواہی قابل قبول ہے

ولو شهدا انه اوصى لهذين الرجلين بثلث ماله و شهد المشهود لهما انه اوصى للشاهدين بثلث ماله فالشهادة باطلة و كذا اذا شهد الاولان ان الميت اوصى لهذين الرجلين بالعبد و شهد المشهود لهما انه اوصى للاولين بثلث ماله فهي باطلة لان الشهادة في هذه الصورة مثبتة للشركة

ترجمہ ...... اور اگر دو شخصوں نے گواہی دی کہ اس نے ان دونوں مردوں کے لئے اپنے مال کے ثلث کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے شہادت دی کہ میت نے ان دونوں گواہوں کے لئے اپنے مال کے ثلث کی وصیت کی ہے تو شہادت باطل ہے اور ایسے ہی جب کہ پہلے دونوں نے گواہی دی کہ میت نے ان دونوں مردوں کے لئے غلام کی وصیت کی ہے اور مشہو[illegible] نے گواہی دی کہ میت نے ان دونوں مردوں کے لئے غلام کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے گواہی دی کہ میت نے اولین کے لئے اپنے مال کے ثلث [illegible] کی ہے تو یہ شہادت باطل ہے اس لئے کہ اس صورت میں شہادت شرکت کو ثابت کرنے والی ہے۔

تشریح ...... ماقبل میں اصول گذر چکا ہے کہ جہاں شہادت شرکت کو ثابت کرے گی وہ شہادت باطل ہوگی لہذا اسی اصول کے مطابق دو جزیئے پیش فرمائے جارہے ہیں۔

۱- گواہوں کے ایک فریق نے یہ گواہی دی کہ میت نے دوسرے فریق کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی ہے اور دوسرے فریق نے اول فریق کے لئے گواہی دی کہ میت نے اس کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی ہے تو چونکہ اس شہادت میں شرکت کا اثبات ہے اس لئے یہ شہادت باطل ہے۔

۲- فریق اول نے شہادت دی کہ میت نے فریق ثانی کے لئے اپنے غلام کی وصیت کی ہے اور فریق ثانی نے شہادت دی کہ میت نے فریق اول کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی ہے تو یہ شہادت بھی باطل ہوگی کیونکہ یہ غلام بھی ثلث ہی میں داخل ہوگا۔ اسلئے شرکت ثابت ہوگئی اور جو شہادت مثبت شرکت ہو وہ باطل ہے۔

کتاب الخنثیٰ

ترجمہ...... یہ کتاب خنثیٰ کے بیان میں ہے

تشریح...... اصل تو یہ ہے کہ انسان کے ایک ہی آلہ ہو خواہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ اور دونوں آلوں کا جمع ہونا بہت نادر ہے، لیکن بہر حال کبھی ایسا ہو جاتا ہے اس لئے اس کے بیان کی حاجت پیش آئی۔ اور چونکہ یہ نادر ہے اس لئے اس کو سب سے مؤخر بیان کیا گیا ہے۔

فصل فی بیانہ

ترجمہ...... یہ فصل خنثیٰ کے بیان میں ہے

تشریح...... اس کتاب کے اندر دو فصلیں بیان کی گئی ہیں فصل اول میں خنثیٰ کا بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل سامنے آرہی ہے اور فصل ثانی میں خنثیٰ کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

خنثیٰ کی تعریف

قال و اذا كان للمولود فرج و ذكر فهو خنثىٰ فان كان يبول من الذكر فهو غلام وان كان يبول من الفرج فهو انثى لان النبى عليه السلام سئل عنه كيف يورث فقال من حيث يبول وعن على رضى الله عنه مثله ولان البول من اى عضو كان فهو دلالة على انه هو العضو الاصلي الصحيح والاخر بمنزلة العيب

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جب کہ بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ ہے، پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا ہے اور وہ اگر فرج سے پیشاب کرے تو وہ عورت ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیسے میراث دی جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں سے پیشاب کرے۔ اور علی رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل منقول ہے اور اس لئے کہ پیشاب جس **عضوؔ** سے ہو وہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہی عضو اصلی ہے جو صحیح ہے۔ اور دوسرا عیب کے درجہ میں ہے۔

تشریح...... ایک بچہ ہے جس کے دونوں قسم کے آلے ہیں مردوں جیسا بھی ہے اور عورتوں جیسی شگاف بھی ہے تو اس کو خنثیٰ کہتے ہیں، پھر اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو اس کو لڑکا کہا جائے گا اور عورتوں جیسی شگاف یہ عیب شمار کیا جائے گا۔ اور اگر عورتوں جیسی شرمگاہ سے پیشاب کرے تو اس کو لڑکی کہا جائے گا اور ذکر کو ایسا شمار کریں گے جیسے کسی کو چھ انگلیاں ہوں، جس میں ایک زائد ہوتی ہے۔

دلیل...... اب مصنفؒ اس کی دلیل میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ ایسے شخص کو میراث کیسے دی جائے؟ کیونکہ لڑکے کا حکم اور ہے اور لڑکی کا اور ہے، اب اس کو کیا سمجھا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں سے موتے اسی کا اعتبار کرلو، یعنی اگر یہ ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکوں کی میراث اس کو ملے گی اور فرج سے پیشاب کرے تو لڑکیوں کی میراث اس ملے گی۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے، اور اس اثر کو عبد الرزاق نے مصنف میں فرائض میں بیان کیا ہے۔ پھر وہ جہاں سے پیشاب کرے اس بات کی دلیل ہے کہ اصلی عضو یہی ہے اور یہی عضو صحیح ہے اور دوسرا عیب کے مثل ہے۔

خنثیٰ دونوں راستوں سے پیشاب کرے تو اسبق کا اعتبار ہے

وان بال منهما فالحكم للاسبق كان ذالك دلالة اخرى على انه هو العضو الاصلى

ترجمہ ...... اور اگر وہ مولود ان دونوں سے پیشاب کرے تو حکم اسبق کیلئے ہے، اس لئے کہ یہ دوسری دلیل ہے اس بات پر کہ یہی عضو اصلی ہے۔

تشریح ...... اگر وہ مولود ایسا ہو جو ذکر سے بھی پیشاب کرتا ہے اور فرج سے بھی تو یہ دیکھا جائے کہ پہلے پیشاب کہاں سے نکلتا ہے؟ جہاں سے پہلے پیشاب نکلے تو اسی کا حکم اس پر جاری کر دیا جائے گا۔ گویا سبقت مذکورہ اسباب ترجیح میں سے ہے اس لئے کہ پیشاب کی سبقت اس عضو کی جانب ہوگی جو اس کی اصلی نالی ہے اور اس کے بعد پیشاب کا دوسری جگہ سے نکلنا وہ مرض کی علامت ہے جو نا قابل التفات ہے، نیز جب جس جگہ سے اولاً پیشاب نکلا ہے اس کا کوئی معارض موجود نہیں ہے لہذا اسی کو اصلی پیشاب گاہ کہا جائے گا، اسی کو مصنفؒ نے فرمایا کہ پیشاب کی پیش قدمی یہ دوسری دلیل ہے کہ اسبق میں عضو اصلی ہے۔

دونوں عضو پیش قدمی میں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار ہے یا نہیں ...... اقوال فقہاء

وان كانا فى السبق على السواء [illegible] معتبر بالكثرة عند ابى حنيفة و قالا ينسب الى اكثرهما بولا لانه علامة قوة ذالك [illegible] سوبه عضوا اصليا ولأن للاكثرحكم الكل فى اصول الشرع فيترجح بالكثرة وله ان كثرة الخروج ليس تدل على القوة لانه قد يكون للاتساع فى احدهما و ضيق فى الاخر وان كان يخرج منهما على السواء فهو مشكل بالاتفاق لانه لا مرجح

ترجمہ ...... اور اگر وہ دونوں عضو پیش قدمی میں برابر ہوں تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیشاب کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مولود ان دونوں عضو میں سے زیادہ پیشاب والے کی جانب منسوب کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اس عضو کی قوت کی علامت ہے، اور اس لئے کہ اکثر کیلئے کل کا حکم ہے اصول شرع کے اندر تو کثرت کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خروج کی کثرت قوت پر دلالت نہیں کرتی اس لئے کثرت کبھی کشادہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے ان دونوں میں سے ایک کے اندر اور دوسرے کے اندر تنگی کی وجہ سے اور اگر پیشاب ان دونوں سے برابر نکلتا ہو تو وہ مولود بالاتفاق خنثیٰ مشکل ہے اس لئے کہ کوئی مرجح نہیں ہے۔

تشریح ...... اگر وہ مولود ایسا ہو کہ اس کی دونوں شرمگاہوں سے پیشاب ایک ساتھ نکلتا ہو تو ابھی کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے لہذا اگر کوئی اور علامت مرجح نہ ہو تو اس کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خنثیٰ مشکل کہا جائے گا۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک جب سبقت کے اندر مساوات ہو تو پھر اس کے بعد پیشاب کی قلت و کثرت کو دیکھا جائے گا یعنی یہ دیکھا جائے کہ زیادہ پیشاب ذکر سے نکلتا ہے یا فرج سے جہاں سے زیادہ پیشاب نکلے وہی حکم اس پر جاری کر دیا جائے گا۔

صاحبینؒ کی دلیل...... صاحبینؒ نے دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ للاکثر حکم الکل مشہور قاعدہ ہے۔لہذا کثرت کی وجہ سے ترجیح حاصل ہوگی نیز جس عضو سے زیادہ پیشاب آئے گا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہی عضو قوی اور مضبوط ہے اور یہی عضو اصلی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ پیشاب کی کثرت وقلت پر مدار نہیں رکھا جائے گا۔اسلئے کہ کثرت وقلت کا مدار اسپر نہیں ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ ایک عضو کشادہ ہے اور دوسرا تنگ ہے تو جو کشادہ ہے اس سے پیشاب زیادہ نکل جائے گا اور دوسرے سے کم نکلے گا اور مرد کے ذکر کا سوراخ تنگ ہوتا ہے اور عورت کی شرمگاہ کشادہ ہوتی ہے لہذا پیشاب عورت کی شرمگاہ سے زیادہ نکلے گا۔

بہر حال اگر قلت وکثرت میں بھی برابری اور مساوات ہو تو اب حضرات صاحبینؒ بھی متفق ہیں کہ یہ خنثیٰ مشکل ہے اسلئے کہ یہاں کوئی مرجح نہیں پایا گیا ہے۔

خنثیٰ جب بالغ ہو جائے تو اس پر علامات کے ظہور سے حکم لگایا جائے گا

قال و اذا بلغ الخنثیٰ و خرجت لحيته او وصل الى النساء فهو رجل و كذا اذا احتلم كما يحتلم الرجل او كان له ثدى مستو لان هذه من علامات الذكران

ترجمہ...... قدوریؒ نے فرمایا اور جب خنثیٰ بالغ ہو جائے اور اس کی ڈاڑھی نکل جائے یا وہ عورتوں کی جانب پہنچ جائے تو وہ مرد ہے اور ایسے ہی جبکہ اس کو مرد کی طرح احتلام ہو جائے یا اس کی چھاتی برابر ہو اسلئے کہ یہ مردوں کی علامات میں سے ہیں۔

تشریح...... یہ ساری گفتگو جب ہے جبکہ خنثیٰ بچہ ہو ورنہ بلوغ کے علامات مرجح عموماً پائی جائیں گی۔لہذا انہیں علامات کے مطابق اس پر حکم جاری کر دیا جائے گا۔لہذا اگر بعد بلوغ اس کی ڈاڑھی آ گئی۔یا عورتوں سے وطی کرنے کی قدرت حاصل ہو گئی یا مردوں ہی کی طرح اس کو احتلام ہونے لگا یا اس کی چھاتی مردوں کی چھاتی کی طرح برابر ہے ابھرا نہیں ہے تو چونکہ یہ سب مردوں کی علامات ہیں لہذا اس کو مرد شمار کیا جائے گا۔

عورت کی علامات ظاہر ہوں تو عورت ہونے کا حکم لگے گا

ولو ظهر له ثدى كثدى المرأة او نزل له لبن فى ثديه او حاض اوحبل او امكن الوصول اليه من الفرج فهو امرأة لان هذه من علامات النساء وان لم يظهر احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل و كذا اذا تعارضت هذه المعالم

ترجمہ...... اور اگر عورت کی طرح اس کے پستان ظاہر ہو گئے یا اس کی پستانوں میں دودھ اتر آیا یا اس کو حیض آ گیا یا اس کو حمل رہ گیا یا اس کی شرمگاہ تک وصول ممکن ہو گیا تو یہ عورت ہے اسلئے کہ یہ عورتوں کی علامات سے ہیں اور اگر ان علامات میں سے کوئی ظاہر نہ ہوں تو وہ خنثیٰ مشکل ہے اور ایسے ہی جبکہ یہ علامات متعارض ہو جائیں۔

تشریح...... اور اگر کوئی ایسی علامت ظاہر ہو گئی جس کی وجہ سے اس کو عورت کہا جا سکے تو اس کو عورت کہا جائے گا، مثلاً اس کی پستان عورتوں کی پستانوں کے مثل، ابھر گئیں یا اس کی پستانوں میں دودھ آ گیا یا اس کو حیض آ گیا یا اس کو حمل ٹھہر گیا یا اس کی شرمگاہ میں وطی کرنا ممکن ہو تو وہ عورت ہے اسلئے کہ یہ تمام مذکورات عورتوں کی علامات ہیں اور اگر بعد بلوغ ایسی کوئی علامات مرجحہ ظاہر نہ ہو یا

متعارض علامات ظاہر ہوں، مثلاً سینہ ابھر گیا اور ڈاڑھی آ گئی وغیرہ وغیرہ تو اب اس کو بالاتفاق خنثیٰ مشکل کہا جائے گا۔

خنثیٰ مشکل کے احکام کا بیان، اس باب کا قاعدہ کلیہ

فصل فی احکامه الاصل فی الخنثیٰ المشکل ان یوخذ فیه بالاحوط والاوثق فی امور الدین وان لا یحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوته

ترجمہ ...... یہ فصل خنثیٰ کے احکام کے بیان میں، خنثیٰ مشکل کے اندر اصل یہ ہے کہ اس میں دین کے امور کے بارے میں احوط اور اوثق پر عمل کیا جائے اور ایسے حکم کے ثبوت کا حکم نہ دیا جائے۔ جس سے ثبوت میں شک واقع ہو۔

تشریح ...... اس فصل کے اندر مصنف خنثیٰ مشکل کے احکام بیان کریں گے۔ اولاً اس میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ خنثیٰ کے متعلق یہ اصول ذہن نشین رکھا جائے کہ اس میں امور دین کے اندر احوط اور اوثق اور مضبوط صورت پر عمل کیا جائے گا اور جو حکم ایسا ہو کہ جس کے ثبوت میں ابھی شک ہو اس کے ثبوت کا حکم جاری نہیں کیا جائے گا۔

جماعت کی نماز میں خنثیٰ کہاں کھڑا ہو

قال و اذا وقف خلف الامام قام بین صف الرجال والنساء لاحتمال انه امرأة فلا یتخلل الرجال کیلا تفسد صلاتهم ولاالنساء لاحتمال انه رجل فیفسد صلاته

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا اور [illegible] خنثیٰ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اس بات کے احتمال کی وجہ [illegible] ہو مردوں کے درمیان میں نہ ہو تا کہ مردوں کی نماز فاسد نہ ہو جائے اور نہ عورتوں کے درمیان گھسے اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ مرد ہو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح ...... جماعت کی نماز پڑھتے وقت خنثیٰ کہاں کھڑا ہو تو فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور اگر وہ واقعۃً عورت ہو تو اسکے مردوں کے درمیان کھڑا ہونے کی صورت میں جبکہ امام اس کی امامت کی نیت کرتا تو ان مردوں کی نماز فاسد ہو جاتی جو اس کے دائیں اور بائیں جانب ہیں اور جو اس کے پیچھے اسکے مقابل میں ہے۔

تو اگر چہ یہاں وہ عورت نہیں لیکن عورت ہونے کا احتمال ہے لہٰذا احوط طریقہ پر عمل کیا جائے اور نہ وہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرد ہو اور اگر یہ واقعی مرد ہوتا اور عورتوں کی صف میں کھڑا ہوتا تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی، لہٰذا احوط واوثق یہی طریقہ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

خنثیٰ مشکل عورتوں کی صف میں کھڑا ہو جائے تو کیا حکم ہے

فان قام فی صف النساء فاحب الی ان یعید صلاته لاحتمال انه رجل وان قام فی صف الرجال فصلاته تامة و یعید الذی عن یمینه وعن یساره والذی خلف بحذائه صلاتهم احتیاطا لاحتمال انه امرأة

ترجمہ..... پس خنثیٰ اگر عورتوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ خنثیٰ اپنی نماز کا اعادہ کرے اس کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے اور اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز تام ہے اور وہ لوگ اپنی نمازوں کا اعادہ کریں گے جو اسکی دائیں جانب اور بائیں جانب اور اسکے مقابل اس کے پیچھے ہیں بناء بر احتیاط اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو۔

تشریح..... اگر خنثیٰ مشکل عورتوں کی صف میں کھڑا ہو جائے تو پسندیدہ امر یہ ہے کہ یہ اپنی نماز کا اعادہ کرے اسلئے کہ اس کے مرد ہونے کا احتمال ہے اور اگر یہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز تو پوری ہو گئی لیکن احتیاطاً وہ لوگ اپنی نماز کا اعادہ کریں گے جو اس کی دائیں جانب اور بائیں جانب یا اس کے بالمقابل اس کے پیچھے ہیں اسلئے کہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے۔

بالغ خنثیٰ نماز اوڑھنی کے ساتھ پڑھے اور اس کیلئے نماز میں بیٹھنے کا طریقہ

قال واحب الينا ان يصلى بقناع لانه يحتمل انه امرأة و يجلس فى صلاته جلوس المرأة لانه ان كان رجلا فقد ترك سنة وهو جائز فى الجملة وان كان امرأة فقد ارتكب مكروها لان الستر على النساء واجب ما امكن وان صلى بغير قناع امرته ان يعيد لاحتمال انه امراة وهو على الاستحباب وان لم يعد اجزأه

ترجمہ..... محمدؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے اور میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ خنثیٰ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے اس لئے کہ احتمال ہے کہ وہ عورت ہو اور خنثیٰ اپنی نماز میں عورتوں کی طرح بیٹھے۔ اسلئے کہ اگر وہ مرد ہو تو اس نے ایک سنت کو چھوڑا ہے اور یہ ترک سنت فی الجملہ جائز ہے اور اگر وہ عورت ہو تو اس نے ایک مکروہ کا ارتکاب کیا ہے اسلئے کہ عورتوں پر جہاں تک ممکن ہو ستر واجب ہے اور اگر بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھی تو میں اس کو حکم دوں گا کہ اعادہ کرے اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو اور یہ (اعادہ کا حکم) استحباباً ہے اور اگر اس نے اعادہ نہ کیا تو اس کی نماز اس کو کفایت کرے گی۔

تشریح..... اگر خنثیٰ بالغ ہو تو اس کیلئے واجب ہے کہ وہ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے اور اگر اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھی تو اعادہ واجب ہوگا لیکن اگر خنثیٰ بالغ نہ ہوا ہو بلکہ مراہق ہو تو اس کا حکم یہ ہے جو یہاں مذکور ہے یعنی امام محمدؒ نے مبسوط میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ چونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے اس وجہ سے پسندیدہ ہے کہ وہ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے اور جب نماز میں بیٹھے تو عورتوں کی طرح بیٹھے اسلئے کہ اگر وہ مرد ہوا تو اس نے بیٹھنے کی ایک سنت کو ترک کر دیا اور ترک سنت اہون ہے ارتکاب مکروہ تحریمی سے اور عورتوں کا مردوں کی طرح بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ عورتوں پر واجب ہے کہ جہاں تک ہو سکے ستر کو اختیار کریں اور عورتوں کی طرح بیٹھنے میں ستر زیادہ ہے۔ لہٰذا اس طریقہ کو اختیار کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس نے بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھی تو استحباباً اس کو اعادہ کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے اور اگر اس نے اعادہ نہیں کیا تو نماز جو ادا کی ہے وہ کافی ہے۔

تنبیہ..... لیکن یہ حکم مراہق کا ہے اور اگر خنثیٰ بالغ ہو تو اس پر اعادہ صلوٰۃ واجب ہے۔

خنثیٰ مشکل کے ختنے کا طریقہ کار

و تبتاع لہ امۃ تختنہ ان کان لہ مال لانہ یباح لمملوکتہ النظر الیہ رجلاً کان او امرأۃ و یکرہ ان یختنہ رجل لانہ عساہ انثی أو تختنہ امرأۃ لانہ لعلہ رجل فکان الاحتیاط فیما قلنا ان لم یکن لہ مال ابتاع لہ الامام امۃ من بیت المال لانہ اعد لنوائب المسلمین فاذا اختتنہ باعھا و رد ثمنھا فی بیت المال لوقوع الاستغناء عنھا

ترجمہ ...... اور اس کیلئے ایک باندی خریدی جائے جو اس کی ختنہ کرے اگر اس کیلئے مال ہو اسلئے کہ اس کی مملوکہ کیلئے جائز ہے اس کی جانب دیکھنا وہ مرد ہو یا عورت اور مکروہ ہے کہ اس کی ختنہ کوئی مرد کرے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو یا اس کی ختنہ کوئی عورت کرے اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرد ہو تو احتیاط اسی میں ہے جو ہم نے کہا ہے اور اگر اس کیلئے مال نہ ہو تو امام اس کیلئے بیت المال سے ایک باندی خریدے اسلئے کہ بیت المال مسلمانوں کی ضروریات کیلئے ہے پس جب اس نے اس کی ختنہ کردی تو امام اس کو فروخت کردے اور اس کے ثمن کو بیت المال میں واپس کردے باندی سے استغناء واقع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح ...... اور اگر خنثیٰ مشکل کی ختنہ نہیں ہوئی اور وہ مراہق یا بالغ ہوگیا ہے تو چونکہ اس کی ختنہ نہ کوئی مرد کرسکتا ہے اور نہ عورت اسلئے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرد ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو۔ لہٰذا اگر اس کے پاس مال ہو تو ایک باندی خریدی جائے جو اس کی ختنہ کردے اور اگر اس کے باپ کے پاس مال موجود ہے تو اس میں سے باندی خریدی جائے اور وہ باندی اس کی ختنہ کردے کیونکہ وہ باندی اس کی مملوکہ ہے اور اگر یہ مرد ہو تو اس کی مملوکہ کیلئے اس کو دیکھنا جائز ہے اور اگر یہ عورت ہو تو اس کی مملوکہ بوقتِ ضرورت وعذر اس کی طرف دیکھ سکتی ہے۔

اور اگر اس کے پاس یا اس کے باپ کے پاس مال نہ ہو تو پھر امام بیت المال کے مال سے ایک باندی خریدے جو اس کی ختنہ کردے اور جب وہ ختنہ کردے تو امام اس باندی کو فروخت کرکے اس کا ثمن بیت المال میں واپس کردے کیونکہ اس باندی سے استغناء ہو چکا ہے اور بیت المال سے باندی خریدنے کا حکم اسلئے ہے کہ بیت المال حوائج مسلمین کیلئے مہیا کیا گیا ہے۔

خنثیٰ مشکل کیلئے زیورات، ریشم پہننے، مردوں یا عورتوں کے سامنے بدن کھولنے، غیر محرم مردوں یا عورتوں کے ساتھ خلوت اور غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرنے کے احکام

و یکرہ لہ فی حیاتہ لبس الحلی و الحریر و ان ینکشف قدام الرجال او قدام النساء و ان یخلو بہ غیر محرم من رجل او امرأۃ أو یسافر من غیر محرم من الرجال توقیا عن احتمال المحرم و ان احرم و قد راھق قال ابویوسف لا علم لی فی لباسہ لانہ ان کان ذکرا یکرہ لہ لبس المخیط و ان کان انثی یکرہ لہ ترکہ و قال محمدؒ یلبس لباس المرأۃ لان ترک لبس المخیط وھی امرأۃ افحش من لبسہ وھو رجل و لا شیء علیہ لانہ لم یبلغ

ترجمہ ...... اور خنثیٰ کیلئے اپنی زندگی میں زیورات اور ریشم کا پہننا حرام ہے اور مردوں یا عورتوں کے سامنے ننگا ہونا اور یہ کہ اس کے

ساتھ مرد یا عورت جو غیر محرم ہو خلوت کرے یا وہ غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرے حرام کے احتمال سے بچتے ہوئے اور اگر اس نے احرام باندھا حالانکہ وہ مراہق ہے تو ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ لڑکا ہو تو اس کیلئے سلا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے اور اگر وہ عورت ہے تو اس کیلئے اس کا ترک مکروہ ہے (یعنی سلے ہوئے کپڑوں کے پہننے کا ترک مکروہ ہے) اور محمدؒ نے فرمایا کہ وہ عورت کا لباس پہنے گا اسلئے کہ سلے ہوئے کپڑے پہننے کا ترک حالانکہ وہ عورت ہو اس کے سلے ہوئے کپڑے پہننے سے افحش ہے حالانکہ وہ مرد ہو اور اس پر کوئی شی نہیں ہے اسلئے کہ وہ بالغ نہیں ہوا۔

تشریح ...... خنثیٰ مشکل کیلئے زیورات اور ریشم پہننا مکروہ ہے اور خنثیٰ مشکل کیلئے مکروہ ہے کہ وہ مردوں یا عورتوں کے سامنے بدن کھولے اور اس کو غیر محرم مرد یا غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کو غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرنا مکروہ ہے تاکہ حرام سے پرہیز ہو اور اگر خنثیٰ نے احرام باندھا اور وہ ابھی مراہق ہے بالغ نہیں ہوا بلکہ بلوغ کے قریب ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ لڑکا ہو تو اس کو سلا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے اور اگر وہ لڑکی ہے تو اس کو یہ لباس چھوڑنا مکروہ ہے یعنی امام ابو یوسفؒ نے اس میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ خنثیٰ مشکل کیلئے عورتوں والا لباس رہے گا۔ اسلئے کہ اگر وہ مرد ہو اور احرام میں ہو تو سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے۔ لیکن مرد کیلئے سلا ہوا کپڑا پہننا اتنا افحش نہیں ہے جتنا افحش یہ ہے کہ عورت بغیر سلے ہوئے پہنے لیکن اس پہننے کی وجہ سے بالغ ہونے کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔

بیوی کی طلاق یا باندی کی آزادی کو بچہ کے پیدا ہونے کے ساتھ معلق کیا اگر بچہ خنثیٰ مشکل پیدا ہو تو کیا حکم ہے

ومن حلف بطلاق اوعتاق ان كان اول ولدتلدينه غلاماً فولدت خنثى لم يقع حتى يستبين امر الخنثىٰ لأن الحنث لا يثبت بالشك

ترجمہ ...... اور جس نے طلاق یا عتاق کی قسم کھائی اگر وہ بچہ جس کو تو جنے لڑکا ہو پس اس نے خنثیٰ جنا تو طلاق یا عتاق واقع نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ خنثیٰ کا امر واضح ہو جائے اسلئے کہ حنث شک کی وجہ سے ثابت نہیں ہوتا۔

تشریح ...... زید نے اپنی بیوی یا اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پہلا بچہ لڑکا ہو تو تجھے طلاق یا تو آزاد ہے اور جو بچہ پیدا ہوا وہ خنثیٰ مشکل ہے جس کا ابھی مرد یا عورت ہونا واضح نہیں ہوا تو طلاق یا عتاق واقع نہ ہوگا اسلئے کہ اس کے لڑکا ہونے میں شک ہے اور شک کی وجہ سے آدمی حانث نہیں ہوا کرتا۔

میرا ہر غلام آزاد، میری ہر باندی آزاد کہنے کی صورت میں اگر خنثیٰ ملک میں ہو تو آزاد ہوگا یا نہیں

ولو قال كل عبد لي حر او قال كل امة لي حرة وله مملوك خنثى لم يعتق حتى يستبان امره لما قلنا وان قال القولين جميعاً عتق للتيقن باحد الوصفين لانه ليس بمهمل

ترجمہ...... اور اگر مرد نے کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے یا کہا کہ میری ہر باندی آزاد ہے اور اس کا ایک مملوک ہے جو کہ خنثیٰ ہے تو وہ خنثیٰ آزاد ہوگا یہاں تک کہ اس کا امر واضح ہو جائے اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اگر اس نے دونوں باتیں ایک ساتھ کہی ہوں تو آزاد ہو جائے گا دو وصفوں میں سے ایک کے تیقن کی وجہ سے اس لئے کہ یہ (خنثیٰ) اس سے خالی نہیں ہے۔

تشریح...... زید کا ایک مملوک ہے جو کہ خنثیٰ مشکل ہے جس کا عورت یا مرد ہونا واضح نہیں ہے، اور زید نے یوں کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے تو یہ خنثیٰ آزاد نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا غلام ہونا مشکوک ہے، اسی طرح اگر زید نے یوں کہا کہ میری ہر باندی آزاد ہے تو یہ جب بھی آزاد نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا باندی ہونا بھی مشکوک ہے۔

لیکن اگر مولیٰ نے یوں کہا ہو کہ میرا ہر غلام اور باندی آزاد ہے تو اب مملوک خنثیٰ آزاد ہو جائے گا اس لئے کہ خنثیٰ ان دو وصفوں میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگا یعنی وہ مرد ہوگا یا عورت ہوگی اگر چہ ہمارے سامنے ان میں سے کسی ایک کا ظہور نہیں ہے لیکن عند اللہ وہ ان میں سے کوئی ایک ہے اور تفسیر جلالین میں ہے۔

والخنثیٰ المشکل عند ذکرٌ او انثی عند اللہ یعنی وہ خنثیٰ جو ہمارے نزدیک مشکل ہے وہ مرد یا عورت ہے اللہ کے نزدیک۔

خنثیٰ کا یہ کہنا کہ میں مرد ہوں یا عورت، یہ قول معتبر نہیں

وان قال الخنثی انا رجل او انا امرأة لم یقبل قوله اذا کان مشکلا لانه دعوی یخالف الدلیل و ان لم یکن مشکلا ینبغی ان یقبل قوله لانه اعلم بحاله من غیره

ترجمہ...... اور اگر خنثیٰ [illegible] کہ میں مرد ہوں یا میں عورت ہوں تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ مشکل ہو اس لئے کہ یہ دعویٰ دلیل کے تقاضہ کے خلاف ہے اور اگر وہ مشکل نہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس کا قول قبول کر لیا جائے اس لئے کہ وہ اپنے حال کو اپنے غیر سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تشریح...... اگر کسی خنثیٰ کا مشکل ہونا ظاہر ہو جائے اور وہ خنثیٰ اپنے کو مرد یا عورت کہے تو اس کا یہ دعویٰ مقبول نہ ہوگا اس لئے کہ یہ ایسا دعویٰ ہے جو خلاف دلیل ہے بلکہ دلیل اس کے خلاف کا تقاضہ کرتی ہے اس لئے کہ جب پہلے اس کا خنثیٰ مشکل ہونا یقینی ہو چکا ہے تو یہ محض اس کا دعویٰ ہے جو اس دلیل سابق کے خلاف ہے اس لئے یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا۔

اور اگر علامات کے عدم تعارض کی وجہ سے اس کا خنثیٰ ہونا ظاہر و معلوم نہیں ہوا تھا کہ اس نے دعویٰ کیا کہ میں مرد ہوں یا عورت ہوں تو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اس لئے کہ یہاں اس کا دعویٰ کسی دلیل کے خلاف نہیں اور یہ خنثیٰ اپنے حال میں امین ہے اور اس کے حال کو اس سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اس لئے اس کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا۔

خنثیٰ مشکل فوت ہو جائے تو اسے غسل کون دے گا

وان مات قبل ان یستبین امره لم یغسله رجل ولا امرأة لان حل الغسل غیر ثابت بین الرجال والنساء فیتوفی لاحتمال الحرمة و یتیمم بالصعید لتعذر الغسل

ترجمہ...... اور اگر خنثیٰ مر جائے اس کا امر واضح ہونے سے پہلے تو اس کو نہ مرد غسل دے گا اور نہ عورت اس لئے کہ غسل کا حلال ہونا ثابت

نہیں ہے مردوں اور عورتوں کے درمیان تو اس نے بچا جائے گا حرمت کے احتمال کی وجہ سے اور تیمم کرلیا جائے گا مٹی سے غسل کے متعذر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح...... کسی خنثیٰ مشکل کا انتقال ہوگیا ہوتو جس کے مرد یا عورت ہونے کا انکشاف نہیں ہوا تھا بلکہ اشکال بدستور باقی تھا تو اس کو غسل کون دے گا تو فرمایا کہ اس کو نہ مرد غسل دیں گے اور نہ عورتیں، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت ہو اور یہ حرام ہے کہ مرد عورت کو یا عورت مرد کو غسل دے اور یہاں اس کا احتمال موجود ہے، لہٰذا غسل اس کو کوئی نہیں دے گا البتہ اس کو پاک مٹی سے تیمم پایا جائے گا۔

تنبیہ...... یہاں اس کے لئے باندی نہیں خریدی جائے گی جو اس کو غسل دے سکے جیسے ختنہ کرنے کے لیے باندی خریدی گئی تھی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ یہاں جب خنثیٰ مرگیا تو اس کے اندر مالکیت کی صفت ختم ہوگی ہے کیونکہ موت مالکیت کے منافی ہے یعنی مالکیت جدیدہ اور ختنہ کی صورت میں خنثیٰ زندہ ہے لہٰذا وہ باندی اس کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے۔

میت مرد یا عورت کے غسل کے وقت خنثیٰ بالغ یا مراہق کا حاضر ہونا ممنوع ہے

ولا يحضر ان كان مراهقا غسل رجل ولا امرأة لاحتمال انه ذكر او انثى وان سجى قبره فهو احب لانه ان كان انثى نقيم واجباً وان كان ذكرا فالتسجية لاتضره

ترجمہ...... اور خنثیٰ مراہق ہوتو مرد یا عورت کے غسل میں حاضر نہ ہوگا اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ مرد یا عورت اور اگر اس کی قبر ڈھانپی جائے تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ اگر وہ عورت ہوتو ہم نے ایک واجب کو ادا کردیا اور اگر وہ مرد ہوتو ڈھانپنا اس کو مضر نہیں ہے۔

تشریح...... اگر خنثیٰ مشکل بالغ یا مراہق ہو اور کسی مردہ یا عورت کو غسل دیا جارہا ہے تو یہ کہیں حاضر نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس کے مرد اور عورت دونوں ہونے کا احتمال ہے،

عورتوں کی قبر کو ڈھانپا جاتا ہے تو کیا خنثیٰ مشکل کی قبر کو بھی ڈھانپا جائے گا تو فرمایا کہ ہاں اس کو ڈھانپنا پسندیدہ امر ہے، اس لئے کہ اگر وہ عورت ہوتو ہم نے واجب کو ادا کردیا ہے اور اگر وہ مرد ہوتو اس کی قبر ڈھانپنے سے کوئی نقصان نہیں ہوا، اس لئے کہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً شدت حرارت یا شدت برودت یا بارش ہوتو تو مرد کی قبر کو ڈھانپنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کا خنثیٰ مشکل ہونا ان اعذار مذکورہ سے بڑھا ہوا عذر ہے۔

خنثیٰ مشکل پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اگر اتفاقاً مرد، عورت اور خنثیٰ کا جنازہ حاضر ہوجائے تو رکھنے کی کیا ترتیب ہوگی؟

واذا مات فصلى عليه وعلى رجل و امرأة و ضع الرجل مما يلى الامام والخنثى خلفه والمرأة خلف الخنثى فيؤخر عن الرجل لاحتمال انه امرأة و يقدم على المرأة لاحتمال انه رجل

ترجمہ...... اور جب خنثیٰ مشکل مرجائے پس اس پر اور مرد پر اور عورت پر نماز پڑھی جائے تو مرد کو امام سے متصل رکھا جائے اور خنثیٰ کو اس

کے پیچھے اور عورت کو خنثیٰ کے پیچھے پس خنثیٰ کو مرد سے مؤخر رکھا جائے اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ یہ عورت ہو اور عورت پر مقدم کیا جائے اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ یہ مرد ہو۔

تشریح۔۔۔۔۔ اتفاق سے تین جنازے ایک وقت میں حاضر ہو گئے ان میں سے ایک مرد ہے اور ایک خنثیٰ مشکل ہے اور ایک عورت ہے اور تینوں پر ایک ساتھ نماز پڑھنی ہے تو جنازہ رکھنے میں کیا ترتیب اختیار کی جائے تو فرمایا کہ جس طرح حیات کی حالت میں ان کے درمیان ترتیب تھی ایسے ہی اب بھی وہی ترتیب اختیار کی جائے گی۔

حالت حیات میں جیسے خنثیٰ کی صف درمیان میں تھی ایسے ہی اب بھی درمیان میں ہوگی اور یہاں امام سے متصل مرد کا جنازہ رکھا جائے گا اور پھر خنثیٰ کا اور سب سے پیچھے عورت کا، باقی بات واضح ہے۔

بوجہ عذر ایک قبر میں کئی مردے دفن کرنے پڑ جائیں تو کس ترتیب سے قبر میں رکھا جائے گا

ولو دفن مع رجل في قبر واحد من عذر جعل الخنثى خلف الرجل لاحتمال انه امرأة ويجعل بينهما حاجز من صعيد وان كان مع امرأة قدم الخنثى لاحتمال انه رجل وان كان يجعل على السرير نعش المرأة فهو احب الي لاحتمال انه عورة

ترجمہ۔۔۔۔۔ اور اگر خنثیٰ کو مرد کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا جائے کسی عذر کی وجہ سے تو خنثیٰ مرد کے پیچھے کر دیا جائے گا اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہے اور ان دونوں کے درمیان مٹی کا ایک ڈھیر کر دیا جائے گا اور اگر خنثیٰ عورت کے ساتھ ہو تو خنثیٰ کو مقدم کیا جائے گا اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ مرد ہو اور اگر خنثیٰ کے جنازہ پر عورتوں کی چادر کر دی جائے تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو۔

تشریح۔۔۔۔۔ اگر کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جس کی وجہ سے چند میت ایک قبر میں دفن کرنے پڑ جائیں تو ایسے موقع پر ان میں سے جو شرافت وتکریم کے زیادہ لائق ہو اس کو قبلہ کی جانب میں مقدم رکھا جاتا ہے، لہذا اگر کسی مرد اور خنثیٰ مشکل کو ایک قبر میں دفن کرنے کی حاجت پیش آ جائے تو جانب قبلہ میں پہلے مرد کو رکھیں گے اور خنثیٰ کو مؤخر رکھیں گے اس لئے کہ خنثیٰ کے اندر عورت ہونے کا احتمال ہے، اور اگر خنثیٰ اور کسی عورت کو ایک قبر میں دفن کرنے کا سابقہ پڑ جائے تو جانب قبلہ میں خنثیٰ کو مقدم رکھا جائے گا اس لئے کہ خنثیٰ کے مرد ہونے کا احتمال ہے۔

اور دونوں صورتوں میں ان دونوں کے درمیان مٹی کی ایک آڑ کر دی جائے اور جو چادر عورتوں کی مسہری پر ڈالی جاتی ہے اگر خنثیٰ کی مسہری پر ڈالی جائے تو کیسا ہے، تو فرمایا کہ یہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے۔

خنثیٰ مشکل کو کفن مرد کا دیا جائے گا یا عورت کا

ويكفن كما تكفن الجارية وهو احب الي يعني يكفن في خمسة اثواب لانه اذا كان انثى فقد اقيمت سنة وان كان ذكر افقد زاد على الثلث ولاباس بذالك

ترجمہ۔۔۔۔۔ اور خنثیٰ مشکل کو لڑکی کی طرح کفن دیا جائے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یعنی پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے

اس لئے کہ وہ جب عورت ہوتو سنت کوادا کر دیا گیا اور اگر وہ مرد ہوتو انہوں نے تین کپڑوں پر اضافہ کر دیا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح ...... کفن میں مرد کو تین کپڑے دیئے جاتے ہیں اور عورت کو پانچ کپڑے اور حقیقت میں یہ زندگی کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے کیا ہے کیونکہ عورتیں عموماً زندگی میں پانچ کپڑے پہنتی ہیں اور مرد تین، لہذا جب خنثیٰ مشکل کو کفن دیا جائے تو عورتوں کی طرح پانچ کپڑوں میں کفنایا جائے اس لئے کہ اگر وہ عورت ہوتو کفن کی سنت ادا ہوگئی، اور اگر مرد ہوتو یہ ہوا کہ اس کے کفن میں کچھ اضافہ ہوگیا اور اضافہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کا قیاس زندگی کے لباس پر کیا جاتا ہے اور زندگی میں مرد بھی تین کپڑوں سے زیادہ پہن سکتا ہے، اور اگر وہ عورت ہوتو تین پر اکتفاء کرنا ترک سنت ہے تو احوط یہی ہے کہ پانچ کپڑوں میں اس کو کفنایا جائے۔

خنثیٰ مشکل کو میراث سے کتنا حصہ ملے گا اقوال فقہاء، امام صاحبؒ کا اصول

ولو مات ابوه و خلف ابنا فالمال بينهما عند ابى حنيفة اثلاثا للابن سهمان وللخنثى سهم وهو انثى عنده فى الميراث الا ان يتبين غير ذالك

ترجمہ ...... اور اگر خنثیٰ مشکل کا باپ مر گیا اور اس نے ایک لڑکا چھوڑا (اور ایک یہ خنثیٰ مشکل) تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال ان دونوں کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لئے دو حصے اور خنثیٰ کے لئے ایک حصہ اور خنثیٰ ابوحنیفہؒ کے نزدیک میراث میں عورت ہے مگر یہ کہ اس کا غیر واضح ہو جائے۔

تشریح ...... حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اصول ہے کہ خنثیٰ مشکل کو باب میراث میں عورت سمجھا گیا ہے۔

صاحبینؒ کا مسلک اس کے خلاف ہے جس کی تفصیل ابھی اگلی عبارت میں آرہی ہے لہذا اگر کوئی شخص فوت ہوا اور دو وارث چھوڑے ایک لڑکا اور ایک اپنی اولاد میں سے خنثیٰ مشکل تو چونکہ یہ یہاں عورت کے درجہ میں ہے لہذا کل ترکہ کے تین حصے کر کے اس میں سے ۲/۳ لڑکے کو اور ۱/۳ لڑکی کو یعنی خنثیٰ کو دیئے جائیں گے۔

اور یہ حکم جب ہے کہ خنثیٰ کا اشکال ختم نہ ہوا ہو اور اگر اس کا علامات مرجحہ کی وجہ سے مرد یا عورت ہونا راجح ہو گیا ہے تو پھر اس کا وہی حکم ہوگا جو اس کا ہونا راجح ہو چکا ہے۔

صاحبینؒ کا خنثیٰ مشکل کے میراث کے بارے میں نقطۂ نظر

و قالا للخنثى نصف ميراث ذكر و نصف ميراث انثى وهو قول الشعبىؒ واختلفوا فى قياس قوله قال محمدؒ المال بينهم على اثنى عشر سهما للابن سبعة وللخنثى خمسة و قال ابويوسفؒ المال بينهما على سبعة للابن اربعة وللخنثى ثلثة

ترجمہ ...... اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ خنثیٰ کے لئے مرد کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف ہے اور یہی شعبیؒ کا قول ہے اور فقہاء نے شعبیؒ کے قول کے قیاس کے مطابق تخریج میں اختلاف کیا ہے محمدؒ نے فرمایا کہ مال ان دونوں کے درمیان ۱۲ حصوں پر منقسم ہوگا بیٹے کیلئے سات اور خنثیٰ کے لئے پانچ ہوں گے اور ابویوسفؒ نے فرمایا کہ مال ان کے درمیان سات حصوں پر ہوگا بیٹے کے لئے چار اور

خنثیٰ کے لئے تین ہوں گے۔

تشریح..... حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ خنثیٰ کو وہ ملے گا جو مرد کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف ہو اور یہ حقیقت میں عامر بن شرحبیلؒ کا قول ہے صاحبینؒ نے ان کے قول کا اتباع کیا ہے البتہ پھر طریقۂ تخریج میں اختلاف کثیر ہے لہذا صورت مذکورہ میں کل ترکہ کے ۱۲ سہام کر کے ان میں ۵ خنثیٰ کے ہوں گے اور ۷ بیٹے کے ہوں گے یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں کل ترکہ کے سات سہام کر کے ان میں سے تین خنثیٰ کے اور چار بیٹے کے ہوں گے جس کی تفصیل اور ہر ایک کی دلیل اگلی عبارت میں بیان کی جا رہی ہے، بہرحال امام ابو یوسفؒ کا قول خنثیٰ کے لئے انفع ہے اس لئے کہ $\frac{3}{7}$، $\frac{5}{12}$ سے زیادہ ہے (کمالا یخفی)

تنبیہ..... عامۃ الرواایات میں امام محمدؒ کا وہ قول نقل کیا گیا ہے جو امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے تو یہ روایت عامۃ الروایات کے معارض ہے ممکن ہے کہ امام محمدؒ کا مذہب وہی ہو جو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور یہ بات امام محمدؒ نے شعبیؒ کے قول کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی تخریج کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہی ہو۔

تنبیہ..... یہ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل

لان الابن یستحق کل المیراث عند الانفراد والخنثی ثلثة الارباع فعند الاجتماع یقسم بینهما علی قدر حقیهما هذا یضرب بثلثة و ذالک یضرب باربعة فیکون سبعة

ترجمہ..... اس لئے کہ بیٹا تنہا ہونے کے وقت پوری میراث کا مستحق ہے اور خنثیٰ تین چوتھائی کا تو اجتماع کے وقت مال ان دونوں کے درمیان ان دونوں کے حق کے بقدر تقسیم کیا جائے گا یہ (خنثیٰ) تین کے حساب سے لے گا اور وہ (بیٹا) چار کے تو کل سات ہو جائیں گے۔

تشریح..... یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیٹا جب تنہا ہو تو وہ پورے مال کا مستحق ہوتا ہے اور اگر خنثیٰ تنہا ہو اور کوئی وارث اس کے باپ کا نہ ہو تو یہ $\frac{3}{4}$ کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ ماقبل میں اصول بیان کیا گیا ہے کہ خنثیٰ کو لڑکے کی میراث کا نصف اور لڑکی کی میراث کا نصف ملیگا جس کا مجموعہ $\frac{3}{4}$ ہوتا ہے، اس لئے کہ لڑکے کی میراث کل ہے یعنی اگر چار حصے ہوں تو سب حصے بیٹے کے ہوں گے تو اس کا نصف ہوا $\frac{2}{4}$ اور لڑکی کی میراث کل $\frac{2}{4}$ ہے جس کا نصف ہے $\frac{1}{4}$ اور جب $\frac{2}{4}$ اور $\frac{1}{4}$ کو جوڑا جائے گا تو اس کا مجموعہ ہوگا $\frac{3}{4}$ تو خنثیٰ کی کل میراث $\frac{3}{4}$ ہے اور بیٹے کی میراث چاروں کے چاروں ہیں تو جب بیٹا اور خنثیٰ دونوں جمع ہو جائیں تو ہم نے اسی حساب سے کل ترکہ تقسیم کر دیا تو اس کا مجموعہ سات ہو گیا تو ہم نے کہا کہ لڑکے کو $\frac{4}{7}$ اور خنثیٰ کو $\frac{3}{7}$ دیا جائے گا یہ امام ابو یوسفؒ کی تخریج ہے اور یہی ان کا مذہب ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل

و لمحمد ان الخنثی لو کان ذکرا یکون المال بینهما نصفین و ان کان انثی یکون المال بینهما اثلاثا احتجنا الی حساب له نصف و ثلث و اقل ذالک ستة ففی حال المال یکون بینهما نصفین لکل واحد منهما

ثلثة و فی حال اثلاثا للخنثی سهمان وللابن اربع فسهمان للخنثی ثابتان بيقين ووقع الشک فی السهم الزائد فينصف فيکون له سهمان ونصف فانکسر فاضعف ليزول الکسر فصار الحساب من اثنی عشر للخنثی خمسة وللابن سبعة

ترجمہ...... اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مرد ہوتا تو مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوتا اور اگر عورت ہوتا تو مال ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں ہوتا تو ہم محتاج ہوئے ایسے حساب (عدد) کی جانب جس کا نصف اور ثلث ہو اور اسمیں سب سے چھوٹا عدد ۶ ہے پس ایک حال میں مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا ان میں سے ہر ایک کو ۳ ملیں گے اور ایک حال میں تین حصے کر کے خنثیٰ کے لئے دو حصے اور بیٹے کے لئے چار تو خنثیٰ کے لئے دو سہم بالیقین ثابت ہیں اور سہم زائد میں شک واقع ہو گیا تو اس کو آدھا آدھا کر دیا جائے گا تو خنثیٰ کے لئے دو حصے اور نصف ہوا تو اس میں کسر واقع ہوگئی تو مخرج کو دو چند کیا جائے گا تا کہ کسر واقع ہو جائے تو حساب بارہ سے ہوگا خنثیٰ کے لئے ۵ اور بیٹے کے لئے ۷۔

تشریح...... یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خنثیٰ کو لڑکے کی میراث کا نصف اور لڑکی کی میراث کا نصف ملتا ہے تو ہم نے ایسا عدد جس میں صحیح غیر منکسر ثلث اور نصف نکل جائے چھوٹا عدد ۶ کو لیا تو اب ہم نے اس میں غور کیا کہ اگر خنثیٰ مرد ہوتا تو اس کو نصف ۶ میں سے تین ملتے لہذا تین کا نصف $\frac{1}{2}$ ۱ محفوظ رکھا گیا، اور اگر یہ لڑکی ہوتی تو اس کو ۶ کا ثلث یعنی دو ملتے تو اس کا نصف یعنی ایک محفوظ رکھا گیا ہے جس کا مجموعہ $\frac{1}{2}$ ۲ ہو گیا اور دوسری طرف $\frac{1}{2}$ ۳ ہو گیا تو خنثیٰ کے لئے دو تو پورے ہیں البتہ تیسرے میں شک تھا کہ اس کو ملے یا نہ ملے چونکہ یہ لڑکا نہیں ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ ایک زائد اس کو نہ ملے ورنہ دونوں کی مساوات لازم آئے گی حالانکہ یہ لڑکی بھی نہیں ہے تو اس کو کل ترکہ کا ثلث یعنی دو بھی نہ ملنے چاہئیں بلکہ زیادہ ملنا چاہیے لہذا ہم نے اس ایک کی تنصیف کر دی اور اس کا آدھا اس کو دیدیا اور دوسرا آدھا لڑکے کو دیدیا تو خنثیٰ کے لئے $\frac{1}{2}$ ۲ ہو گیا اور لڑکے کے لئے $\frac{1}{2}$ ۳ ہو گیا۔

لیکن دونوں کے سہام میں کسر واقع ہو رہی ہے لہذا کسر کو اٹھا کر اصل مخرج ۶ میں ضرب دی گئی تو اب مجموعہ بارہ ہو گیا اور ہر وارث کے حصے ڈبل ہو گئے لہذا خنثیٰ کے لئے پانچ ہو گئے اور بیٹے کے لئے سات ہو گئے یعنی خنثیٰ کے لئے $\frac{5}{12}$ اور لڑکے کے لئے $\frac{7}{12}$ ہو گئے یہ امام محمدؒ کے قول کے مطابق مسئلہ کی تخریج اور اس کی دلیل ہے اور کسر کو بسیط بنانے کا طریقہ اور حساب کے طریقے ہم اپنی کتاب درس سراجی میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

ولابی حنيفة ان الحاجة ههنا إلی اثبات المال ابتداء والاقل وهو ميراث الانثی متيقن به و فيما زاد عليه شک فاثبتنا المتيقن به قصراً عليه لان المال لايجب بالشک و صار کما اذا کان الشک فی وجوب المال بسبب اخر فانه يوخذ فيه بالمتيقن به کذا هذا

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ابتداء مال کے ثابت کرنے کی حاجت ہے اور اقل مقدار جو لڑکی کی میراث ہے وہ متیقن بہ ہے اور اس مقدار میں جو اس سے زیادہ ہو شک ہے کہ ہم نے متیقن بہ کو ثابت کر دیا ہے اقل پر قصر کرتے ہوئے اس لئے کہ مال شک کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا اور ایسا ہو گیا جیسے جب کہ کسی دوسرے سبب سے وجوب مال میں شک ہو اس لئے کہ اس میں بھی متیقن بہ کو لیا جاتا

ہے ایسے ہی یہ۔

تشریح ...... امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے دلائل سے فراغت کے بعد اب مصنفؒ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداء مال کے اثبات کے وقت امر متیقن پر عمل کیا جاتا ہے اور متیقن اقل مقدار ہے، اور لڑکی کی میراث کم ہوتی ہے اس لئے وہی متیقن ہے اور اس سے زیادہ میں شک ہے اور شک کی وجہ سے مال واجب نہیں ہوتا جیسے اگر دوسرے ذرائع سے وجوب مال میں شک ہو جائے تو وہاں بھی اقل و متیقن کو لیا جاتا ہے

مثلاً کسی نے کہا کہ لفلان علی دراھم اور کتنے دراہم ہیں اس کو بیان کرنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر اقل مقدار واجب ہو گا اور جمع کی اقل مقدار تین ہے لہذا تین دراہم واجب ہوں گے تو اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی اس اصول کے پیش نظر اقل متیقن کو واجب کیا جائے گا اور وہ مال کا ثلث ہے۔

امام صاحب کے ہاں اقل و متیقن پر بنیاد رکھی گئی

الا ان یکون نصیبه الاقل لو قدرناه ذکرا فحینئذ یعطی نصیب الابن فی تلک الصورة لکونه متیقنابه وهو ان یکون الورثة زوجاً واما واختالاب وام هی خنثی او امرأة واخوین لام واختالاب وام هی خنثی فعندنا فی الاول للزوج النصف وللام الثلث والباقی للخنثی و فی الثانیة للمرأة الربع وللاخوین لام الثلث والباقی للخنثی لانه اقل النصیبین فیهما واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ...... مگر یہ کہ خنثیٰ کا حصہ [illegible] ہو اگر ہم اس کو مرد فرض کریں تو اس صورت میں اس کو مرد کا حصہ دیا جائے گا اس کے یقینی ہونے کی وجہ سے اور وہ یہ ہے کہ ورثا شوہر اور ماں اور حقیقی بہن ہو یہی خنثیٰ ہو یا بیوی اور دو اخیافی بھائی اور ایک حقیقی بہن ہو یہی خنثیٰ ہو تو ہمارے نزدیک پہلی صورت میں شوہر کیلئے نصف اور ماں کے لئے ثلث اور باقی خنثیٰ کے لئے ہے اور دوسری صورت میں بیوی کیلئے ربع اور دو اخیافی بھائیوں کے لئے ثلث ہے اور باقی خنثیٰ کے لئے ہے اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں یہی دونوں حصوں میں سے کم ہے واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح ...... امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل و متیقن ہونے پر بنیاد رکھی گئی ہے، لہذا اگر کچھ صورتیں ایسی ہوں جن میں خنثیٰ کو مرد سمجھنے کی وجہ سے حصہ کم ملتا ہو اور عورت سمجھنے کی وجہ سے حصہ زیادہ ملتا ہو تو اقل و متیقن پر مدار ہونے کی وجہ سے مردوں والا حصہ جو کم ہے خنثیٰ کو دیا جائے گا جس کی دو مثالیں مصنفؒ پیش فرما رہے ہیں۔

ایک مثال یہ ہے جس کو مصنفؒ نے بیان نہیں کیا ہے۔

۶
میت

زوج	حقیقی بہن	اخت علاتی خنثیٰ
۳	۳	محروم

صورت مذکورہ میں خالدہ کا انتقال ہوا اور اس نے مذکورہ وارث چھوڑے اگر خنثیٰ کو مرد سمجھا جائے یعنی علاتی بھائی تو اس کے لئے

کچھ نہیں بچتا لہٰذا اس کو بھائی سمجھ کر محروم قرار دیا جائے گا اور کل مال کے ٦ سہام کر کے شوہر کو ٣ اور حقیقی بہن کو ٣ دیئے جائیں گے۔
اور اگر خنثیٰ کو علاتی بہن کا درجہ دیا جائے تو ثلثین کی تکمیل کے لئے اس کے ئے سدس ہوگا اور ے سے عول ہوگا، تو صورت مذکورہ میں اول طریقہ کو متیقن ہونے کی وجہ سے اختیار کیا جائے گا۔ دوسری مثال جو کتاب میں ہے

٦
میت

زوج	ام	اخت حقیقی خنثیٰ
٣	٢	١

صورت مذکورہ میں خالدہ کا انتقال ہوا اور اس نے مذکورہ ورثا چھوڑے جس میں کل ترکہ کے ٦ سہام کر کے شوہر کو نصف (٣) دیا گیا اور ماں کو ثلث (٢) اور باقی ایک عصبہ ہونے کی وجہ سے خنثیٰ کو دیا گیا ہے یعنی یہاں اس کو بھائی سمجھا گیا ہے چونکہ اس صورت میں اس کو کم حصہ ملتا ہے اس لئے کہ بھائی اصحاب الفرائض میں سے نہیں ہے بلکہ عصبہ ہے۔
اور اگر اس کو بہن سمجھا جائے تو یہ اصحاب الفرائض میں سے ہے اس لئے اس کا حصہ بڑھ جائے گا اور مسئلہ کی صورت بدل جائے گی یعنی مسئلہ ایسے ہوگا۔

٦ ع ٨
میت

زوج	ام	اخت حقیقی خنثیٰ
٣	٢	٣

یعنی شوہر کو ٣ اور ماں کو ثلث یعنی ٢ اور حقیقی بہن کو نصف یعنی ٣ لہٰذا مسئلہ ٨ سے عول ہوا۔
تیسری مثال:-

١٢
میت

زوجہ	دو اخیافی بھائی	اخت حقیقی خنثیٰ
٣	٤	٥

صورت مذکورہ میں خنثیٰ کو بھائی کا درجہ دیا گیا ہے اور ماقبی مال اس کو دیا گیا ہے کیونکہ زوجہ کے لئے ربع ہے اور اولاد ام کے لئے ثلث اور ماقبی عصبہ ہونے کی وجہ سے بھائی کا ہوگا اور مسئلہ کی تخریج ١٢ سے ہوگی۔
اور $\frac{٥}{١٢}$ کم ہے $\frac{٦}{١٣}$ سے لہٰذا یہ صورت اختیار کر لی گئی ورنہ اگر اس کو بہن سمجھا جاتا تو اس کو $\frac{٦}{١٣}$ ملتا اور اس کا حصہ بڑھ جاتا اور اس کو اقل دینا ہے لہٰذا یہ صورت اختیار کی گئی ہے ورنہ اس کو بہن ماننے کی صورت میں مسئلہ کی صورت ایسے ہوگی۔

۱۲ عــــــ۱۳

مســ

زوجہ	دو اخیافی بھائی	اخت حقیقی خنثیٰ
۳	۴	۶

جس کی وجہ ظاہر ہے۔
مسائل کی تخریک کے اصول ہم درس سراجی میں بیان کر چکے ہیں۔

مسائل شتیٰ

متفرق مسائل

تشریح..... شتیٰ شتیت کی جمع بمعنی متفرق، مصنفینؒ کی عادت یہ ہے کہ جو مسائل ایسے ہوں جو قابل ذکر ہوں اور وہ ذکر سے رہ جاتے ہیں تو ان کو مسائل متفرقہ یا مسائل منثورہ یا مسائل شتی کا عنوان دیکر بیان فرماتے ہیں۔

گونگے کی وصیت کا طریقہ

قال و اذا قری علی الاخ[رس] [ک]تاب وصیته فقیل له انشهد علیک بما فی هذا الکتاب فاومی براسه ای نعم او [ک]... [ف]جاء من ذالک ما یعرف انه اقرار فهو جائز ولا یجوز ذالک فی الذی یعتقل لسانه

ترجمہ..... محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جب کہ گونگے پر اس کا وصیت نامہ پڑھا گیا پس اس سے کہا گیا کیا ہم تیرے اوپر اس چیز کے گواہ ہو جائیں جو اس کتاب میں ہے پس اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا یعنی ہاں کی یا اس نے تحریر لکھ دی پس جب اس سے ایسی بات صادر ہو جائے جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ اقرار ہے تو یہ جائز ہے اور یہ اس شخص میں جائز نہیں ہے جس کی زبان بند ہو گئی ہو۔

تشریح..... زید مثلاً گونگا ہے اس نے کسی کے لئے وصیت کی اور وصیت نامہ لکھا جس کو لوگوں نے زید کے سامنے پڑھا اور لوگوں نے کہا کہ ہم اس وصیت پر گواہ ہو جائیں اس نے اپنے اشارہ سے مثبت پہلو میں جواب دیا یعنی طول میں سر ہلایا جس کا مطلب ہوتا ہے ہاں، تو یہ جائز ہے اور اگر وہ گونگا نہ ہو لیکن اتفاق سے کسی عارض کی وجہ سے اس کی زبان بند ہو گئی پہلے بولتا تھا اب کسی وجہ سے بند ہو گئی تو یہ اخرس کے درجہ میں نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر گونگے نے عرض میں سر ہلایا تو یہ اشارہ ہاں نہیں ہے بلکہ نہیں ہے تو اس کی وصیت نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس کو اقرار نہیں کہا جائے گا۔

یہ جو بیان کیا گیا ہے ہمارا مسلک ہے اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے جس کا بیان اگلی عبارت میں آرہا ہے۔

اخرس اور جس کی زبان رک گئی کے بارے میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

و قال الشافعیؒ یجوز فی الوجھین لان المجوز انما ھو العجز و قد شمل الفصلین و لا فرق بین الاصلی والعارضی کالوحشی والمتوحش من الاھلی فی حق الذکاۃ

ترجمہ ...... اور شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں جائز ہے اس لئے جائز کرنے والی چیز وہ عاجزی ہے اور عاجزی دونوں صورتوں کو شامل ہے اور اصلی اور عارضی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جیسے اور پالتو جانوروں میں سے متوحش ہے ذکاۃ کے حق میں۔

تشریح ...... امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جیسے اخرس کی صورت میں جائز ہے اسی طرح اس شخص کے حق میں بھی جائز ہے جس کی زبان رک گئی ہے اس لئے کہ صراحۃً گویائی کی جگہ اشارۂ اخرس پر جو اکتفا کیا جاتا ہے وہ اس کی عاجزی کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور عاجزی اس شخص کے اندر بھی ہے جس کی زبان بند ہوگئی ہے۔

لہٰذا اصلی گونگاپن ہو یا عارضی دونوں کا ایک حکم ہے اصل یعنی اخرس عارضی یعنی وہ شخص جس کی زبان بند ہوگئی ہے۔

جیسے وحشی حیوانات میں ذکاۃ اضطراری جائز ہے جس کی وجہ اس کا وحشی ہونا ہے لہٰذا اگر پالتو حیوان وحشی ہو جائے تو اس میں بھی ذکاۃ اضطراری جائز ہے کیونکہ دونوں جگہ اس کے جواز کی وجہ ذکاۃ اختیاری سے عاجزی ہے اسی طرح یہاں دونوں کے اندر جواز کی وجہ اخرس اور معتقل اللسان کا عاجز ہونا ہے۔

اخرس اور معتقل اللسان کے بارے میں احناف کا نقطۂ نظر

والفرق لاصحابنا رحمھم اللہ ان الاشارۃ انما تعتبر اذا صارت معھودۃ معلومۃ و ذالک فی [illegible] دون المعتقل لسانہ حتی لو امتد ذالک وصارت لہ اشارات معلومۃ قالوا ھو بمنزلہ الاخرس لان التفریط جاء من قبلہ حیث اخر الوصیۃ الی ھذا الوقت اما الاخرس فلا تفریط منہ و لان العارضی علی شرف الزوال دون الاصلی فلا یتقاسان وفی الابدۃ عرفناہ بالنص

ترجمہ ...... اور ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کے لئے وجہ فرق یہ ہے کہ اشارہ معتبر ہوتا ہے جب کہ وہ معہود و معلوم ہو اور یہ گونگے میں ہے نہ کہ اس شخص میں جس کی زبان بند ہوگئی ہو یہاں تک کہ اگر یہ (زبان بندی) ممتد ہو جائے اور اس کے لئے اشارات معلومہ ہو جائیں تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ وہ اخرس کے درجہ میں ہے اور اس لئے کہ کوتاہی اسی کی جانب سے آتی ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اس وقت تک وصیت کو موخر کیا ہے بہر حال گونگا پس اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں ہے اور اس لئے کہ عارضی زوال کے کنارے پر ہے نہ کہ اصلی تو یہ دونوں ایک دوسرے پر قیاس نہ ہوں گے اور وحشی کے اندر ہم نے اس کو نص سے پہچانا ہے۔

تشریح ...... ہمارے اصحاب حنفیہؒ نے ان دونوں میں فرق کیا ہے یعنی اخرس اور معتقل اللسان میں فرق کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل تو آدمی کا نطق اور کلام اور اشارات اسی وقت قابل اعتبار ہوتے ہیں جب کہ اشارات معہود و معلوم ہوں اور ایسے اشارات فقط اخرس کے ہوں گے اور جس کی زبان بند ہوگئی اس کے اشارات ایسے نہ ہوں گے کیونکہ یہ تو اس کا ابھی کا عذر ہے تو لوگوں کو اسکے اشارات سمجھنے میں دشواری ہوگی۔

لیکن اگر اس میں امتداد ہو جائے یعنی زبان بند ہوئے زمانہ دراز گذر گیا اور اس مدت میں اس کے اشارات جانے پہچانے ہو گئے تو اب یہ اخرس کے درجہ میں ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ امتداد کی حد کیا ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ حد امتداد ایک سال ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر اعتقال میں اتنا امتداد ہو کہ موت تک برابر رہے تو اس کا اشارہ سے اقرار جائز ہے اور اس پر اشتہاد جائز ہے اس لئے کہ اب اس کو ایسا عذر و عجز لاحق ہو چکا ہے کہ اب اس کے زوال کی امید نہیں رہی تو یہ اخرس کے مثل ہوگا وعلیہ الفتوی۔

اخرس اور معتقل اللسان میں دوسرا فرق یہ ہے کہ معتقل اللسان قصوروار ہے اور اخرس قصوروار نہیں ہے، یعنی معتقل اللسان نے وصیت کرنے کا جواب تک مؤخر کیا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان بند ہوگئی تو اس میں اس کا قصور اور کوتاہی ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے بولنے پر قادر تھا اگر وہ اس وقت وصیت کرتا تو اس کو کوئی دقت نہ ہوتی۔

تو تاخیر وصیت میں اس کا قصور ہے اور اخرس کا کوئی قصور نہیں ہے اور اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں ہے۔

تنبیہ.....لیکن مصنفؒ کی یہ دلیل پہلی دلیل کے خلاف کو مقتضی ہے (فتدبر) تیسرا فرق ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ اخرس کا عذر اصلی ہے اور معتقل کا عارضی ہے اور عارضی قابل زوال ہے اور اصلی ناقابل زوال ہے لہذا ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے، رہا امام شافعیؒ کا وہ استدلال جو انہوں نے اس مسئلہ کو وحشی اور متوحش من الاہلی پر قیاس کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔

تو اس کا جواب دیا کہ قیاس تو اس کو مقتضی ہے کہ پالتو حیوانات میں ذکاۃ اضطراری جائز نہ ہو بلکہ فقط ذکاۃ اختیاری ہو۔

لیکن خلاف قیاس سے [illegible] بت ہوئی کہ متوحش من الاہلی کے اندر بھی ذکاۃ اضطراری جائز ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز خلاف قیاس نص سے ثابت ہو اس کے اوپر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

اخرس کے نکاح، طلاق، آزاد کرنے اور خرید و فروخت کرنے کا حکم

قال واذا كان الاخرس يكتب كتابا او يومى ايماء يعرف به فانه يجوز نكاحه و طلاقه و عتاقة و بيعه و شرائه و يقتص له ومنه ولا يحد ولا يحد له اما الكتابة فلانها ممن ناى بمنزلة الخطاب ممن دنا الاترى ان النبى عليه السلام ادى واجب التبليغ مرة بالعبارة و تارة بالكتابة الى المغيب والمجوز فى حق الغائب العجز وهو فى الاخرس اظهر والزم

ترجمہ.....امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جب کہ گونگا تحریر لکھتا ہو یا اشارہ کرتا ہو جس کو پہچان لیا جائے تو اس کا نکاح اور اس کی طلاق اور اس کا آزاد کرنا اور اس کا خریدنا جائز ہے اور اس کے لئے قصاص لیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا اور اخرس کو حد نہیں ماری جائے گی اور نہ اخرس کے لئے حد ماری جائے گی بہرحال کتابت پس اس لئے کہ کتابت اس شخص سے جو کہ دور ہو اس شخص کے خطاب کے درجہ میں ہے کہ جو قریب ہو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی کریم ﷺ نے فریضۂ تبلیغ کو کبھی عبارت سے ادا کیا ہے اور کبھی غائبین کی جانب تحریر سے اور غائب کے حق میں جو جائز کرنے والی چیز ہے وہ عاجزی ہے اور عاجزی اخرس کے اندر زیادہ ظاہر اور زیادہ پیئنٹ ہے۔

تشریح.....ایک شخص گونگا ہے جس کے اشارات جانے پہچانے ہیں یا وہ لکھنا جانتا ہے تو وہ تحریر سے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے تو اب

جائز ہے لہذا اگر اخرس نے تحریر یا اشارۂ معروفہ کے ذریعہ نکاح کیا یا اپنی بیوی کو طلاق دی یا اپنے غلام کو آزاد کیا یا بیع وشراء کی تو یہ تمام عقود ثابت ہوں گے۔

اور اگر اخرس نے تحریراً اشارۃً قصاص کا اقرار کیا یا دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا اور وہ دعویٰ ثابت ہوگیا تو اول صورت میں اخرس سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر اخرس نے حد کا اقرار کیا یا اخرس نے کسی پر حد کا دعویٰ کیا اور یہ دعویٰ اس کا یا تحریراً یا اشارات معروفہ کے ذریعہ ہوگا، اسی طرح اس کا اقرار تحریراً ہوگا یا اشارات میں ہوگا۔ بہر دو صورت نہ اس پر حد ماری جائے گی اور نہ اس کے لئے دوسرے پر حد ماری جائے گی۔

امام محمدؒ نے یہاں اخرس کی دو چیزوں کو بیان فرمایا ہے ایک کتاب کو اور دوسرے اشارہ کو، اب صاحب ہدایہؒ ان دونوں کے اثبات پر تفصیلی گفتگو فرمارہے ہیں۔

کتابت کے بارے میں فرمایا کہ اس کا اصول یہ ہے کہ جو شخص دور ہوتا ہے اس کی تحریر کا وہی درجہ ہے جو پاس والے کی گفتگو اور تکلم کا ہے، جس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فریضۂ تبلیغ کو ادا کرنے میں کبھی گویائی سے کام لیا ہے جیسا کہ عامۃً ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اور جو لوگ دور دراز تھے ان کے پاس دعوتی خطوط روانہ فرمائے تھے، الہٰذا معلوم ہوا کہ غائبین کی تحریر حاضرین کے خطاب کے مثل ہے۔

اور جب غائب کی تحریر معتبر ہوئی اس لئے کہ وہ بالمشافہ گفتگو کرنے سے عاجز ہے تو یہی عاجزی تو اخرس میں غائب سے بھی زیادہ ہے کیونکہ غائب تو فی الجملہ نطق پر قادر ہے اور اخرس نطق سے بالکل عاجز ہے۔

کتابت کی شرح کرتے ہوئے پھر مصنفؒ نے کتابت کے اقسام کو بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان ـــ [illegible] کو بیان فرمایا ہے۔

کتابت کی تین قسموں کا بیان

ثم الكتابة على ثلث مراتب مستبين مرسوم هو بمنزلة النطق في الغائب والحاضر على ماقالوا و مستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدار و اوراق الأشجار و ينوى فيه لانه بمنزلة صريح الكناية فلا بد من النية وغير مستبين كالكتابة على الهواء والماء وهو بمنزلة كلام غير مسموع فلا يثبت به الحكم

ترجمہ...... پھر کتابت کے تین درجے ہیں

۱- مستبین مرسوم...... اور یہ نطق کے درجہ میں ہے غائب اور حاضر کے حق میں اس کی تفصیل کے مطابق جو فقہاء نے بیان فرمائی ہے

۲- مستبین غیر مرسوم...... جیسے دیوار پر لکھنا اور درختوں کے پتوں پر لکھنا اور اس میں نیت دریافت کی جائے گی اس لئے کہ یہ قسم صریح کنایہ کے درجہ میں ہے تو نیت ضروری ہے

۳- غیر مستبین...... جیسے ہوا پر لکھنا اور پانی پر لکھنا اور یہ کلام غیر مسموع کے درجہ میں ہے تو اس کی وجہ سے حکم ثابت نہ ہوگا۔

تشریح...... یہاں سے مصنفؒ نے یہ بیان کیا کہ کتابت کی تین قسمیں ہیں

۱- کتابت مستبین مرسوم

۲- کتابت مستبین غیر مرسوم

۳- غیر مستبین

اگر کتابت اس طرح ہو کہ اس کو پڑھا جا سکتا ہو جیسے کاغذ وغیرہ پر قلم وغیرہ سے لکھا اور اس طرح لکھا جیسے خطوط لکھنے کا طریقہ ہے یعنی وہ مصدر و معنون ہو یعنی اس میں عنوان ہو جس سے یہ پتہ لگے کہ کس نے بھیجا ہے اور کس کے پاس بھیجا ہے جیسے لکھا جاتا ہے من فلاں بن فلاں الی فلاں ابن فلاں تو ایسی کتابت کو مستبین مرسوم کہتے ہیں۔

اور اگر تحریر اس قابل تو ہو کہ اس کو پڑھا جا سکے لیکن کس نے لکھا ہے اور کس کے بارے میں لکھا ہے یہ کچھ پتہ نہ چلے، جیسے دیوار پر لکھ دیا، اونٹ، یا میں نے طلاق دی وغیرہ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کے بارے میں لکھا ہے تو اس کا نام مستبین غیر مرسوم یعنی اس کا کوئی عنوان نہیں ہے۔

اور اگر فضاء میں یا پانی کے اوپر لکھا جس کو پڑھا نہیں جا سکتا تو یہ غیر مستبین ہے پھر ان قسموں کے احکام جداگانہ ہیں۔

مستبین مرسوم کا حکم یہ ہے کہ اس کو حاضر لکھے یا غائب یہ کلام کے درجہ میں ہے لہذا جو شخص حاضر ہو اور وہ **مستبین** مرسوم طریقہ پر تحریر لکھ کر پیش کرے یہ ایسا ہے جیسے وہ خود زبان سے بولا ہو اور یہی اس کا حکم ہے۔

اور مستبین غیر مرسوم کا حکم یہ ہے کہ اس میں لکھنے والے کی نیت دریافت کی جائیگی اس لئے کہ یہ قسم ایسی ہے جیسے الفاظ کنائی ہیں طلاق کے اندر، کہ ان میں نیت کی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح اس قسم کے اندر نیت کی ضرورت پیش آئے گی۔

مصنفؒ نے فرمایا ہے لا نہٗ بمنزلۃ صریح الکنایۃ یعنی تحریر کا یہ اسلوب مذکور ایسا ہے جیسے قولاً اس نے کنایات کو استعمال کیا ہو جس میں نیت کی ضرورت پیش آتی ہے ایسے ہی اس میں بھی آئے گی تو صریح الکنایہ سے مراد کنایہ قولیہ ہے۔

اور غیر مستبین یہ ایسا ہے جیسے کلام غیر مسموع کہ اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اسی طرح اس قسم سے کوئی حکم ثابت نہ ہوگا، اور پتوں، فضاء اور پانی پر جتنی طلاقیں لکھے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

اخرس کے اشارہ کا حکم

واما الاشارۃ فجعلت حجۃ فی حق الاخرس فی حق ھذہ الاحکام للحاجۃالی ذالک لانھا من حقوق العباد ولا تختص بلفظ دون لفظ و قد تثبت بدون اللفظ والقصاص حق العبد ایضاً ولاحاجۃ الی الحدود لانھا حق اللہ تعالیٰ ولانھا تندرئی بالشبھات ولعلہ کان مصدقا للقاذف فلا یحد للشبھۃ ولا یحد ایضاً بالاشارۃ فی القذف لانعدام القذف صریحاً وھو الشرط

ترجمہ...... اور بہر حال اشارہ پس اس کو اخرس کے حق میں ان احکام کے اندر حجت قرار دیا گیا ہے ان کی جانب حاجت کی وجہ سے اس لئے کہ یہ احکام حقوق العباد میں سے ہیں اور یہ احکام کسی ایک لفظ کے ساتھ مختص نہیں ہیں نہ کہ دوسرے کے ساتھ اور کبھی یہ احکام بغیر لفظ

کے ثابت ہو جاتے ہیں اور قصاص بھی حق العبد ہے اور حدود کی جانب کوئی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ حدود حق اللہ ہیں اور اس لئے کہ حدود شبہات سے دور ہو جاتی ہیں اور شاید کہ اخرس قاذف کی تصدیق کرنے والا ہو تو شبہ کی وجہ سے حد نہیں ماری جائے گی صراحۃً قذف نہ ہونے کی وجہ سے حالانکہ یہ (صراحۃً زنا کی تہمت لگانا) شرط ہے۔

تشریح..... کتابت کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب مصنفؒ اشارہ کا بیان فرمارہے ہیں کہ جملہ احکام میں علاوہ حدود کے اخرس کا اشارہ اس لئے معتبر ہوا کہ چونکہ یہ احکام حقوق العباد میں سے ہیں تو ان میں بندہ کو حاجت وضرورت ہے لہذا اس ضرورت کے پیش نظر اخرس کے اشارہ سے یہ احکام ثابت ہوں گے اور چونکہ یہ احکام مخصوص الفاظ کے ساتھ مختص بھی نہیں ہیں بلکہ جیسے عربی زبان کے الفاظ و کلمات سے ان کا ثبوت ہوگا ایسے ہی فارسی اور اردو کے الفاظ وکلمات سے اس کا ثبوت ہوگا، بلکہ بعض مواقع پر بغیر الفاظ کے بھی ان کا ثبوت ہو جاتا ہے، جیسے بیع تعاطی میں بغیر الفاظ کے بیع ہو جاتی ہے اور نکاح فضولی میں تکلم پر قدرت کے باوجود نکاح منعقد ہو جاتا ہے، تو اخرس کے اندر جب کہ عاجزی موجود ہے بدرجۂ اولیٰ بغیر الفاظ کے یہ احکام ثابات ہوں گے۔

اور قصاص بھی حق العبد ہے لہذا قصاص بھی دیگر حقوق العباد کے مثل اخرس کی کتابت اور اشارہ سے ثابت ہوگا، البتہ اخرس کے اشارہ سے حدود کا ثبوت نہ ہوگا یعنی اگر وہ اشارۃً قذف کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف نہیں ماری جائے گی اور دوسرے پر حد قذف کا اشارہ کرے تو دوسرے پر حد قذف نہیں ماری جائے گی اس لئے کہ احتمال ہے کہ ہم نے جس کو قذف سمجھا ہے وہ قذف نہ ہو بلکہ قاذف کی تصدیق ہو تو شبہ پیدا ہو گیا اور حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں اور اگر اخرس نے اشارۃً زید پر زنا کی تہمت لگائی تو اخرس پر حد قذف نہیں ماری جائے گی اس لئے کہ اخرس نے فقط اشارہ کیا ہے جس میں احتمالات کثیرہ ہیں اور حد قذف کے لئے شرط یہ ہے کہ صراحۃً زنا کی تہمت لگائی جائے اور اذا فات الشرط فات المشروط قاعدہ کلیہ ہے۔

حدود اور قصاص میں فرق

ثم الفرق بين الحدود والقصاص ان الحد لا يثبت ببيان فيه شبهة الاترى لو شهدوا بالوطى الحرام او اقر بالوطى الحرام لا يجب الحد ولو شهد و بالقتل المطلق او اقر بمطلق القتل يجب القصاص وان لم يوجد لفظ التعمد و هذا لان القصاص فيه معنى العوضية لانه شرع جابر فجاز ان يثبت مع الشبهة كسائر المعاوضات التى هى حق العبد اما الحدود الخالصة لله تعالىٰ شرعت زواجر و ليس فيها معنى العوضية فلا تثبت مع الشبهة لعدم الحاجة

ترجمہ..... پھر حدود اور قصاص کے درمیان فرق یہ ہے کہ حد ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہ ہو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر گواہوں نے وطی حرام کی گواہی دی یا اس نے خود وطی حرام کا اقرار کر لیا تو حد واجب نہ ہوگی اور اگر لوگوں نے قتل مطلق کی گواہی دی یا مجرم نے خود مطلق قتل کا اقرار کر لیا تو قصاص واجب ہوگا اگر چہ لفظ تعمد نہیں پایا گیا اور یہ اس لئے کہ قصاص اس میں عوض ہونے کے معنیٰ ہیں اس لئے کہ قصاص جبر نقصان کے لئے مشروع ہوا ہے تو جائز ہے کہ قصاص شبہ کے ساتھ ثابت ہو جائے جیسے وہ تمام معاوضات جو بندہ کا حق ہے بہر حال حدود خالصہ للہ تعالیٰ زاجر بن کر مشروع ہوئی ہیں اور ان میں عوض ہونے کے معنیٰ نہیں ہیں تو حدود حاجت نہ ہونے کی وجہ سے شبہ کیساتھ ثابت نہ ہونگے۔

تشریح ..... یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قصاص اور حدود میں فرق کیوں ہوا کہ اخرس کی کتابت اور اشارہ سے قصاص تو جائز ہے لیکن اجراء حد جاری نہیں ہے جبکہ بظاہر دونوں کا درجہ ایک سا ہے؟

تو جواب دیا کہ ان دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ حدود میں معمولی سا شبہ بھی برداشت کیا جا سکتا ہے، اس کے ثبوت کے لئے دیکھئے کہ اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ زید نے وطی حرام کی ہے یا زید نے خود وطی حرام کا اقرار کیا ہو تو دونوں صورتوں میں زید پر حد زنا جاری نہ ہوگی، اس لئے کہ حالت حیض میں وطی کرنا بھی وطی حرام ہے لیکن اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی، اور اسی طرح مجوسیہ باندی سے وطی کرنا بھی وطی حرام ہے لیکن اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی، اور وطی حرام کا فرد کامل زنا ہے اس کے باوجود بھی اس شہادت اور اس اقرار کی وجہ سے حد واجب نہ ہوگی۔

اور اگر گواہوں نے یہ گواہی دی ہو کہ زید نے خالد کو قتل کیا ہے یا زید نے خود اقرار کیا ہو کہ ہاں میں نے خالد کو قتل کیا ہے تو دونوں صورتوں میں زید پر قصاص واجب ہوگا حالانکہ قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا ہے اور لفظ عمد کا یہاں پر کوئی ذکر نہیں آیا اس کے باوجود بھی اس شبہ کا تحمل کیا گیا ہے اور قصاص میں فرق ہے حد کے اندر اگر کچھ شبہ ہو تو حد کا ثبوت نہیں ہوگا اور قصاص میں اگر معمولی سا شبہ ہو تو قصاص ثابت ہوسکتا ہے۔

سوال ..... اب رہی یہ بات کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حد کا شبہ کی وجہ سے ثبوت نہیں ہوتا اور قصاص کا ہو جاتا ہے؟

جواب ..... تو اس کا جواب دیا کہ قصاص میں عوض ہونے کا پہلو ہے اور یہ حق العبد ہے یعنی قصاص اس لئے مشروع ہوا ہے کہ قاتل سے جو قصور صادر ہوا ہے اس کی تا[illegible] دی جائے تو جس طرح تمام ان معاوضات کا حکم ہے جو کہ حق العبد ہیں کہ شبہ کیساتھ بھی ان کا ثبوت ہو [illegible] قصاص کا ثبوت بھی شبہ کیساتھ ہو جائے گا۔

اور رہی حدود تو ان میں عوض ہونے کے معنی نہیں ہیں بلکہ حدود تو زواجر ہیں یعنی حدود کو اس لئے مشروع کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان امور کے ارتکاب سے بچیں، اس لئے ان دونوں میں فرق کرنا امر لابدی ہے، لہذا قصاص کا ثبوت شبہ کے ساتھ ہو جائے گا اور حدود کا ثبوت شبہ کے ساتھ نہ ہوگا، یہ مصنفؒ کی تقریر کا ماحصل ہے۔

بالفاظ دیگر قصاص جابر ہے اور حد زاجر ہے اور جابر میں شبہ کا تحمل ہوسکتا ہے لیکن زاجر میں شبہ کا تحمل نہ ہوگا۔

تنبیہ ..... مصنفؒ نے یہاں یہ تقریر فرمائی ہے کہ قصاص کا ثبوت شبہ کے ساتھ ہو جائے گا صاحب نتائج الافکار نے وہ تمام مقامات یہاں شمار کرائے ہیں جہاں جہاں مصنفؒ یہ بیان فرما کر آئے ہیں کہ قصاص شبہ سے ساقط ہو جائے گا تو ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ دلیل تام نہیں ہے۔

غائب کی تحریر قصاص کے سلسلے میں حجت ہے یا نہیں

و ذكر في كتاب الاقرار ان الكتاب من الغائب ليس بحجة في قصاص يجب عليه و يحتمل ان يكون الجواب هنا كذالك فيكون فيهما روايتان و يحتمل ان يكون مفارقا لذالك لانه يمكن الوصول الى نطق الغائب في الجملة لقيام اهلية النطق ولا كذالك الاخرس لتعذر الوصول النطق للافة المانعة

ترجمہ ..... اور مبسوط کی کتاب الاقرار میں ہے کہ غائب کی تحریر اس قصاص کے سلسلہ میں حجت نہیں ہے جو غائب کے اوپر واجب ہوا اور

احتمال ہے کہ یہاں (اخرس کے اندر) جواب ایسے ہی ہو تو اخرس کے مسئلہ میں دو روایتیں ہو جائیں گی اور احتمال ہے کہ اخرس غائب سے مفارق ہو اس لئے کہ غائب کے نطق تک رسائی فی الجملہ ممکن ہے نطق کی اہلیت کے قائم ہونے کی وجہ سے اور اخرس ایسا نہیں ہے نطق تک رسائی کے متعذر ہونے کی وجہ سے اس آفت کی وجہ سے جو مانع نطق ہے۔

تشریح ...... ماقبل میں جامع صغیر کی عبارت گذر چکی ہے اور صاحب ہدایہؒ اس پر تفصیلی گفتگو فرما چکے ہیں۔

جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر اخرس تحریر کے ذریعہ یا اشارہ کے ذریعہ قصاص کا اعتراف و اقرار کرے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا اور اس پر قصاص واجب ہوگا۔

لیکن امام محمدؒ نے مبسوط کی کتاب الاقرار میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی غائب شخص تحریر کے ذریعہ اقرار کرے کہ میرے اوپر قصاص ہے تو اس کی یہ تحریر اور یہ اقرار تحریری حجت نہیں ہے اور اس پر قصاص واجب نہ ہوگا یہ جزئیہ مبسوط کا ہے۔

اب اس پر حضرت مصنفؒ کچھ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مبسوط کے اس جزئیہ کو سامنے رکھتے ہوئے دو احتمال سامنے ہیں۔

۱- اخرس کی تحریر کا بھی یہی حکم ہو جو غائب کی تحریر کا ہے یعنی اگر اخرس تحریر کے ذریعہ قصاص کا اقرار کرے تو اس کی تحریر حجت نہ ہو اور اس پر قصاص واجب نہ ہو، حالانکہ جامع صغیر کی روایت اس کے برعکس ہے تو اب کہا جا سکتا ہے کہ اخرس کے مسئلہ میں حنفیہ کے یہاں دو روایتیں ہیں، ایک وہ جو جامع صغیر میں مذکور ہے، اور دوسرے وہ مبسوط کی روایت سے سمجھ میں آ رہی ہے۔

۲- دوسرا احتمال یہ ہے کہ مبسوط کے اس جزئیہ کو فقط غائب ہی پر مقصود رکھا جائے اور اخرس کا وہی حکم قرار دیا جائے جو جامع صغیر میں ہے تو اب اخرس کے مسئلہ میں دو روایتیں نہ ہوں گی بلکہ اخرس اور غائب کے مسئلہ میں فرق ہے اور مبسوط میں غائب کا مسئلہ مذکور ہے اور جامع صغیر میں اخرس کا مذکور ہے۔

اور غائب اور اخرس میں وجہ فرق یہ ہے کہ غائب حاضر ہونے کے بعد نطق اور تکلم پر قادر ہے کیونکہ اس کے اندر کلام کرنے کی اہلیت موجود ہے اور اخرس کے اندر کلام کرنے کی اہلیت نہیں ہے اس لئے کہ وہ اپنے آلۂ نطق کے ذریعہ ہی سے معذور شمار کیا گیا ہے۔

قادر علی الکتابۃ کے اشارے کا حکم

و دلت المسالة على ان الاشارة معتبرة و ان كان قادرا على الكتابة بخلاف ما توهمه بعض اصحابنا انه لا تعتبر الاشارة مع القدرة على الكتابة لانه حجة ضرورية ولا ضرورة لانه جمع ههنا بينهما فقال اشار او كتب و انما استويا لان كل واحد منهما حجة ضرورة و في الكتابة زيادة بيان لم يوجد في الاشارة و في الاشارة زيادة امر لم يوجد في الكتابة لما انه اقرب الى النطق من اثار الاقلام فاستويا

ترجمہ ...... اور یہ مسئلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اشارہ معتبر ہے اگر چہ وہ کتابت پر قادر ہو بخلاف اس صورت کے کہ ہمارے بعض اصحابؒ نے جس کا توہم کیا ہے کہ اشارہ کتابت پر قدرت کے ساتھ معتبر نہیں ہے اس لئے کہ اشارہ ایک حجت ضروریہ ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے (اشارہ معتبر کیوں ہے) اس لئے کہ محمدؒ نے جامع صغیر میں ان دونوں کے درمیان جمع کیا ہے پس یوں فرمایا ہے "اشار او کتب" اور یہ دونوں برابر ہیں اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک حجت ضروریہ ہے اور کتابت میں بیان کی کچھ ایسی زیادتی ہے جو اشارہ میں نہیں ہے اس لئے کہ اشارہ اقلام کے آثار کے مقابلہ میں نطق کے زیادہ قریب ہے تو یہ دونوں برابر ہو گئے۔

تشریح مصنفؒ اصل مسئلہ کی تفصیلات بیان فرما کر اب اس مسئلہ سے مستنبط ہونے والے بعض احکام کا ذکر فرما رہے ہیں۔
لہذا فرمایا کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے یہ عبارت ارشاد فرمائی ہے واذا کان الاخرس یکتب کتاباً اویومی ایماء یعرف به الخ جس کا مطلب ہے ''اشارا و کتب ''یعنی امام محمدؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اخرس کا اشارہ اور اس کی تحریر دونوں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے لہذا اس مسئلہ سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ جو بعض ہمارے اصحاب کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ جب اخرس کو کتابت و تحریر پر قدرت ہو تو اس وقت اس کے اشارہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور ان کی دلیل یہ ہے کہ الضرورۃ تتقدرُ بقدرِ الضرورۃ قاعدہ کلیہ ہے اور اشارہ ایک ایسی چیز ہے جس کا بنا بر ضرورت اور مجبوری اعتبار کیا جاتا ہے اور یہاں چونکہ اخرس کو تحریر و کتابت پر قدرت ہونے کی وجہ سے اشارہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا مذکورہ قاعدہ کے پیش نظر۔

لیکن ان حضرات کا یہ وہم فقط وہم ہے اس لئے کہ امام محمدؒ نے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے کما مر، پھر یہ کہنا کہ اشارہ بنا بر ضرورت اور کتابت اصل ہے یہ بھی غلط ہے، بلکہ اشارہ اور کتابت دونوں بر بناء ضرورت ہیں اور اصل نطق و تکلم ہے اور یہ دونوں حجت ضروریہ ہیں، اور ان دونوں میں سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے اس لئے کہ ایک اعتبار سے اشارہ قوی معلوم ہوتا ہے لہذا دونوں کا درجہ برابر رکھا گیا ہے۔

اگر دیکھا جائے اس اعتبار سے کہ مفہوم کتابت سے صاف سمجھ میں آتا ہے اور اشارہ میں ایسی بات نہیں ہے، تو اس اعتبار سے تو کتابت و تحریر کا عمدہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اگر دیکھا جائے اس اعتبار سے کہ تحریر تو اس کے آثار بعیدہ میں سے ہے اور اشارات اس کے آثار قریبہ ہیں یعنی تحریر کے اندر لکھے ہوئے نقوش قلم کے آثار ہیں اور اشارات کا تعلق براہ راست اس کے اعضاء اور اس کے بدن سے ہے تو اشارات براہ راست ہونے کی وجہ سے نطق کے زیادہ قریب ہیں لہذا ان دونوں کو برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔

معتقل اللسان کی تفسیر

و کذالک الذی صمت یوماً او یومین بعارض لما بینافی المعتقل لسانه ان الة النطق قائمة و قیل هذا تفسیر لمعتقل اللسان

ترجمہ اور ایسے ہی وہ شخص جو ایک دن یا دو دن کسی عارض کی وجہ سے خاموش رہا اسی دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم اس شخص کے بارے میں بیان کر چکے ہیں جس کی زبان بند ہو گئی ہو کہ آلہ نطق قائم ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ معتقل اللسان کی تفسیر ہے۔

تشریح ماقبل کے مسئلہ سے پہلے مسئلہ میں جامع صغیر کی عبارت گذری ہے جس کے آخر میں عبارت یوں تھی ''ولا یجوزُ ذٰلک فی الذی یعتقلُ لسانه '''تو یہ عبارت معطوف علیہ اور جو عبارت یہاں مذکور ہے یہ اس کا معطوف ہے یعنی جس طرح وہ شخص جس کی زبان بند ہو گئی تو حسب تفصیل سابق اس کا اشارۃً اقرار جائز نہیں ہے اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جس کی زبان کسی عارض کی وجہ سے ایک دو روز خاموش رہی اور بول نہ سکی تو سرے اس کے اشارات بھی معتبر نہ ہونگے کیونکہ اس کے اندر نطق کا آلہ موجود و برقرار ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ امام محمدؒ کی یہ عبارت مستقل اللسان کی تفسیر ہے اور ہم ماقبل میں اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔

مذبوحہ اور میتۃ بکریاں خلط ملط ہو جائیں تو شرعی حکم کیسا ہے

قال واذا كان الغنم مذبوحة و فيها ميتة فان كانت المذبوحة اكثر تحرى فيها واكل وان كانت الميتة اكثر او كانا نصفين لم يوكل

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور جب کہ بہت بکریاں مذبوحہ ہوں اور ان میں مردار بھی ہوں پس اگر مذبوحہ زیادہ ہوں تو ان بکریوں میں تحری کرے اور کھائے، اور اگر مردار زیادہ ہوں یا دونوں آدھی آدھی ہوں تو نہیں کھائی جائے گی۔

تشریح۔۔۔۔۔ بہت ساری بکریاں ایک جگہ پر پڑی ہیں ان میں سے کچھ ذبح کی ہوئی ہیں اور کچھ مردار ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ کون مردار ہے اور کون مذبوحہ ہے، اگر کسی نشانی سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مذبوحہ ہے اور یہ مردار ہے تو مذبوحہ کو کھانا جائز ہے، اور اگر معلوم نہ ہو سکے تو دیکھا جائے کہ مذبوحہ مردار سے زیادہ ہیں یا نہیں اگر مذبوحہ مردار سے زیادہ ہوں تو بعد تحری ان میں سے ان بکریوں کو کھانا جائز ہے جن کے بارے میں اس کی تحری میں یہ واقع ہو کہ یہ مذبوحہ ہے اور جس کے بارے میں تحری آئے کہ یہ مردار ہے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اور اگر دونوں برابر ہوں یا مردار زیادہ ہوں تو ان دونوں صورتوں میں تحری اور عدم تحری کی دونوں صورتوں میں کھانا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں حالت اضطرار اور حالت اختیار میں فرق

وهذا اذا كانت الحالة حالة الاختيارا ما فی حالة الضرورة يحل له التناول فی جميع ذلک [illegible] المتيقنه تحل له فی حالة الضرورة فالتی تحتمل ان تكون ذكية اولیٰ غير انه يتحرى لانه طريق يوصله الى الذكية فی الجملة فلا يتركه من غير ضرورة

ترجمہ۔۔۔۔۔ اور یہ حکم جب ہے جب کہ حالت اختیار کی حالت ہو بہر حال ضرورت کی حالت میں اس کے لئے کھانا ان تمام صورتوں میں جائز ہے اس لئے کہ جو یقیناً مردار ہو وہ اس کے لئے حالت ضرورت میں حلال ہے پس وہ جو کہ مذبوحہ ہونے کا احتمال رکھتی ہے بدرجۂ اولیٰ علاوہ اس بات کے کہ تحری کرے گا اس لئے کہ تحری ایسا طریقہ ہے جو اس کو فی الجملہ مذبوحہ تک پہنچا دیتا ہے تو وہ بغیر ضرورت کے تحری کو نہیں چھوڑے گا۔

تشریح۔۔۔۔۔ ماقبل میں جو حکم بیان کیا گیا ہے یہ اس حالت میں ہے جب کہ اضطرار اور مخمصہ کی حالت نہ ہو ورنہ مخمصہ اور اضطرار و ضرورت کی صورت میں بہر صورت تناول واکل جائز ہے خواہ مذبوحہ زیادہ ہوں یا کم یا برابر۔

اس لئے کہ حالت مخمصہ میں جس کا مردار و حرام ہونا یقینی ہو وہ بھی حلال ہے تو جس میں مذبوحہ ہونے اور حلال ہونے کا بھی احتمال ہے وہ تو بدرجۂ اولیٰ حلال ہوگی۔

لیکن حالت اضطرار میں بھی اگر اتنی گنجائش ہو کہ تحری کر سکتا ہے تو تحری یہاں بھی نہ چھوڑے اس لئے کہ تحری ایک ایسی دلیل ہے جو فی الجملہ مذبوح تک رسائی کا ذریعہ ہے تو بغیر ضرورت کے تحری کو اب بھی نہ چھوڑے، لیکن اگر حالت مخمصہ کی شدت اس کی اجازت نہ دے تو

بہر صورت اس کے لئے کھانا جائز ہے۔

یہ جو حکم بیان کیا گیا ہے یہ ہمارا مسلک ہے اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے لہذا عبارت آئندہ سے امام شافعیؒ کا اختلاف بیان کیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر اور دلیل

و قال الشافعیؒ لا یجوز الاکل فی حالة الاختیار وان کانت المذبوحة اکثر لان التحری دلیل ضروری فلا یصار الیه من غیر ضرورة ولا ضرورة لان الحالة حالة الاختیار

ترجمہ ۔۔۔ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اختیار کی حالت میں کھانا جائز نہیں ہے اگر چہ مذبوحہ زیادہ ہوں اس لئے کہ تحری دلیل ضروری ہے تو بغیر ضرورت کے اس کی جانب رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ حالت حالتِ اختیار ہے۔

تشریح ۔۔۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے انہوں نے فرمایا کہ حالت اختیار میں یعنی جب مخمصہ اور اضطرار کی حالت نہ ہو ان بکریوں کا کھانا جائز نہیں ہے نہ تحری سے اور نہ بغیر تحری کے خواہ مذبوحہ زیادہ ہوں یا کم یا برابر۔

اور انھوں نے اس پر یہ دلیل پیش فرمائی ہے کہ تحری کوئی اصلی دلیل نہیں ہے بلکہ تحری ایسی دلیل ہے جس سے بر بناء ضرورت کام لیا جاتا ہے یعنی یہ دلیل ضروری ہے اور الضرورة تتقدر بقدر الضرورة، قاعدہ کلیہ ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ حالت اختیار ہے اضطرار کی حالت نہیں ہے ورنہ حالت اضطرار میں سب جائز ہے۔

احناف کی دلیل

ولنا ان الغلبة تنزل منزلة الضرورة فی افادة الاباحة الاتری ان اسواق المسلمین لاتخلوعن المحرم والمسروق والمغصوب ومع ذالک یباح التناول اعتماداً علی الغالب وهذا لان القلیل لا یمکن الاحتراز عنه ولا یستطاع الامتناع عنه فسقط اعتباره دفعاً للحرج کقلیل النجاسة و قلیل الانکشاف بخلاف ما اذا کانا نصفین او کانت المیتة اغلب لانه لا ضرورة فیه والله اعلم بالصواب والیه المرجع والماب

ترجمہ ۔۔۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غلبہ کو اباحت کا فائدہ دینے میں ضرورت کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمانوں کے بازار حرام اشیاء اور مسروق سے اور مغصوب سے خالی نہیں ہوتے اور اس کے باوجود تناول جائز ہے غالب پر اعتماد کرتے ہوئے اور یہ اس لئے کہ قلیل اس سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اس سے بچنے کی استطاعت نہیں ہے تو حرج کو دور کرنے کے لئے اس کا اعتبار ساقط ہو گیا جیسے قلیل نجاست اور قلیل انکشاف بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ دونوں آدھی آدھی ہوں یا مردار غالب ہوں اس لئے کہ اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح ۔۔۔ یہاں سے مصنفؒ اپنی دلیل بیان فرما رہے ہیں۔

دلیل کا حاصل ۔۔۔ یہ ہے کہ بوقت ضرورت واضطرار اباحت ثابت ہو جاتی ہے جیسے خصم کے نزدیک بھی یہ بات مسلم ہے اسی طرح کثرت اور غلبہ بھی اباحت کا فائدہ دیتا ہے، یعنی جب حلال اشیاء اپنی ضد کے ساتھ مخلوط ہو جائیں اور حلال اشیاء زیادہ ہوں تو اباحت

ثابت ہوگی۔

خلاصۂ کلام...... کثرت وضرورت دونوں اباحت کے ثابت کرنے کے اسباب ہیں لہذا دیکھئے مسلمانوں کے بازاروں میں محرمات بھی فروخت ہوتی ہیں اور مسروق بھی اور مغصوب بھی، لیکن مباح اشیاء کا غلبہ اور کثرت ہے لہذا غلبہ اور کثرت پر اعتماد کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے بازاروں سے سامان خریدنا جائز ہے ورنہ امام شافعیؒ کے قول کے قیاس پر جائز نہ ہوتا کیونکہ ان بازاروں میں محرمات وغیرہ بھی فروخت کی جاتی ہیں، لیکن جیسے یہاں اس قلیل کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اس طرح بکریوں والے مسئلہ میں بھی قلیل کا اعتبار نہ کرتے ہوئے بعد تحری اباحت کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قلیل سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اس سے بچنے کی استطاعت نہیں ہے لہذا حرج کو دور کرنے کے لئے قلیل کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے جیسے قلیل نجاست اور قلیل انکشاف کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے جس کی تفصیل ہدایہ جلد اول کے اوائل میں گذر چکی ہے۔

ہاں اگر مذبوحہ اور مردار دونوں آدھی آدھی ہوں یا مردار زیادہ ہوں تو یہاں ان کی اباحت کا حکم نہ ہوگا اس لئے کہ یہاں نہ تو ضرورت ہے کیونکہ یہ حالت اختیار ہے اور نہ قائم مقام ضرورت ہے یعنی غلبہ اور کثرت۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

تمّت

تم المجلد الرابع من الجزء الرابع للهداية بفضل الله تبارک و تعالیٰ و صلی الله تبارک و تعالیٰ علیٰ خیر الخلائق محمدٍ و علیٰ اٰله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین و انا العبد المفتقر الی رحمة مولای الغنی محمد یوسف ابن العظیم التاؤلوی خادم الجامعة الاسلامیه دار العلوم الواقعة بدیوبند

محمد یوسف غفرلہٗ
۷،۷/۱۴۱۱ھ